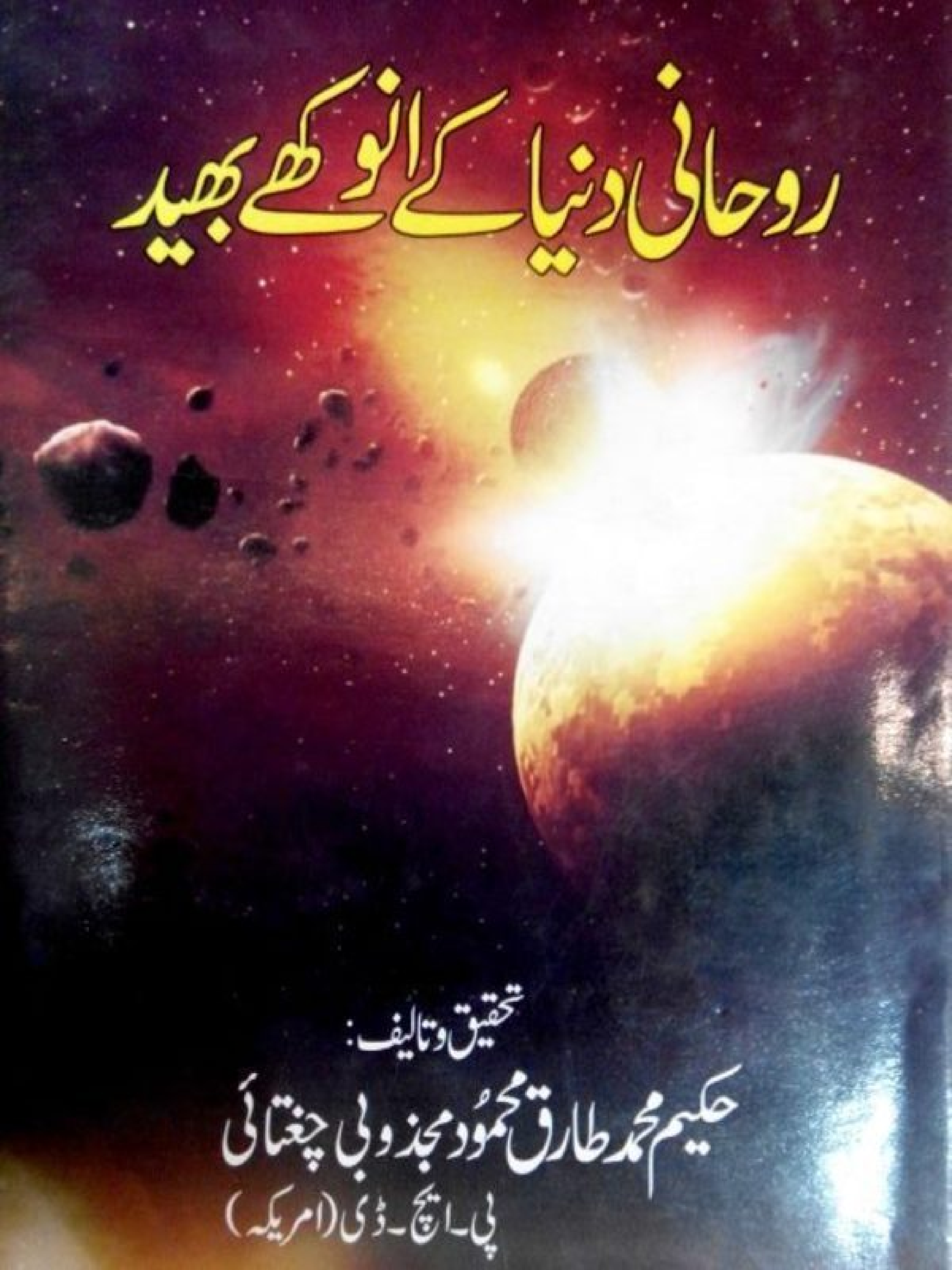

روحانی دنیا کے انوکھے بھید

تحقیق و تالیف:

حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

پی۔ ایچ۔ ڈی (امریکہ)

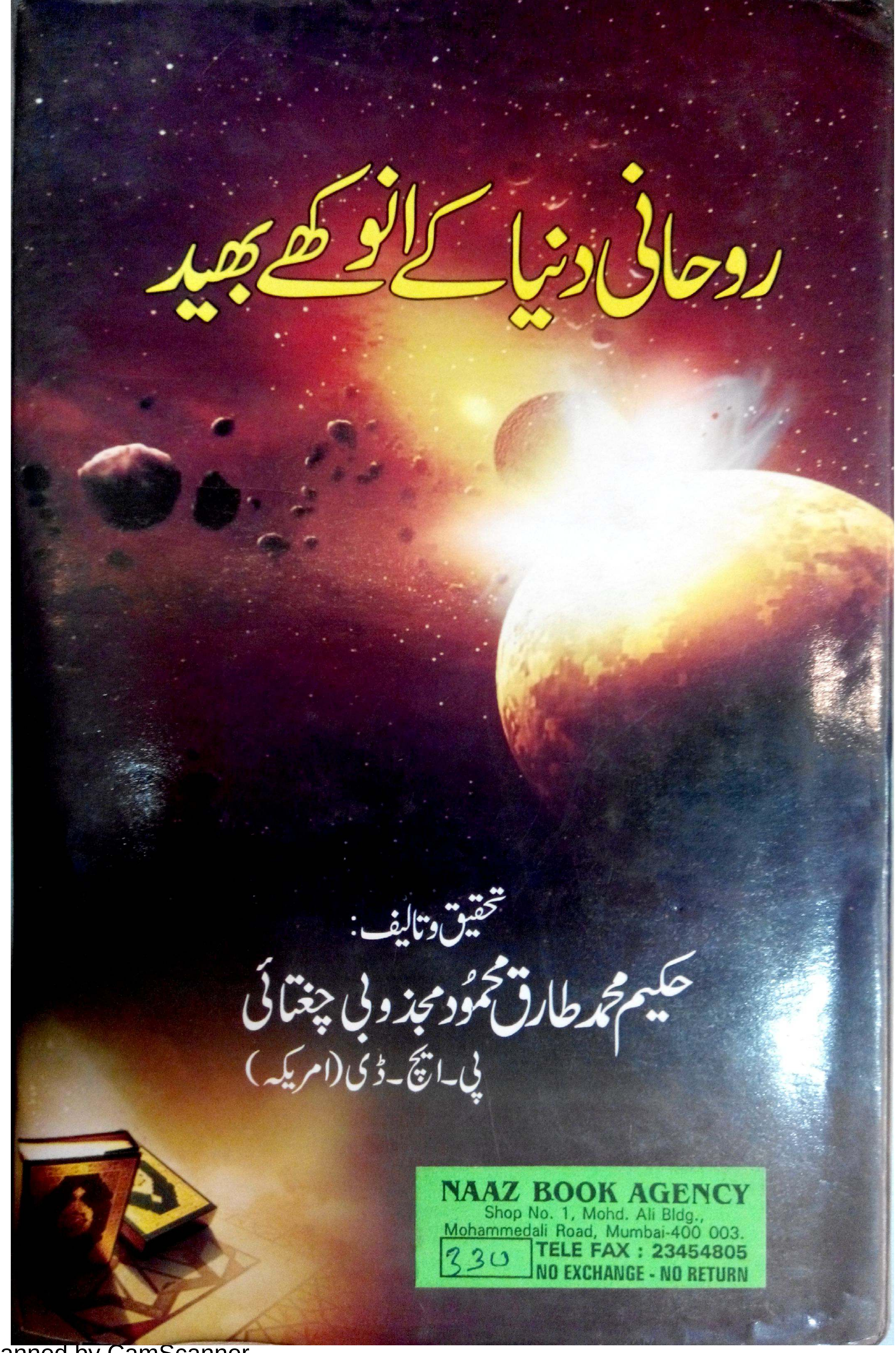

روحانی دنیا کے انوکھے بھید

تحقیق وتالیف:

حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

پی۔ایچ۔ڈی (امریکہ)

NAAZ BOOK AGENCY
Shop No. 1, Mohd. Ali Bldg.,
Mohammedali Road, Mumbai-400 003.
330
TELE FAX : 23454805
NO EXCHANGE - NO RETURN

روحانی دنیا کے
انوکھے بھید

تالیف

حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی

دفتر ماہنامہ عبقری

مرکز روحانیت وامن 78/3، مزنگ چونگی، قرطبہ چوک

یونائیٹڈ بیکری اسٹریٹ، جیل روڈ، لاہور فون نمبر: 042-7552384

مطب حکیم عاشق حسین فاروقی
ہر قسم کی جسمانی بیماریوں کے شافی علاج
اور عبقری کی تمام مصنوعات کے لئے تشریف لائیں
اردو بازار
ایم اے جناح روڈ کراچی
0300-3218560
0301-2485447

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب......روحانی دنیا کے انوکھے بھید
تحقیق وتالیف......حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی
ناشر......دفتر ماہنامہ عبقری مرکز روحانیت وامن، قرطبہ چوک لاہور
ایڈیشن......دوم
قیمت......200 روپے

خط وکتابت کا پتہ: دفتر ماہنامہ ''عبقری'' مرکز روحانیت وامن 78/3
عبقری سٹریٹ نزد قرطبہ مسجد مزنگ چونگی لاہور
فون/فیکس: 042-37552384,37597605
E-mail:contact@ubqari.org
website:www.ubqari.org

حال دل

کائنات ایک راز ہے یہ رازوں اور بھیدوں سے لبریز ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس پر یہ بھید کھول دے۔

میری مشاہداتی زندگی میں بے شمار واقعات ہوئے اور بھرپور احساس ہوا کہ کائنات میں کوئی مخفی نظام بھی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

زیرنظر کتاب میں اس مخفی نظام کے چند رازوں کو افشا کیا گیا ہے۔

ہاں ایک بات بہت ضروری ہے اس پر محنت اور کچھ کوشش لازم ہے جتنا مجاہدہ اتنا مشاہدہ بس یہی اس کائنات کا راز ہے میری کوشش ہوگی آپ کائنات کے بھیدوں کو سمجھ کر اس کائنات کے بنانے والے کو سمجھیں کہ وہ بندے سے کیا چاہتا ہے۔

حکیم محمد طارق محمود عبقری مجذوبی چغتائی
78/3 مزنگ چونگی جیل روڈ لاہور
042-7552384
0321-4343500

* * *

فہرست

روحانی قوت کے پراسرار حقائق ۹
پراسرار شخصیت ۱۸
پراسرار شخصیت ۲۹
جسم وجاں کے پراسرار رشتے ۳۹
جذبات اور جسم ۴۱
مدافعتی نظام ۴۴
احساس بے بسی کے اثرات ۴۴
چھٹی حس کی نئی توجیہ ۴۵
بوتل میں جذبات ۴۶
دماغ، ایک پیچیدہ آئی سی ۴۷
جسم وذہن کا شفاخانہ ۴۸
پرامید ارتکاز توجہ ۴۸
دافع درد ارتکاز توجہ ۴۹
خود سے نفرت کے منفی اثرات ۴۹
ناجائز استعمال کا خطرہ ۴۹
ذہنی علامات کی اہمیت ۵۰
جادو جنات ٹونہ ۵۱
مجذوب عجائبات زندگی ۵۵

بسم الله الرحمن الرحیم

پوشیدہ انسانی قوتیں ۵۸
ہالہ ۶۳
دوسرے مذہبوں میں دعا کی اہمیت ۷۱
آکاش ریکارڈ کیا ہے ۷۹
مراقبہ ۹۵
روحانیت کے نکتہ نظر سے ۱۰۷
برما کے جنگلوں میں ایک درویش ۱۱۴
جنات کی دنیا ۱۲۲
صحابہ کرامؓ کے واقعات ۱۴۰
ابودجانہؓ کا واقعہ ۱۴۰
جب بدروح دفن ہوگئی ۱۴۴
پودگھر کا آسیب ۱۶۴
۱۲، اکتوبر، گیارہ بجے شب ۱۶۴
۱۳، اکتوبر ۳ بجے شب ۱۶۶
۱۴، اکتوبر ساڑھے چار بجے شب ۱۶۷
۱۸، اکتوبر ۱۶۷
۱۹، اکتوبر وقت گیارہ بجے شب ۱۶۸
۲۰، اکتوبر ۲ بجے شب ۱۶۸
۲۰، اکتوبر وقت گیارہ بجے دن ۱۶۹
۲۴، اکتوبر دوپہر ۱۶۹
۲۹، اکتوبر ۱۷۰
۳۱، اکتوبر ۱۷۰
۲، نومبر وقت دو بجے دن ۱۷۰
۲، نومبر۔ وقت گیارہ بجے شب ۱۷۱

۳، نومبر، وقت ۳ بجے شب ۱۷۱
میں نے بدروح سے شادی کی ۱۷۴
اماوس کا آسیب ۱۹۵
جن وانس کی دوستی کی حیرت انگیز داستان ۲۰۱
ماں! تیری یاد آتی ہے ۲۰۷
مرنے کے بعد بھی! ۲۰۹
بے چین بدروح ۲۲۲
جادو ایک حقیقت یا......؟ ۲۲۹
لڑکی نے گاڑی دوڑا دی ۲۳۷
''جنات کی پکڑ'' ۲۳۹
جنوں کی بارات ۲۴۰
روحوں سے ملاقات ۲۴۲
خوفناک چڑیل ۲۴۸
انوکھے شاہ صاحب ۲۵۰
جنات اور جادو کا علاج ناممکن نہیں! ۲۵۷
جادو ٹونے کا علاج ۲۶۷
جادو سے بچنے کی تدابیر ۲۷۱
جادو کا علاج ۲۷۴
نبی کریم کا جسمانی طریقہ علاج ۲۷۷
نظر بد کا علاج ۲۷۸
قبرستان......کیا جن بھوت یہاں

بسیرا کرتے ہیں؟ ۲۸۰
جادو یا آسیب ۲۸۹
فال، رمل، دلیل ۲۹۲
اوہام پرستی؟ ۳۱۰
قصہ ایک جعلی پیر کا ۳۱۸
استادہ ۳۲۶

روحانی قوت کے پراسرار حقائق

اسرار و رموز میں لپٹی نا قابل یقین سچائیاں جو مادیت پرست دنیا کے لئے تازیانہ ہیں

ترغیب یا خود ترغیبی (Auto Suggestion) کے انسانی اعصاب کے نظام کے ساتھ تعلق کو اب سائنس مکمل طور پر ثابت کر چکی ہے۔ اب وہ زمانے گذر گئے جب خود ترغیبی کے عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے واقعات اور رونما ہونے والے غیر معمولی اثرات کو معجزہ، جادو یا جنات کی کارروائی قرار دیا جاتا تھا۔ خود ترغیبی میں ایک عظیم قوت پوشیدہ ہے، قدیم زمانے میں بیماروں اور معذوروں کا علاج اسی طریقے سے کیا جاتا تھا، روحانی طبیب عام طور پر علاج کے لیے منتر یا کوئی اسی قسم کے مخصوص جملے بولتے اور مریض صحت یاب ہونے لگتا تھا۔ نہ صرف علاج معالجے بلکہ زندگی کی عام مشکلات کے حل کے لئے بھی خود ترغیبی کا عمل ایک بہترین نسخہ ہے۔ لیکن بعض اوقات خود ترغیبی کے نتیجے میں عجیب وغریب واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی قسم کا ایک عجیب وغریب واقعہ، مشہور رہا ادیب گورکی کی بیوی ایم ایف اینڈ ریفا نے اپنی آپ بیتی میں رقم کیا ہے۔ یہ واقعہ جزیرہ کیپری میں پیش آیا جہاں میکسم گورکی اپنی کہانی ''اکروف ٹاؤن'' لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کہانی میں ایک منظر ایسا ہے کہ شوہر جذبہ حسد ورقابت کا شکار ہو کر اپنی بیوی کو گوشت ترکاری وغیرہ کاٹنے والے ایک چاقو کے وار سے ہلاک کر دیتا ہے اور چاقو کا پھل اس کی بیوی کے جگر میں اتر جاتا ہے۔ گورکی کی بیوی نے چانک اپنے شوہر کے مطالعہ کے کمرے میں کسی وزنی چیز کے فرش پر گرنے کی آواز سنی تو وہ بھاگی بھاگی اس کمرے میں داخل ہوئی جہاں اس نے ایک نا قابل یقین منظر دیکھا۔ گورکی اپنے میز کے پاس پشت کے بل گرا پڑا تھا اور اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے۔

گورکی کی بیوی کے بیان کے مطابق ''میں نے اس کی جیکٹ کے بٹن کھول دیئے اور اس کے دل کے مقام پر دباؤ استعمال کرنے کے لیے، اس کی چھاتی پر ریشمی جرسی پھاڑ ڈالی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میں نے اس کی چھاتی کے دائیں جانب خون کی ایک تنگ اور گہری لکیر دیکھی۔''

''یہ چوٹ کیسے لگ گئی!'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ذرا دیکھئے تو، آپ کی چھاتی کے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''اُف، وہ شیطان...... تم سمجھتی ہونا...... جب میرے جگر میں چاقو اتارا گیا تو مجھے کتنی اذیت ہوئی......''

''خوف کی ایک لہر میرے دل و دماغ پر مسلط ہوگئی، میں نے خیال کیا کہ شاید گورکی اچانک علیل ہوگیا ہے اور ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہوکر ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔

لیکن جب وہ واپس اپنے ہوش میں آیا تو اس نے اپنی کہانی کا وہ المناک قتل کا منظر دوبارہ بیان کیا۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ گورکی نے اپنی کہانی کے مظلوم کردار (عورت) کے دکھ، درد، کرب اور احساس اذیت کو اس حد تک اپنے تخیل میں سمولیا تھا کہ اس کی وجہ سے گورکی کی اپنی شخصیت گھائل ہوگئی اور یہ کیفیت کئی دن تک موجود رہی۔''

جو کچھ گورکی کے ساتھ پیش آیا وہ اس اعتبار سے کوئی انوکھا واقعہ نہ تھا کہ حد سے زیادہ حساس اور شاعرانہ مزاج رکھنے والے افراد پر عام طور پر خود ترغیبی کے عمل سے یہ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ مثلاً فرنچ ناول نگار فلابیئر نے اپنے ناول ''میڈیم بووری'' کی ہیروئن کی زہر سے ہلاکت کی کیفیت خود بھی محسوس کی تھی۔

آج کل مغربی ممالک میں جہاں اس قوت سے کام لینے والا نفسیاتی ڈاکٹر مریض کا علاج کرتے ہوئے ترغیب کا عمل کرتا ہے، وہاں وہ مریض کے ذہن میں اپنے علاج کی کامیابی پر یقین کا احساس پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ قدیم زمانے میں، فالج اور ہسٹریا وغیرہ کا علاج خاص طور پر ترغیب کے عمل سے کیا جاتا تھا، یہ شاید حقیقت ہے کہ فالج، خصوصاً بازوؤں اور ٹانگوں کے فالج میں ترغیب کے عمل کو بڑی کامیابی سے آزمایا

جاسکتا ہے۔

اگرچہ بظاہر اس پر مشکل سے یقین آتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ روحانی اور اعتقادی ''وبائیں'' اب بھی پھیلتی رہتی ہیں، اس نوع کے انفرادی مظاہر جنگوں کے دوران دیکھنے میں آئے ہیں، جب نازی افواج نے دوسری جنگ عظیم کے دوران سوویت یونین کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا تو وہاں بورژوا خیالات اور مذہبی و روحانی تصورات ایک بار پھر پھیلنے لگے تھے۔ جب لوگوں کو مستقبل غیر محفوظ اور غیر یقینی دکھائی دیتا ہے تو روحانیت، تصوف اور مذہب کی طرف رجحان میں اچانک اضافہ ہوجاتا ہے۔

ایران میں تصوف اور تصوفانہ شاعری کا بہترین زمانہ وہ تھا جب تاتاری ٹڈی دل لشکر اسلامی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے۔ چنانچہ اپنی قسمت اور انجام کے متعلق ناامیدی اور عدم تحفظ کے احساسات خود قومی اور اجتماعی سطح پر پھیلے ہوں خواہ انفرادی سطح پر، ان احساسات کا ایک ناگزیر نتیجہ عمل ترغیب کی انتہائی سازگاری کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ترغیب کا تعلق ذاتی یقین اور اعتقاد سے ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے یا بٹھا دی جائے کہ وہ کسی مرض کے حملے کا شکار ہونے والا ہے تو یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اس مرض میں مبتلا ہوجائے، گویا اس کا یقین اس کے جسم کے مدافعتی نظام میں کمزوری پیدا کردے گا اور ترغیب اسے اس خاص مرض کے پاس لے جائے گی۔''

اس قسم کی منفی ترغیب کی کئی مثالیں ہمیں عام زندگی میں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ دو پڑھی لکھی لڑکیوں، الف اور شین کو مسلسل اور متعدد ایسے گمنام خطوط موصول ہوئے جن میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک خاص دن کی ایک خاص گھڑی کو بیمار پڑیں گی اور یہ کہ وہ گونگی، بہری اور مفلوج ہوجائیں گی وغیرہ وغیرہ۔

مقررہ دن اور مقررہ وقت پر بعینہ وہی ہوا جس کی پیشگوئی انہیں ایک عرصے سے موصول ہونے والے گمنام خطوط میں کی جارہی تھی۔ فالج اور قوت گویائی اور قوت سماعت کے فقدان کے آثار اور نشانات ان لڑکیوں پر تین چار ہفتے تک برقرار رہے۔ بعد میں

دونوں لڑکیوں نے بتایا کہ انہوں نے ایک ہی قسم کا خواب دیکھا جس میں انہوں نے ایک چڑیل کو دیکھا جو انہیں نقصان پہنچانے کے درپے تھی۔ ان لڑکیوں کو علاج کے دوران مشاہدے میں رکھا گیا اور ان خطوط کو علاج کے دوران مشاہدے میں رکھا گیا اور ان خطوط کی بھی چھان بین کی گئی جو ان لڑکیوں کے نام لکھے گئے تھے۔ یہ حیرت انگیز بات بھی دیکھنے میں آئی کہ ان لڑکیوں کی عیادت کو جانے والے لوگوں میں سے بھی بعض افراد پر اسی مرض کے ہلکے سے آثار پیدا ہو گئے۔

ایسے کئی واقعات ہمیں ملتے ہیں جن میں ایک شخص اپنے کسی جسمانی حصے یا عضو کے بارے میں یہ خیال کر لیتا ہے کہ وہ بیمار یا کسی خرابی کا شکار ہے، یہ خیال اس قدر شدت کے ساتھ اس کے ذہن میں سما جاتا ہے کہ اس کا وہ حصہ جسم واقعی خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ خود ترغیبی کے عمل کی ایک منفی شکل ہے۔ ایک نامور ڈاکٹر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک بار امراض قلب کے متعلق ایک لیکچر کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی توجہ اپنے دل کی کارکردگی کی طرف مبذول ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز اور غیر متوازن ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اسے اپنے دل کے متعلق توجہ ہٹانے کے لیے ایک غیر ملکی سفر اختیار کرنا پڑا اور تب جا کر اسے افاقہ ہوا۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ ڈاکٹر آئزمان سے منسوب ہے جس نے جرمن شہزادی شواز نبرگ کا علاج کیا تھا۔ شہزادی کے علاج کے پہلے ہی روز ڈاکٹر کو اپنے پیٹ کی انتڑیوں میں بڑے زور سے مروڑ سے محسوس ہوئے، یہاں تک کہ انتڑیوں کے پھیلنے اور سکڑنے کی آواز صاف سنائی دے سکتی تھی۔ اس خدشہ لاحق ہوا کہ وہ آئندہ بھی جب شہزادی کے علاج کے لیے جائے گا اس کی یہ کیفیت ہو جائے گی۔ چنانچہ ہر بار اس کے خدشات صحیح ثابت ہوتے رہے۔ بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ شہزادی کے علاج کے لئے نہیں جائے گا، وضاحت کرنے کے لئے اس نے شہزادی کو خط لکھا۔

”کوئی ہفتہ بھر تک آپ میرے پیٹ کی آوازیں سنتی رہی ہیں، ان آوازوں نے مجھے پریشان اور بدحواس کر دیا ہے پہلی بار تو یہ آوازیں اتفاقی تھیں، لیکن اس کے بعد ان کی تکرار اس لیے ہوتی رہی کہ مجھے ڈر تھا کہ ایسا ہو گا اور میں ان کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ان ”آوازوں کو ختم کرنے کے لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں پوری وضاحت کر کے آپ سے معذرت طلب کروں۔“ اس خط کے بعد شہزادی نے ڈاکٹر آئزمان کو دوبارہ اپنے علاج کے لئے بلایا لیکن اب وہ آوازیں اس کے شکم میں پیدا نہیں ہوئیں۔

آج کل مغربی ممالک میں بعض بیماریوں کے لئے ہپناٹزم کا طریقہ استعمال کیا جا رہا ہے، ہپناٹزم کی حقیقت سے اب کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ہپناٹزم کے دوران مریض کا علاج عمل ترغیب سے کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے قدیم زمانے میں ترغیب کے عمل کو اندھا دھند، جادو ٹونے وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، ایسا اب بھی ہمارے مشرقی معاشرے میں (جہاں توہمات پرستی کے اثرات کافی حد تک پہلے کی طرح موجود ہیں) ہو رہا ہے۔ جو شخص اس قسم کے عمل سے علاج معالجے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے، اسے صاحب کرامات خیال کر لیا جاتا ہے۔

امراض کے علاج کے سلسلے میں جھاڑ پھونک اور دم وغیرہ کرنے کا رواج تقریباً دنیا کے ہر معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ بعض افریقی قبائل میں روحانی علاج کے ماہر (جو جادوگر معالج کہلاتے ہیں) علاج شروع کرنے سے پہلے مریض کے جسم پر بعض مخصوص تیل یا لہو ملتے ہیں، لیکن یہ محض ایک رسمی کارروائی ہوتی ہے۔ تقریباً ایسی ہی رسمی کارروائی نمک یا پانی وغیرہ پر دم کرنے کی ہے۔ اس کارروائی کے دوران، دم کرنے والا شخص بعض مخصوص کلمات دہراتا ہے، بعض لوگ مختلف آیات قرآنی کی تلاوت بھی کرتے ہیں جن کی برکت سے دم کرنے والا اور مریض دونوں سمجھتے ہیں کہ مرض کو افاقہ ہو سکتا ہے لیکن عام طور پر عمل ترغیب کو مؤثر بنانے کے لئے جن کلمات کا سہارا لیا جاتا ہے ضروری نہیں کہ وہ کسی مذہبی یا الہامی کتاب سے لیے گئے ہوں۔ اس کی ایک مثال مندرجہ ذیل منتر ہے جو مختلف امراض کے علاج کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ”تو نمک ہے، تو ہر چیز کو نمکین بنا دے گا۔ تو راکھ ہے تو ہر چیز کو کھائے گی۔ تو کوئلہ ہے تو ہر چیز کو سیاہ بنا دے گا۔ جو بھی اس پانی کو پیئے اس کی سب بلائیں دور ہوں، جو بھی اس راکھ کو چکھے اس کی سب خرابیاں دور ہوں، جو بھی اس

نمک کو چاٹے وہ بیماری سے نجات پالے، جو اس کوئلے کو منہ لگائے وہ اپنی مصیبتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے، مصیبت زدہ پانی پی رہا ہے، میرا وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ طاقتور طاقتور، تیز اور مضبوط۔

ترغیب کے علاوہ خود ترغیبی بھی اکثر اوقات موثر ثابت ہوتی ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو یہ باور کرا دیتا ہے کہ فلاں علاج اس کے لئے حیرت انگیز افادیت رکھتا ہے یا یہ کہ اگر اس نے فلاں دوائی یا چیز استعمال کی تو اسے آرام آ جائے گا۔ ایک شخص کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے ایک مریض کا علاج کاغذ کے ایک معمولی پرزے سے کیا جس پر صرف یہ تین الفاظ لکھے تھے۔

''بخار کے خلاف'' مریض سے کہا گیا کہ وہ روزانہ ایک حرف ان الفاظ میں سے پھاڑتا رہے۔

جس روز آخری حرف ''ف'' پھاڑا گیا مرض دور ہو چکا تھا۔ ایسی مثالیں بھی سننے میں آئی ہیں کہ ایک طبیب نے مریض کو محض چینی کے سفوف کی بنی ہوئی گولیاں دوائی کے طور پر دیں، یا نمک کی پڑیاں باندھ کر دے دیں اور مریض اچھا ہو گیا، اس لیے کہ مریض کو یقین دلایا گیا تھا کہ جو کچھ اسے بطور دوائی کے دیا جا رہا ہے اس میں شفا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اسے خواہ کتنی چوٹ لگ جائے اسے درد کا احساس نہیں ہوتا، ہم سمجھیں گے کہ یا تو وہ شخص جادوگر ہے یا پھر جھوٹا ہے۔ لیکن انتہائی استغراق کی کیفیت میں احساس درد عموماً نہیں ہوتا۔ اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات محفوظ ہیں کہ ایک صحابیؓ کو جنگ میں تیر لگ گیا تو ان کے جسم میں پیوست تیر کو نکالنے کے لئے نماز کے وقت کا انتظار کیا گیا، کیونکہ دوران عبادت، استغراق اور خضوع و خشوع کی انتہائی کیفیت میں صحابی کو تیر کے جسم سے نکالے جانے کی اذیت کا احساس نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن استغراق کی کیفیت کے علاوہ احساس درد سے بے نیاز ہونے کا ایک طریقہ خود ترغیبی بھی ہے۔ سرکسوں اور میلوں میں عام طور پر ایسے افراد دکھائی دیتے ہیں جو درد اور اذیت کے احساس سے آزادی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خواہ ان لوگوں کے اعضاء کو کاٹ بھی دیا جائے تو انہیں احساس درد نہیں ہوتا۔ آسٹریا کے ایک انجینئر توراما کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ احساس درد سے آزادی کے مظاہرے کے طور پر اپنے جسم کو ایک بڑے سوئے سے جگہ جگہ کو گودڈالتا تھا۔ اس دوران اس کی نبض اور خون کے دباؤ پر مسلسل نظر رکھی جاتی، لیکن نہ تو اس کی نبض اور نہ ہی خون کے دباؤ میں کوئی ایسی ہلکی سی تبدیلی کبھی نظر آئی جس سے ثابت ہو کہ اس نے محض ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یہ شخص ہپناٹزم کے عمل میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور وحشی جانور سدھانے میں مشہور تھا (جانوروں کے سدھانے میں بھی وہ ہپناٹزم سے کام لیا کرتا تھا) کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہپناٹزم اور خود ترغیبی ہی کے ذریعے اپنے اندر ایسی کوئی کیفیت پیدا کر لیتا ہو گا جس کی بدولت احساس درد سے اسے مکمل آزادی مل جاتی تھی۔

پہلی عالمی جنگ کے دوران توراما توپ کے گولے کے ایک ٹکڑے سے شدید زخمی ہو گیا۔ فیلڈ ہسپتال میں اس کی حالت دیکھ کر ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کیا، بظاہر اس کے بچنے کی کوئی علامت نہ تھی، اسے یقینی موت کا شکار ہونے والوں کے وارڈ میں رکھ دیا گیا۔ لیکن اتنے میں توراما نے اپنے بارے میں ڈاکٹروں کی مایوس کن گفتگو کو سن لیا تھا۔ توراما اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''ان گفتگو کو سننے کے بعد میرے اندر کی کسی چیز نے بغاوت کر دی، میں نے دانت آپس میں رگڑتے ہوئے دل میں طے کیا تمہیں زندہ رہنا چاہئے تم نہیں مرو گے، تم درد و اذیت کو محسوس نہیں کرو گے وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اپنے دل میں کیا ہوا یہ عہد بار بار دہرایا، یہاں تک کہ یہ فیصلہ میرے گوشت پوست اور خون کی گہرائی تک جا پہنچا اور بالآخر میں نے درد محسوس کرنا بند کر دیا۔ معلوم نہیں یہ سب کچھ کیسے اور کس طرح ہو گیا، لیکن بہر حال ایک ناقابل یقین معجزہ واقعہ ہو گیا۔ ڈاکٹر حیرت زدہ رہ گئے، میری حالت روز بروز بہتر ہونے لگی۔ یوں میں زندہ رہا اور ایسا درد پر کنٹرول کی وجہ سے ہوا۔ دو ماہ بعد، وی آنا کے ہسپتال میں میرا ایک چھوٹا سا آپریشن ہوا لیکن آپریشن کے دوران مجھے کسی قسم کی بے حس یا بے ہوش کرنے والی دوائی کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ خود ترغیبی کی جانب معمولی توجہ میرے لئے کافی تھی۔ جب میں مکمل طور پر صحت یاب ہوا تو میں نے خود ترغیبی کے اس عمل کی

باقاعدہ مشق شروع کی اور اب یہ حالت ہے کہ اگر میں نہ چاہوں تو مجھے کسی قسم کے درد کا احساس نہیں ہوسکتا۔''

توراما کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی مثال کوئی انوکھی نہیں ہے۔ سوویٹ مصنف وکٹر فنک نے اپنے فرنچ دوست ژال رچرڈ بلو کے سلسلے میں ایسے ہی ایک حیرت انگیز واقعہ کا ذکر کیا ہے، واقعہ کا تعلق دوسری جنگ عظیم سے ہے جب ماسکو سے ژال رچرڈ بلو اور اس کی بیوی کو نکالا گیا۔

انخلا کے دوران ژال بلو شدید بیمار پڑ گیا جب اس کی بیوی نے ایک ڈاکٹر سے مشورہ کیا تو ااس نے معائنہ کرنے کے بعد ژال بلو کی زندگی سے ناامیدی کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس وقت حیران رہ گئے جب اس کے مرض میں افاقہ ہونا شروع ہو گیا بعد میں اس نے بتایا۔ ''بیماری کے دوران میں نے اپنی قوت ارادی پر زور دینا شروع کیا، میں ہر وقت اپنے آپ سے کہتا۔ نہیں، میں حصول فتح سے پہلے مرنا نہیں چاہتا۔ نہیں، میں اپنے وطن فرانس سے اس قدر دور مرنے پر راضی نہیں ہوسکتا، نہیں، مجھے ہر حال میں صحت یاب ہونا چاہیے، تاکہ میں فرانس پہنچ سکوں، نہیں، میں فرانس سے اس قدر دور، جنگ میں فتح سے پہلے ہرگز نہیں مروں گا اور یوں میں نے موت کو پچھاڑ دیا۔''

جو کچھ توراما اور ژال رچرڈ بلو نے خود ترغیبی کے ذریعے اپنے لیے ممکن بنایا، نفسیاتی اور روحانی علاج کے ماہرین اپنے مریضوں میں بیداری میں یا ہپناٹزم کی کیفیت طاری کر کے عمل ترغیب سے ممکن بناتے ہیں۔

خود ترغیبی کے عمل میں جدید ترین تحقیق کی روشنی میں ماہرین یہ تجویز کرتے ہیں کہ ہر کیس میں خود ترغیبی کا یک واضح کلیہ مقرر کرنا ضروری ہے جو مریض کی کیفیت اور حالات سے مناسبت رکھتا ہو، یہ کلیہ اثبات کے کلمات میں ظاہر کیا جائے اور مستقبل کی بجائے حال میں ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص جو شراب کا عادی ہے اپنی اس عادت سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ خود ترغیبی کا مندرجہ ذیل کلیہ استعمال کرے گا، میں نے عہد کیا

ہے کہ میں شراب چکھوں گا اور نہ اس کا خیال دل میں لاؤں گا اور اب میں شراب کی رغبت سے مکمل طور پر آزاد ہو چکا ہوں اور اس کے متعلق سوچنا بھی بند کر دیا ہے۔'' یہ زبانی فارمولا سرگوشی کے لہجے میں بار بار دہرایا جائے، خصوصاً سونے سے عین پہلے اور صبح بیداری کے فوراً بعد۔ اسی دوران مریض کو اپنی پوری توجہ اس فارمولا پر مرتکز رکھنی چاہیے۔ اگر مریض قوت ارادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی پوری توجہ اس قسم کے عمل پر مرتکز کر سکے تو وہ کئی عوارض اور عادات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

خود ترغیبی کے عمل کی ایک معمولی سی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گھڑی پر الارم لگائے بغیر، محض اپنے آپ سے یہ عہد کر کے سوئے کہ اس نے صبح فلاں وقت پر ہر صورت میں بیدار ہونا ہے تو اگلے روز ٹھیک اسی وقت پر آنکھ کھلتی ہے اس تجربے کو ہر شخص دہرا سکتا ہے۔

خود ترغیبی کے سلسلے میں کئے گئے تجربات کو فرنچ محقق لور ہپناٹزم کے ماہر ایملی کوئے نے ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ رائج الوقت نظریات کے برعکس، ایملی کوئے نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر خود ترغیبی کے فارمولے کو خالی الذہن ہو کر سرگوشی میں لیکن جلدی جلدی دہرایا جائے تو نتیجہ حسب توقع برآمد ہوتا ہے ایملی کوئے کے نزدیک خود ترغیبی کے الفاظ دہراتے وقت توجہ کا ارتکاز نہیں بلکہ ذہن کا خالی ہونا زیادہ ضروری ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سوویت یونین اور مشرقی یورپی ممالک میں خود ترغیبی پر لیبارٹریوں میں وسیع پیمانے پر تحقیق اور تجربات کئے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر روس میں خود ترغیبی کو خلائی پروازوں کے دوران کھچاؤ اور تناؤ (جو خلابازوں کو عام طور پر لاحق ہو جاتا ہے) کو دور کرنے کے لئے ایک تکنیک کے طور پر استعمال کرنے کے تجربات کئے جا رہے ہیں۔ روس میں خود ترغیبی کے ایک خصوصی طریقے کی تربیت بھی دی جا رہی ہے جس کے ذریعے ایک انسان اپنے جسم کی ایسی سرگرمیوں کو اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کر سکے گا جو اس کے ارادے کے ماتحت نہیں آتیں (جیسے نظام ہضم وغیرہ) اس کے علاوہ اس طریقے سے کام لے کر ایک شخص اپنے جسم کے درجہ حرارت کو بھی گھٹا بڑھا سکتا ہے۔ احساس درد پر قابو پا سکتا ہے جب '' چاہے اور جیسے چاہے دل کی دھڑکن کو بھی کنٹرول کر سکتا ہے۔''(۱)

حضرت انسان کی ان پوشیدہ صلاحیتوں کا ذکر، جو کبھی کبھی پراسرار
قوتوں کا روپ دھار لیتی ہے۔

پراسرار شخصیت

بہت سے لوگ یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ خواب کی حالت یا بعض اوقات دوسری کسی کیفیت میں، انہوں نے اپنے غیر مادی یا نورانی پیکر کو اپنے مادی جسم سے علیحدہ ہو کر ایسے کام کرتے دیکھا یا محسوس کیا ہے، جیسے دور دراز فاصلوں تک چشم زدن میں پرواز وغیرہ کہ مادی جسم کے ذریعے ان کی انجام دہی کا تصور ہی ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ عام طور پر یہ خیال مشہور ہے کہ ہر شخص دو جسم رکھتا ہے، ایک مادی اور دوسرا روحانی یا نورانی اور دونوں جسم ہر اعتبار سے بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ تاہم نورانی جسم، لطیف مادوں کا حامل ہوتا ہے۔ جس کا سایہ نظر نہیں آتا۔ اسے غلطی سے یا شاید بجا طور پر ''ہمزاد بھی کہا گیا ہے اگرچہ ہمزاد کے سلسلے میں مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں تاہم بنیادی نظریہ ایک ہی ہے انسان کا نورانی وجود اصلی جسم کے مقابلے میں نقل و حرکت اور سیارگی میں زیادہ آزاد اور سبک رو ہوتا ہے۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک انسان جس قدر بھی تجربات حاصل کرتا ہے، انہیں ہم سہولت کے لئے بیرون از جسم تجربات کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان تمام تجربات کو جو بظاہر بقائمی، حواس واقع ہوتے ہیں مادی جسم محدود ذات سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اس نوع کے اکثر تجربات میں جب نورانی وجود مادی وجود کو چھوڑ کر اپنے سفر پر نکلتا ہے مادی جسم وقتی طور پر شعور اور لاشعور کے درمیان کسی مقام پر ہوتا ہے۔

لیکن نورانی جسم کبھی مادی جسم سے اپنا پیدائشی رشتہ کاٹ کر الگ نہیں ہوتا، ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے جب موت واقع ہوتی ہے، جب تک انسان زندہ ہے اس کا نورانی پیکر مادی پیکر سے ایک لطیف اور سیمیں ڈوری کے ذریعے پیوستہ رہتا ہے۔ جن لگوں نے نورانی پیکر میں دور دراز سفر کئے ہیں یا اس قسم کے تجربات کا روحانی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے وہ اس ڈوری کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں، بعضوں نے اسے ایک ریشمی دھاگہ قرار دیا ہے، بعض نے فیتے کی مانند ایک پٹی اور بعض نے زنجیر یا لعدار تار سے ملتی جلتی کوئی چیز بیان کی ہے۔ جو نور سے گھری ہوتی ہے اور انسان کے سر سے جڑی ہوتی ہے۔ جب وہ ہر جسم ایک دوسرے کے قریب ہوں تو یہ تار، دو یا تین انچ موٹا نظر آتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر دور ہوتے جاتے ہیں تار باریک ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ٹوٹتا نہیں۔ کیونکہ تار کا ٹوٹنا صرف موت پر موقوف ہے اور جب تار ٹوٹتا ہے زندگی کا رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا خواہ انسان کا نورانی جسم اپنے مادی جسم سے کتنا ہی دور چلا جائے۔ مادی جسم پاکستان میں رہے اور نورانی جسم بے شک چاند تک ہو کر آ جائے تار کے ذریعے ان کا آپس میں رشتہ ہرگز منقطع نہیں ہوتا۔

مادی جسم سے نورانی جسم کے انخلا کا لمحہ ایک عجیب اور پراسرار کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس لمحے کسی تاریک سرنگ سے گذرنے کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک کسی بلندی پر چڑھائی یا بعض اوقات کھال کھینچے جانے یا تنگ دستانے سے پھسل کر نکلنے کا احساس ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنانا بہت دشوار ہے۔ کچھ لوگ نورانی جسم کی علیحدگی سے عین قبل ہلکی سی مدہوشی اور اکڑاؤ یا سختی اپنے جسم میں محسوس کرتے ہیں۔

صاحب وجدان رابرٹ منرو نے اپنی کتاب ''بیرون از جسم سفر'' میں اپنے وجدانی اور خوارق العادات واقعات و تجربات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ایسی حالت میں جب نورانی جسم اس سے الگ ہونے لگتا۔ وہ پہلے ایک سنسنی سی محسوس کرتا، پھر اسے ہوا کے ساتھ ملنے اور آخر میں جب وہ اپنے مادی جسم کی قید سے آزاد ہوتا۔ کسی سرنگ میں غوطہ زن ہونے کا احساس ہوتا۔

نورانی پیکر کا ہیولہ جب اصلی جسم سے الگ ہو کر چلا جاتا ہے تو مادی جسم عام طور پر ایک جگہ بے حس ہو کر پڑا رہتا ہے۔ اور اس کے درجہ حرارت بلڈ پریشر اور ذہنی لہروں کے انداز میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ بلڈ پریشر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

نورانی پیکر کس چیز کا بنا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ شاید اس کی ماہیت میں برقیت یا مقناطیست کو کچھ دخل ہے۔ کیونکہ بیرون جسم سفر کرنے والے اکثر افراد اس وقت برقی چارج کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ جب ان کے جسم سے نورانی ہیولا جدا ہوتا ہے۔ ایک موقع پر منرو نے محسوس کیا کہ اس کا نورانی پیکر اپنے سفر کے دوران ٹیلی فون کی پاور لائنوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرتا رہا تھا۔

مادی جسم سے انخلا کے فوراً بعد بہت سے لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک انتہائی روشن اور منور دنیا میں پہنچ چکے ہیں جہاں پر چھائیاں نہیں ہوتیں۔ بعض لوگ ابتدا میں ایک طرح کی دھند دیکھتے ہیں جس میں عجیب و غریب اجسام ادھر سے ادھر جا رہے ہوتے ہیں، مادی جسم سے جڑا ہوا تار ان کے لئے روشنی پیدا کرتا چلا جاتا ہے بعض لوگ اس کیفیت میں حیرت انگیز آوازیں بھی سنتے ہیں۔

مادی جسم سے الگ ہونے کے فوراً بعد نورانی پیکر افقی پوزیشن میں تین فٹ تک بلند ہو جاتا ہے اس کے بعد سفر شروع کرنے سے پہلے عمودی پوزیشن میں آ جاتا ہے، بعض لوگ جو اس کیفیت سے گذرے ہیں، وہ اس وقت ایسے محسوس کرتے ہیں جیسے بلند ہونے سے پہلے گہرائی میں ڈوب رہے ہوں۔ کم و بیش یہی کیفیت انہیں اس وقت محسوس ہوتی ہے جب ان کا نورانی پیکر واپس اصل جسم میں داخل ہوتا ہے۔ جس طرح زمین پر اترنے سے پہلے ایک طیارہ ہوا میں کچھ دیر چکر لگاتا ہے اسی طرح انسان کا دوہرا جسم بھی لوٹنے سے قبل مادی جسم کے اوپر افقی پوزیشن میں لٹو کی طرح چکر لگاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا نورانی پیکر کی پرواز کے دوران انسان کے نارمل حواس کام کرتے رہتے ہیں یا معطل ہو جاتے ہیں؟ ان تجربات سے دوچار ہونے والوں کا کہنا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس کام کرتے رہتے ہیں بلکہ اس دوران زیادہ تیزی اور عمدگی سے کام کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایلین گیرٹ کہتی ہیں۔ ''میرا دوہرا وجود بظاہر حواس خمسہ کی معمول کی سرگرمی استعمال کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ مثلاً میں برفباری والے دن ڈرائنگ روم میں موجود ہونے کے باوجود اگر چاہوں تو ایسے مقام تک پہنچ جاتی ہوں جہاں موسم گرما اپنے جوبن پر ہوتا ہے۔ اس وقت میں اپنے حواس خمسہ کو روبکار لاتے ہوئے۔ گرما میں کھلے ہوئے پھولوں اور سمندر کو دیکھ سکتی ہوں، کلیوں کے چٹکنے سے پیدا ہونے والی خوشبو اور سمندر کی موجوں کی باس سونگھ سکتی ہوں اور ساحل کے ساتھ ٹکرانے والی موجوں کی آواز اور طیور کے زمزمے سن سکتی ہوں۔''

درحقیقت مادی جسم سے انخلاء یا عارضی علیحدگی کے دوران انسان کا نورانی وجود بے پناہ شعور کا عامل بن جاتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کی شخصیت نورانی وجود میں سمٹ چکی ہوتی ہے اپنے نورانی پیکر کے حواس سے اصل جسم کو ایک جگہ پڑا ہوا دیکھتا ہے ۱۹۱۰ء میں امریکی خاتون کیرولین لارنس کو یہی تجربہ ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے مادی جسم سے جدا ہونے کے بعد اپنے کمرے میں ایک چکر لگایا اور پھر خود کو اپنے اصل جسم کے قریب کھڑے ہوئے پایا اور اسے پہچانا۔ وہ اس کا دوہرا وجود تھا!

بعض لوگوں (یا بزرگوں) کے بارے میں ہم اکثر اس قسم کی حکایات سنتے ہیں کہ انہوں نے ہزاروں میل دور اپنے کسی ارادت مند کی مشکل حالات میں مدد کی حالانکہ وہ اس وقت خود کسی اور مقام پر تھے۔ اس قسم کی مدد انسان کا دوہرا وجود پیکر نورانی کر سکتا ہے جو صرف ایسے لوگوں کو نظر آ سکتا ہے جن سے اس شخص کو جذباتی یا روحانی لگاؤ ہو۔ منرو نے لکھا ہے کہ اس کی کئی روحانی پروازوں اور سفروں کے دوران اسے پہچان لیا گیا تھا۔ ایک عمر رسیدہ خاتون کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی شادی شدہ بیٹی کو یہ تنبیہہ کر رکھی تھی کہ وہ کبھی گرم کی ہوئی استری اس کے پوتے کے پاس نہ چھوڑے۔ ایک شب وہ کئی میل کا سفر کر کے اپنے نورانی پیکر اپنی بیٹی کے گھر پہنچی تاکہ یہ معلوم کرے کہ کہیں اس کی بیٹی کی غفلت سے

گرم استری اس کے پوتے کے نزدیک تونہیں رکھی ہوئی۔ بعد میں اس کی بیٹی نے بتایا کہ اس نے اپنی ماں کوبستر کے پاس کھڑے ہوئے پایا جبکہ اس کے ہاتھ میں استری تھی۔

ایسی متعدد شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نورانی وجود نہ صرف چھوسکتا ہے بلکہ خود کو محسوس بھی کرا سکتا ہے۔ رابرٹ منرو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے روحانی پیکر میں نہ صرف اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملا سکتا تھا۔ بلکہ اپنے مادی جسم کو بھی چھوسکتا تھا۔ اس سے بقول منرو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نورانی جسم بھی کچھ وزن رکھتا ہے اور کشش ثقل کے تابع ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بعض جسمانی اور مادی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک بار کالج کے ایک طالب علم نے خواب دیکھا کہ رات کے دس بجے وہ اپنی منگیتر کے گھر گیا اور اپنی منگیتر کو زینے پر پا کر اس کی کمر کے گرد اپنے بازو ڈالے۔ اگلی صبح اس لڑکی نے اس کی طرف ایک رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ رات کے دس بجے وہ سونے کے لئے زینے پر چڑھ رہی تھی کہ اس نے اس کے (منگیتر کے) قدموں کی چاپ سنی اور اپنے گرد اس کے بازوؤں کو محسوس کیا۔

اپنی کتاب میں رابرٹ منرو نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے اپنی ایک دوست خاتون کے نورانی پیکر میں بڑے زور سے چٹکی کاٹی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی جلد پر نیل پڑ گئے۔ عورت نے ''اُف'' کیا اور بعد میں اس نے وہی نشان منرو کو جب وہ نارمل جسم میں تھا، دکھائے۔

عام طور پر ایسا کم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ کسی شخص کے روحانی یا نورانی پیکر کو دیکھ سکیں یا اس کی آواز سنیں، لیکن بعض غیر معمولی واقعات میں اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ منرو نے ایک واقعے کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے روحانی پیکر میں ہوتے ہوئے ایک ننھی منی لڑکی سے گفتگو کی تھی۔ منرو نے اپنے ایک اور عجیب وغریب تجربے کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نورانی پیکر میں انسان اپنے جسم کی طوالت کو بڑھا اور گھٹا سکتا ہے۔ مثلاً وہ جب چاہتا اپنے بازو کو اس کی اصل لمبائی سے تین گنا بڑھا کر دور رکھی ہوئی کوئی چیز اٹھا سکتا تھا۔ اسی طرح وہ کمرے کے درمیان مقیم رہتے ہوئے آٹھ دس فٹ دور کمرے کی دیوار کو نورانی بازوؤں سے چھو سکتا تھا۔

مادی جسم سے علیحدگی کے بعد نورانی اور روحانی جسم ''شاندار آزادی'' محسوس کرتا ہے اور وہ اصلی جسم کو بے اعتنائی بلکہ کسی قدر بیزاری سے دیکھتا ہے۔ بیرون از جسم پرواز کرنے والے اکثر لوگوں نے اپنے اس تاثر کا ذکر کیا ہے کہ ان کا نورانی پیکر دوبارہ اصل جسم میں داخل ہونے سے ہچکچاتا ہے۔ درحقیقت مادی جسم سے نکلنے کے بعد انسان کو دنیا کے تمام لوگوں کے ساتھ رابطے کا ایک غیر معمولی احساس ہوتا ہے۔ ایسے جیسے کائنات کا مجموعی شعور اسی میں رچ بس گیا ہو۔

بیرون از جسم انخلا کے تجربے کے دوران بعض لوگوں کو ایسی دنیا سے سابقہ پڑتا ہے جس میں تاریکی حکمران ہوتی ہے اور اس تاریکی میں مکروہ شکل کی صورتیں جہنم کے نمونے پر تیرتی نظر آتی ہیں، جبکہ بعض دیگر افراد کو انتہائی روشن دنیا نظر آتی ہے۔ جس میں فرشتوں جیسی چیزیں محو پرواز دکھائی دیتی ہیں۔ تجربوں میں اس اختلاف کی کوئی سائنسی یا عقلی توجیہہ ممکن نہیں۔ تاہم اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کا خیال ہے اس کا انحصار انسان کی اپنی ذہنی اور روحانی کیفیت سے ہے۔ جسم سے باہر آنے کے بعد وہ جس صورت حال سے دوچار ہوتا ہے اس کا تعلق بڑی تک نارمل زندگی میں اس کے رویے اور طرز عمل سے ہوتا ہے۔

کروکل کا کہنا یہ ہے کہ دوزخ اور جنت کی حقیقت کا علم جسم سے باہر آتے ہی ہو جاتا ہے اس نے اپنے ذاتی تجربات کی اساس پر دعوے کیا ہے کہ جسم سے باہر آتے ہی بعض ارواح اور فرشتہ نما صورتیں ساتھ پرواز کرنا شروع کر دیتی ہیں اور اکثر پورے سفر کے دوران ساتھ رہتی ہیں۔ بعض ارواح ایسی ہوتی ہیں جن سے انسان پہلے سے واقف ہوتا ہے اور یہ اس کی مدد بھی کرتی ہیں۔ جبکہ بعض ناپسندیدہ ارواح اس کے روحانی سفر میں رکاوٹ بھی ڈالتی ہیں۔

کیا جسم سے خارج سفر کے دوران انسان مردہ لوگوں کی ارواح سے بھی ملاقات کرتا

ہے؟ اس سلسلے میں اپنے تجربات بیان کرنے والوں کا جواب اثبات میں ہے۔ مثلاً رابرٹ منرو نے کئی بار اپنے آنجہانی باپ ایک دوست اور ایک ڈاکٹر سے ملاقات کی جن کا انتقال ہو گیا تھا ایک پرواز کے دوران ایک شخص نے اپنے ایک دوست سے ملاقات کی جس کے بارے میں اس کا گمان تھا کہ وہ زندہ ہے اور جو اس کی طرح جسم سے باہر آ کر محو سفر تھا۔ دونوں نے اسی حالت میں دوست کے گھر جانے کا فیصلہ کیا لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دوست کا مادی جسم سانس نہیں لے رہا تھا اور اس کا وہ سیمیں تار کٹ ہو چکا تھا جو اسے نورانی پیکر سے جوڑے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا دوست جو نورانی پیکر میں تھا۔ گھبرا گیا۔ کیونکہ دوران پرواز اس کا انتقال ہو چکا تھا۔

نورانی پیکر کی شکل میں انسان کی قلب ماہیت عام طور پر سوتے ہوئے خواب کی حالت میں واقع ہوتی ہے اور اکثر سوتے ہوئے افراد کو یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ نیند کے دوران جسم سے باہر آ کر کہاں کہاں ''سیرگشت'' کرتے رہے ہیں۔ دوسری صورت میں ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب ایک شخص کسی جذباتی بحران میں ہو یا کسی شدید صدمے یا حادثہ کا شکار ہوا ہو۔ کیونکہ ایسی حالتوں میں انسان پر مادے کی جسمانی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ تاہم ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں بیرون جسم سفر کوئی غیر شعوری عمل نہیں ہوتا بلکہ جو لوگ اس تجربے کی باقاعدہ مشق اور تربیت حاصل کر لیتے ہیں وہ ارادۃً جب چاہیں مادی جسم کی بندش سے نکل کر نورانی پیکر میں آ جاتے ہیں اور ایسی ایسی چیزیں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں جو شعور کے دائرے میں نہیں آتیں اور جنہیں ہم زندگی بعد از موت سے منسوب کرتے ہیں۔ اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں میں ہم رابرٹ منرو ایلین گیرٹ،۔ آلیور فاکس اور کئی دوسرے حضرات ہندو یوگی وغیرہ کو شمار کر سکتے ہیں۔ ایک واقعہ میں ایک شخص نے مراقبے میں تخیل کے ذریعے اپنے نورانی پیکر کو اپنے دوست کے گھر کے دروازے تک پہنچایا، اور وہاں نصب برقی گھنٹی بجائی۔ اس کے دوست نے اسے بادلوں میں تیرتے دیکھا۔ اس کی خادمہ نے گھر کی گھنٹی بجنے پر دروازہ کھولا اس کی بیٹی نے اس کے قدموں کی آواز سنی۔

امریکہ میں روحانی تحقیق کی انجمن نے اس سلسلے میں بعض ٹیسٹ اور تجربے کئے ہیں ان تجربوں سے پتہ چلا کہ جب ایک شخص بیرون جسم سفر کرتا ہے یا جب اس کا نورانی پیکر اصل جسم سے الگ ہوتا ہے تو اس کی ذہنی لہروں میں بعض خاص قسم کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جنہیں ایک برقی آلے کی مدد سے ناپا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ کیا انسان بیرون جسم سفر کے دوران، محض ''روح'' ہوتا ہے جو عارضی طور پر مادی مگر زندہ جسم کیونکہ زندگی اور روح کے درمیان بڑا فرق ہے! سے الگ ہو جاتی ہے؟ اس سوال کا کوئی حتمی جواب فراہم کرنا ناممکن ہے کیونکہ انسانی روح کا معمہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی حل نہیں کر سکا۔ اسلام ''روح'' کی ماہیت پر بے جا بحث کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ شاید ''روح'' کی ماہیت کو سمجھنا اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک انسان خود مادی قیود سے آزاد ہو کر مرنے کے بعد روح کی خالص حالت میں نہ آ جائے!

ایک بار کسی ہسپتال میں آپریشن کے دوران ایک مریض کے دل نے کام کرنا بند کر دیا۔ ''موت'' کا یہ وقفہ کوئی پانچ منٹ تک جاری رہا، اس دوران مریض جسم سے آزاد ہو کر کسی اور دنیا میں پہنچ گیا۔ جہاں اس نے اپنی مری ہوئی بیوی سے ملاقات کی جب اس کی نبض بحال ہوئی اور وہ واپس اپنے جسم میں آ گیا تو اس نے پانچ منٹ کی ''موت'' کے حالات سے ڈاکٹروں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آئندہ وہ کبھی مرنے سے خوفزدہ نہیں ہوگا۔ اس نوع کے ''مرنے کے بعد'' زندہ ہو جانے کے کئی واقعات ہم اخبارات وغیرہ میں بھی پڑھتے رہتے ہیں۔ حقیقت شاید یہ ہے کہ وہ شخص ابھی مرا ہی نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے لئے اس کے جسم سے نورانی پیکر کا رابطہ کٹ جاتا ہے یا پھر دونوں کو ملائے رکھنے والا سیمیں تار اس قدر باریک ہو جاتا ہے کہ بظاہر وہ شخص مردہ دکھائی دیتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ آپریشن تھیٹر میں موجود بے ہوش مریض کا دوہرا جسم الگ ہو کر کمرے کی چھت کے قریب کھڑا ہو جاتا ہے اور نہ صرف اپنے مادی جسم کی کیفیت کو دیکھتا ہے بلکہ اپنے متعلق ڈاکٹروں کی گفتگو بھی سنتا ہے۔ بعد میں ہوش میں آنے پر وہ یہ تمام باتیں

ڈاکٹروں اور نرسوں کو بتا دیتا ہے۔

شدید حادثہ وغیرہ کے نتیجے میں بھی بیرون از جسم انخلا کا تجربہ ہو سکتا ہے۔ امریکی خانہ جنگی کے دوران توپ کا گولہ پھٹنے کے نتیجے میں ایک سپاہی فضا میں بلند ہو گیا۔ اس کا جسم بعد میں بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گرا لیکن وہ خود روحانی پیکر میں فضا میں ہی معلق رہا اور اپنے مادی جسم کے ساتھ ڈاکٹروں کے ''سلوک'' کو دیکھتا رہا۔ ڈاکٹروں نے اسے ادھر سے ادھر پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ وہ مر چکا ہے۔ عین اس وقت وہ اپنے جسم میں دوبارہ داخل ہوا۔ اگرچہ اسے چہرے اور چھاتی پر اڑتالیس زخم آئے اور اس کا ایک بازو کٹ گیا، تاہم وہ بچ گیا اور اپنے جسم سے علیحدگی کے دوران اپنے تجربات لوگوں کو سناتا رہا۔

یہ ۱۸۶۳ء کا واقعہ ہے کہ ایک امریکی عورت نے جس کا خاوند بحر اوقیانوس میں ایک جہاز پر سفر کر رہا تھا، خواب میں دیکھا کہ وہ اس کے کیبن میں جہاں وہ اس وقت سو رہا تھا، داخل ہوئی اور اس کا بوسہ لیا اور چپکے سے واپس آ گئی لیکن اس کی اس حرکت کو ایک اور مسافر نے بالائی برتھ سے دیکھ لیا۔ جب اس کا خاوند بحری سفر سے لوٹا تو اس نے اپنی بیوی کو اس رات کا ایک خواب سنایا جو اس کی بیوی کے خواب سے ملتا تھا۔ تاہم اس نے کہا کہ بالائی برتھ کے مسافر نے خود اس کی بیوی کو اس کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا اور اگلے روز اس کا مذاق اڑایا۔ اس کی بیوی نے اس کی نشست اور سمندری جہاز کے دیگر مسافروں کے متعلق جو معلومات بہم پہنچائیں وہ بالکل صحیح تھیں حالانکہ اس نے نہ کبھی وہ جہاز دیکھا اور نہ بحری سفر کیا تھا۔ تاہم وہ جسم سے باہر حالت خواب میں ہزاروں میل اور سمندر میں تیرتے ہوئے اس جہاز میں ضرور گئی تھی جس میں اس کا شوہر سفر کر رہا تھا۔

اگرچہ خواب جسم سے باہر انسان کے روحانی تجربات کا مظہر نہیں ہوتا، تاہم روحانیت پر تحقیق کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ جہاں کہیں کسی شخص کو خواب کے اندر اٹھنے یا گرنے کی کیفیت محسوس ہو، وہ یقیناً اس کے بہتر دن اور جسم کے تجربے کی مظہر ہو گی۔

امریکہ کی ایلن گرٹ نے روحانی سفر کے سلسلے میں اپنے روحانی وجود میں نیویارک سے آئس لینڈ تک سفر کیا۔ اس نے مقررہ وقت میں نیویارک چھوڑا اور سمندروں اور شہروں سے گذرتی ہوئی آئس لینڈ میں ایک ڈاکٹر کے دفتر میں پہنچی۔ جیسے ہی وہ ڈاکٹر کے دفتر میں داخل ہوئی، ڈاکٹر نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا اور اس سے سوالات کئے ایلن گیرٹ نے ڈاکٹر کے دفتر میں جو کچھ دیکھا اور نیویارک میں موجود روحانی لیبارٹری کے کارپردازوں کو بتاتی رہی۔ ڈاکٹر نے ایک کتاب اٹھا کر اس میں سے ایک پیراگراف پڑھنا شروع کیا، اور ہر مسز گیرٹ نے وہی پیراگراف اپنی زبان میں نیویارک میں دہرا دیا۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص ہوتا ہے لیکن وہ بیک وقت دو مقامات پر دیکھا جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک نارمل گوشت پوست کا انسان ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں اور صوفیا کے متعلق اس قسم کے واقعات منسوب بھی ہیں۔ لیکن یہ بھی بیرون از جسم پرواز کی صلاحیت کا ایک مظہر ہے اور اسے کسی خاص مذہب یا مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۸۶۵ء میں برطانوی کولمبیا میں قانون ساز کونسل کے اجلاس کا ایک گروپ فوٹوگراف لیا گیا۔ اس گروپ فوٹوگراف میں کونسل کے ایک رکن مسٹر چارلس گڈ کی تصویر بھی شامل تھی حالانکہ وہ اس وقت اپنے گھر میں بستر پر بیمار پڑا تھا اور اس میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہ تھی۔

''تبت، وہ واحد دیس ہے جہاں بھکشوؤں اور لاموں کے ہاں، مادی جسم سے انخلا اور نورانی جسم میں پرواز کی باقاعدہ تربیت کا رواج ہے۔ اور وہاں لامے اور بھکشو کئی برس کے لئے مادی جسم کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے روحانی جسم میں کائنات کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ تبت کے علاوہ قدیم ممالک چین ہندوستان، فارس یونان اور مصر وغیرہ میں بھی انسان کے ''دوہرے وجود'' کے نظریے سے لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ قدیم یونان میں انسان کے دوہرے پیکر کو ''ایڈلون'' کہا جاتا تھا۔ یونانی مورخ پلوطارک نے ایک سپاہی کا ذکر کیا ہے جو جنگ میں شدید زخمی ہونے کے بعد سکتے میں چلا گیا تھا جب اسے ہوش آیا تو اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے ''عارضی موت'' کے وقفے کے دوران ایک مرے ہوئے عزیز سے ملاقات کی تھی اس کا یہ مطلب ہوا کہ شاید انسان اپنے مادی جسم سے آزاد

ہونے کے بعد روحانی پیکر میں عالم برزخ میں داخل ہوسکتا ہے۔ اور دنیا سے گذرے ہوئے لوگوں سے ملاقات کرسکتا ہے۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ بیرون از جسم نورانی پیکر میں ورود ایک ایسا تجربہ ہے جسے ہم اثبات آخرت کی زندگی بعد الموت کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت کہہ سکتے ہیں اور یہ وہ ثبوت ہے جس کے لئے کسی دلیل یا مذہبی قیل و قال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ روحانی پیکر جو انسان کا دوہرا وجود ہے کا سفر بذات خود انسان کے غیر فانی ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے بقول سلوان ملڈ ون۔

''میرے نزدیک خواہ ابدیت پر کبھی کوئی کتاب نہ لکھی گئی ہوتی موت کے بعد روح کی بقاء پر کوئی لیکچر نہ دیا گیا ہوتا۔ حاضرات کی کسی مجلس کو میں نے نہ دیکھا ہوتا۔ اور خواہ ساری دنیا موت کے بعد زندگی پر شک کرنے لگے، میں پھر بھی ایمان رکھوں گا کہ میں غیر فانی ہوں۔ کیونکہ میں نے آخرت کو اپنے بیرون جسم پرواز کے تجربے سے ذاتی طور پر تسلیم کیا ہے۔

''جسم سے انخلا'' کا تجربہ کوئی انتہائی غیر معمولی تجربہ نہیں ہے روحانیات پر تحقیق کرنے والوں کا خیال ہے کہ کم از کم ایک چوتھائی افراد اس قسم کے تجربے سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ضرور گزرتے ہیں اور انہیں علم ہوتا ہے کہ وہ ایسا کر رہے ہیں۔ ''ای ایس پی'' فوق الحسی ادراک اور ''جسم سے انخلا'' کے تجربے میں یہ مماثلت پائی جاتی ہے کہ دونوں حالتوں میں ایک شخص ایسی باتوں کا ادراک حاصل کرتا ہے جو اس کے جسمانی حواس کی رسائی سے باہر ہوتی ہیں۔ تاہم جسم سے انخلا کے تجربے کے دوران انسان کو ایک دوسرے وجود میں اپنے آپ کو شعور ہوتا ہے جبکہ ای ایس پی میں ایسا نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ (۲)

* * *

حضرت انسان کی ان پوشیدہ صلاحیتوں کا ذکر، جو کبھی کبھی پراسرار قوتوں کا روپ دھار لیتی ہے۔

پراسرار شخصیت

مادے پر انسانی روح یا نفس کو جو پراسرار غلبہ حاصل ہے، اسے پیرا سائیکالوجی کی زبان میں نفسی حرکت آفرینی یا ''پی کے'' Psychoninesis کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پی کے ایسی صلاحیت یا اہلیت ہے جس کے ذریعے نہ صرف جسمانی اور مادی اشیاء زندہ اور بے جان دونوں کو روبہ حرکت لایا جاسکتا ہے، بلکہ ان کی ترکیب کو بھی متغیر کیا جاسکتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو پی کے کی صلاحیت کا حامل ہے جوا کی بازی میں پانسہ پھینکنے پر مخصوص نمبروں کو بلا سکتا ہے، یا خالی فلم پر، جسے ایکسپوز نہ کیا گیا ہو، ذہن کے نہاں خانے میں وارد ہونے والی تصویر اتار سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''پی کے'' ایسی طاقت ہے جس کے ذریعے انسانی دماغ آئندہ کے واقعات پر اثر انداز ہوسکتا ہے، تاہم اس طاقت کا کوئی حتمی ثبوت دستیاب نہیں ہوسکا۔

پی کے کی ماہیت کے متعلق اور متضاد نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ روس میں جہاں اس موضوع پر گہری تحقیق ہوتی رہی ہے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ پی کے انسان کی مقناطیسی اور برقی توانائی ہے جسے وہ متحرک لہروں کی صورت میں اپنے جسم سے چھوڑتا رہتا ہے۔ اور یہ توانائی خلا میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے، پی کے ایک پراسرار اور نامعلوم قوت ہے اور اس کے ذریعے ایک شخص حیرت انگیز کارنامے سرانجام دے سکتا ہے ممکن ہے اس قوت کو روبکار لانے والے کو کوئی شعبدہ باز بھی کہہ دے، لیکن شعبدہ گری اور چیز ہے اور پی کے دوسری چیز!

پی کے کی پراسرار اور حیرت انگیز صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والوں میں ایک معروف نام سوویٹ یونین کی مائخیلو دانیلیا کا ہے جو ایک میز پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور وہاں موجود ماچس

کی ڈبیوں، گلاسوں، نمکدانوں اور دیگر چیزوں کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کرتی ہے اور یہ چیز میز پوش پر روبہ حرکت ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اگر میز پر پانی سے بھرا ہوا کوئی گلاس حرکت رہا ہو تو اس کے اندر موجود پانی غیر متحرک ہوتا ہے۔ نیلیا کے اس کارنامے کا مشاہدہ بیشمار امریکی اور روسی سائنسدان کر چکے ہیں۔ نیلیا کا کہنا ہے کہ جب وہ پی کے کا مظاہرہ کرنے لگتی ہے تو اسے اپنے جسم میں خون کے شدید دباؤ کا احساس ہوتا ہے اور نبض کی رفتار غیر معمولی تیز ہو جاتی ہے۔

پولینڈ کی ایک خاتون ملی ٹومزک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک چیز کے دونوں طرف اپنی ہتھیلیاں رکھ دیتی اور پھر ہٹا لیتی اس کے ساتھ ہی وہ چیز کسی ظاہری یا مرئی سہارے کے بغیر زمین سے بلند ہوتی اور ہوا میں تیرنے لگتی۔ ملی ٹومزک پر ہپناٹزم کے تجربے کئے گئے تو پتہ چلا کہ ایک غیر مرئی سا تار ہے جو اس کے ہاتھوں سے نکلتا ہے اور دوسری چیزوں کو چھوتا ہے جیسے جیسے ہاتھ دور ہٹتے جاتے ہیں تار بھی باریک اور پتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

پی کے میں کمال کا ایک مظاہرہ ڈیون پورٹ برادران نے کیا۔ دونوں بھائی ایک تاریک کمرے میں بیٹھ گئے۔ جبکہ ملحقہ خالی کمرے میں جہاں ٹائپ رائٹر رکھے تھے۔ نہ صرف چند کاغذات ٹائپ کئے گئے بلکہ ان پر ایڈریس بھی لکھا گیا اور انہیں مہر شدہ لفافوں میں بند بھی کیا گیا۔ یہ تمام کام ان بھائیوں کی پی کے نے سرانجام دیا جو دوسرے کمرے میں موجود تھے۔

عام طور پر جب ایک کام کسی ظاہری سبب کے بغیر ہو جاتا ہے تو اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کسی جن، بھوت یا آوارہ اور شریر روح کی کارستانی ہے۔ ممکن ہے بعض حالات میں ایسا ہی ہو کیونکہ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق جن ایک دکھائی نہ دینے والی مخلوق ہے۔ لیکن عموماً ایسے واقعات اور پراسرار حادثات کے پس پردہ کسی جن وغیرہ کا نہیں، بلکہ ہمارے اپنے درمیان موجود کسی شخص کی پی کے کارفرما ہوتی ہے، کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شخص

جس کی پی کے ایک واقعہ کی ذمہ دار ہوتی ہے خود اس سے لاعلم اور بے خبر ہوتا ہے۔ مثلاً کسی مقفل اور خالی کمرے میں موجود آلہ موسیقی، پیانو وغیرہ کا خود بخود بجنے لگنا وغیرہ۔

انیسویں صدی کی یورپی مصنفہ فلارنس ماریات روحانیات میں بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ ایک بار وہ اپنے حلقہ احباب میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کا فرکوٹ اچانک اس کے شانوں سے غائب ہو گیا، تھوڑی دیر بعد وہ کوٹ کمرے کی چھت سے نیچے اترتا ہوا دکھائی دیا اور اپنی مالکہ کے گرد لپٹ گیا۔

پی کے کے ذریعے اچانک غائب ہو جانے والی اشیاء کی فہرست میں سب سے پہلے کھانے پینے کی اشیاء اور مشروبات وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔ یہ چیزیں غائب بھی ہوتی ہیں اور دوبارہ نمودار بھی ہو جاتی ہیں۔ انیسویں صدی میں انگلستان کے مشہور روحانی معمول ڈی ڈی ہوم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمرے میں بیٹھ کر دوسرے کمرے میں گیس کے دھارے کو روک دیا کرتا تھا ایک بار اس نے برانڈی کا ایک گلاس سر پر رکھا ہوا تھا۔ وہ گلاس خود بخود خالی ہو گیا۔ وہاں پر موجود ایک شخص نے اپنا ہاتھ خالی گلاس پر رکھا تو اچانک کہیں آسمان سے برانڈی اترنے لگی اور اس کے چھڑکاؤ سے ڈی ڈی ہوم بھیگ گئے۔ شاعر رابرٹ گریوز نے اپنے ساتھ بیتا ہوا یہ واقعہ قلم بند کیا ہے کہ ایک بار نئے سال کی آمد کے موقع پر منعقدہ ایک ضیافت میں کسی ناواقف پی کے آرٹسٹ نے شراب سے چھلکتا ہوا وہ جام خالی کر دیا جسے وہ ہونٹوں سے لگانا ہی چاہتے تھے۔

پی کے کی پراسرار قوت کا ایک مظاہرہ وزنی اور بھاری چیزوں کو نہ صرف روبہ حرکت لانے میں بلکہ انہیں اپنی جگہ سے اٹھا کر معلق کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو زمین سے اٹھایا جاتا ہے۔ ان میں انسان کا اپنا جسم بھی شامل ہے یہ سب کچھ کسی ظاہری سہارے مدد یا سبب کے بغیر واقعہ ہوتا ہے ڈینیل ہوم کو ایک بار بہت سے لوگوں نے ہوا میں معلق رہتے ہوئے کمرے کی ایک کھڑکی سے دوسری کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا، اسی طرح پر ایک بار ہوم نے محض خواہش کا اظہار کرنے پر کرسی سمیت ایک خاتون کو زمین

سے آدھافٹ بلند اٹھالیا۔ بعض واقعات میں آٹھ افراد سمیت ایک بڑے میز کو کسی سبب کے بغیر زمین سے اوپر بلند اور معلق ہوتے دیکھا گیا ہے۔ ایک بار مشہور امریکی صدر ابراہیم لنکن نے۔ ایک گیارہ سالہ بچے کی موجودگی میں ایک وزنی پیانو کو زمین سے خود بخود اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ایک اور واقعے میں ایک بڑا پیانو نہ صرف ڈیڑھ فٹ بلندی تک معلق رہا بلکہ واپس زمین پر آنے سے قبل کوئی تین منٹ تک ہوا میں گردش بھی کرتا رہا۔

بعض واقعات میں ہزاروں میل کے فاصلے سے بھی پی کے کی صلاحیت کے ذریعے چیزوں کو حاضر و غائب کیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں مشہور امریکی مصنف شیروڈ ایڈی کی موجودگی میں منعقد ہونے والی ایک محفل حاضرات میں شکاگو کے ایک اپارٹمنٹ سے ایک بھاری ایش ٹرے غائب ہوا اور عین اسی وقت نیویارک میں ایک کمرۂ حاضرات میں ظاہر ہوا۔

جہاں تک خود کو زمین سے بلند یا معلق کرنے کا تعلق ہے۔ اکثر صوفیا کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ وہ اس صلاحیت سے بہرہ ور تھے لیکن ایک عام شخص بھی خواہ اس کا کوئی عقیدہ یا مذہب ہو اگر وہ پی کے کی حیرت انگیز قوت کا مالک ہے۔ ایسا کر سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب انسان مرتا ہے اس کے وجود سے پی کے کی تمام توانائی جو لامحدود ہوتی ہے ایک دم خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرنے والے کے وجود سے غیر محسوس دھماکے کے ساتھ نکلنے والی توانائی یا مقناطیسیت کے زیر اثر وہاں پر موجود دیوار پر آویزاں گھڑیال اچانک رک جاتا ہے گھڑیال یا ٹائم پیس کی سوئیاں عین اسی لمحے رکتی ہیں جب مرنے والے کے جسم سے روح قبض کر لی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص فوت تو ہسپتال میں ہوتا ہے لیکن گھڑیال اس کے گھر میں اس کے کمرے کا بند ہو جاتا ہے۔ جس میں اس نے زندگی کے شب و روز بسر کئے ہوتے ہیں۔ یعنی جہاں اس کے وجود سے مقناطیسی توانائی کی لہریں عام طور پر خارج اور جمع ہوتی رہتی تھیں۔ ایک واقعہ میں جب ایک شخص فوت ہوا تو وہ اس وقت کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ عین اس وقت کی کلائی کی گھڑی اور نزدیکی کمرے میں موجود ایک بڑا گھڑیال چلتے چلتے رک گئے

بعض واقعات میں جب گھڑیاں اس طرح کسی شخص کی موت کے وقت بند ہو جاتی ہیں تو دوبارہ کبھی کام نہیں کرتیں۔

لیکن مرنے والے کی ''پی کے'' صرف گھڑیوں پر ہی اثر انداز نہیں ہوتی۔ بہت سی ایسی چیزیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ جن کے ساتھ زندگی میں مرنے والے کا قریبی تعلق رہا ہو مثلاً گھر میں آویزاں بعض تصاویر کا زمین پر گر جانا۔ برتنوں کا ٹوٹ جانا۔ روشنی کا غائب ہو جانا یا گھنٹیوں کا بج اٹھنا وغیرہ۔ حالانکہ ایسا ہونے کا کوئی طبعی یا ظاہری سبب دکھائی نہیں دیتا۔ مصنف جے۔ بی۔ رائن نے اپنے ایک پروفیسر دوست کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اس کی ایک دوست خاتون نے مرتے وقت اس سے یہ عہد کیا کہ اگر اس کی روح موت کے بعد بھی باقی رہی تو وہ اس کی طرف کوئی پی کے سگنل بھیجے گی۔ ایسا ہوا کہ اس خاتون کی موت کے بعد اگلی شب کو پروفیسر کے کمرے میں ٹھیک ایک بجے ایک پرانی بجلی کی ٹیوب روشن ہو گئی۔ حالانکہ وہ بے کار اور خراب تھی۔ جب پروفیسر نے اس کا بٹن بند کرنے کے بعد اسے دوبارہ جلایا تو وہ نہیں چلی۔ لیکن دوسری شب پھر وہی ٹیوب رات کے ایک بجے خود بخود کسی سبب کے بغیر جلنے لگی۔

پی کے کی قوت سے نہ صرف ٹھوس اور جامد اشیاء کو حرکت اور جنبش میں لایا جا سکتا ہے، بلکہ آندھیوں اور بادلوں کا رخ بدلا جا سکتا ہے۔ امریکی ادیب جیس سٹیرن نے ایک شخص رالف الیگزینڈر کے متعلق لکھا ہے جس نے اپنی پی کے کو استعمال کرتے ہوئے اُڑتی ہوئی گھٹا کو صاف ہوا میں تحلیل کر دیا تھا۔

بعض واقعات میں پی کے کا حامل شخص اپنے جسم پر ایسے زخموں یا اس قسم کے جسمانی نشانات کو نمودار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو حقیقی نہیں ہوتے اور دوسرے لمحے غائب بھی ہو جاتے ہیں ایک فرانسیسی میڈم کامل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی کے زور سے ڈرائنگ کے نمونے حاصل کرتی اور پھر انہیں اپنی جسد پر متشکل کر سکتی تھی۔

کیا فاصلہ پی کے کو متاثر کر سکتا ہے؟ غالباً ایسا نہیں ہے ایک ٹیسٹ میں نصف پانسے

تین فٹ کے فاصلے سے اور نصف پانسے تیس فٹ کے فاصلے سے پھینکے گئے۔ نتیجہ قریباً یکساں رہا تجربات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں میں پی کے بہتر اور زیادہ مؤثر قوت پائی جاتی ہے۔ کئی آزمائشوں میں جہاں پی کے کی صلاحیت کے حامل مردوں اور عورتوں پر تجربات کئے گئے۔ عورتوں کا اسکور بہتر رہا۔ تاہم ای ایس پی کے برعکس اس بات کا ابھی تک کوئی ثبوت نہیں ملا کہ بالغوں کی نسبت بچوں اور نوعمر لڑکوں میں پی کے کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

پی کے اور ای ایس پی میں ایک مشترک خصوصیت یہ بھی ہے کہ دونوں کے سلسلے میں ہر قسم کے ہیجان سے آزاد پرسکون اور انفعال موڈ کا ہونا ضروری ہے۔ ذہنی سلیٹ کا صاف ہونا پی کے اور ای ایس پی کے کامیاب تجربے کی لازمی شرط ہے۔

اب ذرا ان مفروضات اور عام طور پر روایات کا ذکر ہو جائے جن کا غلط یا صحیح تعلق آسیب اور بھوت پریت وغیرہ سے ہے آسیب سے منسوب واقعات میں کبھی کسی مکان میں غیب سے پتھر گرائے جاتے ہیں کبھی کہیں فرنیچر اور دوسری چیزیں اچانک اور بغیر کسی سبب کے پرواز کرتی دکھائی دیتی ہیں اور کبھی کسی مقام پر پراسرار دھماکے ہوتے ہیں اور کراکری کو کوئی غیبی طاقت اچھال کر توڑ دیتی ہے۔

اکثر اس نوع کے واقعات میں کسی شریر روح کا دخل کم اور گھر کے کسی ناراض یا حد سے زیادہ حساس رکن کی پی کے کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔ پیراسائیکالوجی میں تحقیق کرنے والوں کا خیال ہے کہ عام طور پر ایسے واقعات کے پس پردہ خاندان کے کسی نوعمر لڑکے یا لڑکی جو کسی خاص احساس محرومی میں مبتلا ہو۔ کی حسرت پی کے کی صورت میں کارفرما ہوتی ہے۔ مثلاً اگر گھر میں کوئی نوعمر لڑکا ہے جسے گھر میں دیگر ارکان کے خلاف نفرت ہے۔ یہ نفرت اس نے اس طرح دبا رکھی ہے کہ اس کے دبانے سے جو توانائی پیدا ہوتی ہے وہ اس قدر طاقتور ہوتی ہے کہ بعض اوقات گھر میں موجود چیزیں خود بخود اڑنے لگتی ہیں اور پی کے کے دوسرے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ گھر کے جس ناراض عنصر کی وجہ سے پی کے کا ڈرامہ ہو رہا ہو، اسے شعوری طور پر اس کا علم بھی ہو۔ اور یہ بھی قطعی ضروری نہیں کہ جب گھر میں پراسرار واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہوں، صاحب پی کے اس وقت ''موقع واردات'' پر بھی موجود ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس نیرو کی وجہ سے گھر میں آگ لگی ہوتی ہے وہ اس وقت بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ کہیں محو خواب یا محو استراحت ہوتا ہے۔

ولیم رول نے ''آسیب زدگی'' کے واقعات کی کھوج اور ریسرچ میں عمر بسر کی ہے، انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اشیاء اس وقت اپنی جگہ سے جنبش کرنے لگتی ہے جب وہ اس لڑکے یا لڑکی کے سامنے ہوں جس کی توانائی ان پر اثر انداز ہو رہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ چیزیں عین سیدھ میں حرکت کرتی ہیں۔ بعض اوقات موڑ کاٹتی ہوئی چلتی ہیں۔ اور بعض اوقات دائرے میں گردش کرتی یا اڑنے لگتی ہیں، عام طور پر ان چیزوں کی حرکت کا رخ گھر کے ان کمروں کی سمت ہوتا ہے جہاں ''پی کے'' کے حامل فرد کی نفرت کا مرکز ارکان خانہ مقیم ہوتے ہیں، لیکن انہیں کبھی ان چیزوں کی حرکت یا پرواز سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

پی کے ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ''روحی فوٹوگرافی'' کہلاتی ہے۔ جس میں ایک خالی اور کوری فلم پر ایسی چیزیں نمودار ہوتی ہیں جن کے سامنے فلم کو کبھی ایکسپوز نہیں کیا گیا ہوتا۔ یہ تصویریں زندہ لوگوں کی بھی ہو سکتی ہیں اور مردہ لوگوں کی بھی۔ ایک زمانہ میں انگلستان میں مردہ لوگوں کی ارواح کی تصویر کشی کا بڑا چرچا رہا۔ ارواح کی فوٹوگرافی عام طور پر کمرۂ حاضرات میں ہوتی تھی۔ معمول کے ہاتھوں میں فوٹوگرافک پلیٹیں تھما دی جاتی تھیں۔ یا پھر معمول ایک کرسی پر براجمان رہتا اور اس دوران تصاویر بن جاتیں۔ ۱۸۶۱ء میں ایک کندہ کار مسٹر ڈبلیو ایچ ہملر نے محض اتفاق سے ایک روحانی تصویر بنائی۔ اس کے بعد وہ ارواح کی فوٹوگرافی کے عمل میں مشہور ہو گیا۔ اگرچہ کئی بار اس پر فریب کاری اور دھوکہ دہی کے الزام میں مقدمے چلائے گئے لیکن ہر مرتبہ گواہوں کی شادت کی بنا پر اسے رہائی ملتی رہی۔ اس کا یہ دعوے کہ وہ روحوں کی تصویر اتار سکتا ہے۔ کسی ٹھوس اور سائنٹیفک بنیادوں پر رد نہ کیا جا سکا۔

''پی کے'' کے سلسلے میں ایک اور دلچسپ اور حیرت انگیز کڑی خیالات کی فوٹوگرافی کہلاتی ہے۔ اس میں ایک کوری فلم پر خیالات اور تصورات کو متشکل کیا جاتا ہے۔ پہلی بار اس کا تجربہ ایک فرانسیسی محقق ڈاکٹر باراوٗک نے کیا، اس نے زیر تجربہ افراد کو فوٹوگرافی کی پلیٹوں پر اپنے ہاتھ رکھنے کو کہا اور ساتھ ہی تخیل میں بعض چیزوں کو لانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ان چیزوں کی تصویر پلیٹوں پر بن گئی۔ ۱۹۱۱ء میں جاپان میں اس سلسلے میں نہایت کامیاب اور حیرت انگیز تجربہ کیا گیا۔ ایک جاپانی پروفیسر نے فوٹوگرافی کی پلیٹوں پر اپنی ذہنی تصاویر منتقل کیں۔ حالانکہ وہ پلیٹیں سایہ کپڑے کی متعدد تہوں کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ کئی اور واقعات میں کافی فاصلے سے پی کے اور ٹیلی پیتھی دونوں کو ملا کر خیالات کی تصویر کشی کے کامیاب تجربات کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں نفسیات دان ڈاکٹر جیول آئزن بڈ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر جیول ای ایس پی اور پی کے دنوں میں دخل رکھتے ہیں۔ ان کا طریق کار یہ ہے کہ وہ ذہن میں بعض چیزوں کی تصویر یا شبیہ پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے کیمرہ کے لینز میں جھانکتے ہیں اور اس طرح کیمرہ کے اندر موجود فلم پر ان چیزوں کی تصویر اتر آتی ہے۔ ایک بار ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام میں انہوں نے ایک پولرائیڈ کیمرہ لیا جس میں تازہ فلم ڈالی گئی تھی.... انہوں نے کیمرہ اپنے سر کی طرف گھمایا اور چند سیکنڈ کے بعد اس کیمرے میں سے جو تصویر نکالی گئی وہ کسی شہر کی فضائی تصویر تھی۔ وہی تصویر جس کا تصور ڈاکٹر جیول نے اپنے ذہن میں کیا تھا۔

ای ایس پی اور پی کے کی کیفیت میں عام طور پر شعور خوابیدہ حالت میں ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب جسمانی سرگرمی کم سے کم ہو۔ حالت مرض یا اس سے ملتی جلتی کیفیت، مثلاً بچے کی ولادت کے فوراً بعد روحانی تجربے سے گذرنے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح روزہ یا برت بھی اس کیفیت کے طاری ہونے میں مدد کرتا ہے۔ قدیم قبائل روحانی تاثرات اور نفسی تجربات کے لئے طویل مدت کے روزے رکھا کرتے تھے۔ تحقیق کی صلاحیت اور روحانی یا نفسی تجربے کے درمیان بھی اسی طرح گہرا تعلق ہے۔

آرٹسٹ ادیب اور موسیقار اپنے لاشعوری ذہن کو سطح پر لانے کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں اور اچھا خاصا فوق الحسی مواد سامنے لے آتے ہیں۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے اور غالباً صحیح طور پر کہ تصورات یا خیالات فضا میں گردش کرتے ہیں چنانچہ کئی بار یہ اتفاق ہوا ہے کہ دو یا زیادہ فنکار ایک ہی وقت میں ان فنکاروں کا تخلیقی لاشعور ایک ہی ''ویولنگتھ'' پر ہوتا ہے۔

موسیقی کو روحانی تجربات کے لئے خاص طور پر سازگار پایا گیا ہے۔ ولندیزی فنکار تھولن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خالی ذہن کے ساتھ ایک بار موسیقی کے مختلف رنگوں پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس کے لاشعور کا دریچہ وا ہوا اور اس نے ایک طیارے کو دیکھا جس کے ساتھ اکتالیس جنازے تھے اور ایک تنہا شخص پیدل جا رہا تھا۔ ایک ہفتہ گذرا کہ ولندیزی طیارہ ''کوئین جولیانا'' حادثے کا شکار ہوا جس کے نتیجے میں اکتالیس مسافر ہلاک ہو گئے اور صرف ایک شخص محفوظ رہا۔ اسی نوع کا ایک واقعہ ایک خاتون کو پیش آیا۔ جو موسیقی سنتے سنتے عالم محویت میں چلی گئی اور اس پر منکشف ہوا کہ پانی کی سطح پر ایک سیاہ بادل ہے جس میں سے ایک آدمی نکلا اور پانی میں کود گیا۔ اور اس طرح اس شخص کی موت واقع ہو گئی۔ چند ہی روز گزرے ہوں گے کہ اسی مقام کے پاس پانی میں چھلانگ لگا کر ایک شخص نے خودکشی کر لی۔

روحانی تجربے سے گزرنے کے لئے بہترین ذہنی کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب انسان غنودگی یا نیم بیداری اور نیم خوابیدگی کے عالم میں ہوتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب بیدار ذہن کا پہریدار جو باطنی اثرات اور روحانی مرتسمات کو شعور کی سرحد عبور کرنے سے باز رکھتا ہے۔ مکمل طور پر غافل ہوتا ہے۔ آنے والے خطرات کی پیش خبری اور تخلیقی تجربات عام طور پر اسی لمحے میں ہو جاتے ہیں۔ مشہور انگریزی شاعر کولرج کی شاہکار نظم ''قبلا خان'' کا زیادہ اور بہترین حصہ کی کیفیت میں نازل ہوا۔ غنودگی کے علاوہ خواب کی حالت میں روحانی تجربات ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکمل نیند کی کیفیت میں انسانی ذہن ہر قسم کی سرگرمی سے باز آ جاتا ہے۔ لیکن اب اس تصور کو قبول نہیں کیا جاتا۔ حالیہ

تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ رات بھر انسانی ذہن کوئی نہ کوئی سرگرمی جاری رکھتا ہے۔ چنانچہ نفسی تاثرات خواب کی حالت میں یا بغیر خواب کی حالت میں رونما ہو سکتے ہیں۔

ہپناٹزم کی تاریخ بہت قدیم ہے کہتے ہیں کہ تین ہزار برس قبل مصر میں ہپناٹزم کے ذریعے علاج معالجہ کرنے کا رواج تھا تاہم ہپناٹزم میں بھرپور تجربات پہلی اٹھارہویں صدی میں مشہور محقق مسیمر نے کئے۔ چنانچہ بعض اوقات ہپناٹزم کو مسیمر ازم بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل ہپناٹزم کے ذریعے ای ایس پی یا پی کے وغیرہ کی صلاحیت بڑھانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں جو تجربات کئے گئے ہیں وہ کامیاب رہے ہیں۔ ایک روحانی لیبارٹری میں چند زیر تحریر افراد کو سہ پہر کے وقت ہپناٹائز کر کے قیلولہ کرنے کو کہا گیا۔ بیدار ہونے کے بعد ان سے کہا گیا کہ جو چیزیں نیند کے دوران انہوں نے محسوس کی یا دیکھی ہوں انہیں وہ بیان کریں۔ اس دوران ایک عامل دوسرے کمرے میں بیٹھا رہا اور ایک مشہور پینٹنگ پر خیال مرکوز کئے رہا۔ ان سب نے ہپناٹزم کے دوران پینٹنگ کے متعلق خواب دیکھے تھے۔

کیا مراقبہ یا غور و فکر وغیرہ کے ذریعے پی کے یا ای ایس پی، وغیرہ کی صلاحیت میں اضافہ یا ترقی ممکن ہو سکتی ہے؟ جی ہاں بلکہ یقیناً! مراقبہ یا دھیان کو تصوف اور روحانیت کی دنیا میں خاص مقام حاصل ہے۔ مراقبہ کرنے والا ایک مخصوص انداز میں بیٹھتا ہے مکمل تنہائی اور سکون شرط ہے۔ وہ اپنے سانس کی آمد و رفت پر خیال مرکوز کرتا ہے۔ مراقبہ خاموش بھی ہوتا ہے۔ اور ذکر کے ساتھ بھی اس کا مقصد بیرونی ماحول سے رابطہ کاٹ کر اپنے من یا باطن کی طرف متوجہ ہونا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی انا کے دائرے سے نکل کر دوسروں کے ساتھ اتحاد اور وحدت کا تجربہ حاصل کرتا ہے۔ تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ نشہ آور ادویات کے علاوہ کافی وغیرہ استعمال کرنے سے بھی انسان کی فوق الحسی صلاحیت اور ادراک میں ترقی اور تیزی واقع ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کے اثر سے وہ رکاوٹیں بڑی حد تک دور ہو جاتی ہیں جو ای ایس پی وغیرہ کے راستے میں حائل ہوتی ہیں اور شعور اور لاشعور کے درمیان دریچے وا ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایل ایس ڈی کو خاص طور پر اہم تصور کیا جاتا ہے۔ (۳)

جسم و جاں کے پراسرار رشتے

جدید ترین طبی انکشافات

روحانی لہریں جسم پر کس طرح حکومت کرتی ہیں؟

کیا جذباتی کیفیات کسی صحت مند کو بیمار اور بیمار کو شفایاب کر سکتی ہیں؟

کیا خیال کی طاقت کو جسمانی امراض دور کرنے کے لیے ڈاکٹری نسخے میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

یہ مشکل سوالات ہیں لیکن زمانہ قدیم سے انسانی ذہن ان کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ذہن ہمارے جسم پر حکومت کرتا ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں نے جسم انسانی پر روح کے اثرات سے کبھی انکار نہیں کیا؟ البتہ انہیں قبول کرنے کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ جادو تعویز گنڈے، ٹونے ٹوٹکے، ہپناٹزم اور مغرب میں فیتھ ہیلرز ان سب کی بنیاد، اعتقاد اور خیال کی قوت کو امراض کے خلاف استعمال کرنے پر ہے۔ برصغیر میں ذہنی قوت سے علاج کی روایت پانچ ہزار سال پرانی ہے، ویدک لٹریچر میں جسم کو شعور کا مادی اظہار قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآنی آیات شفا بخش تاثیر رکھتی ہیں اور اس عقیدے میں بڑی صداقت ہے۔ ظفر اللہ خاں صاحب مدیر اردو ڈائجسٹ نے ایک آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کیا کہ ایک، اسّی سالہ خاتون کو موتیا بند کی شکایت ہوئی۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کا مشورہ دیا جو انہیں قبول نہ تھا۔ پھر انہوں نے پورے یقین سے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ کا وظیفہ شروع کیا۔ خدا کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ مرض اسی ابتدائی سطح پر رک گیا اور وہ آنکھوں سے معذور ہونے سے بچ گئیں۔

دراصل روح اور جسم کو انسان ہمیشہ سے ایک وحدت ہی سمجھتا تھا۔ عہد قدیم میں

بیماری کے بارے میں تصور یہ تھا کہ آسمانی قوتیں ناراض ہو جاتی ہیں تو آدمی کی روح اور جسم کو کوئی نہ کوئی روگ لگ جاتا ہے۔ طب یونانی نے مزاج اور خلطوں میں عدم توازن کو بیماری کا سبب قرار دے کر جسم و روح کے ایک دوسرے پر اثرات کے نظریے کو آگے بڑھایا، لیکن اس اکائی میں دوئی اس وقت پیدا ہوئی جب تقریباً تین سو سال قبل ایک فرانسیسی فلسفی Rene Descaries نے ذہن اور جسم کو دو علیحدہ چیزیں قرار دے کر ان سے علیحدہ علیحدہ سلوک کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ یہی نظریہ ایلوپیتھی یعنی موجودہ انگریزی طریقہ علاج کی بنیاد بنا۔ اس کے فائدے تو ظاہر ہیں لیکن اس نے ذہن اور جسم کے رشتے کو بہت پراسرار بنا دیا۔

تقریباً ایک سو سال قبل معروف جرمن ڈاکٹر ہانمن نے میڈیکل سائنس میں ایک چونکا دینے والا نظریہ پیش کیا۔ اس نے مختلف ادویات کی قلیل مقدار کو ایک خاص طریقے سے اتنا لطیف بنایا کہ ان کے مادی اثرات معدوم ہو گئے اور جز و موثرہ ایک غیر مرئی توانائی روح میں تبدیل ہو گیا۔ جب یہ ادویات صحت مند انسانوں کو دی گئیں تو ان میں ان ادویات سے متعلق کچھ متعین علامات پیدا ہو گئیں۔ ڈاکٹر ہانمن نے ان تجربات کی مدد سے بتایا کہ انسان بیمار صرف اس وقت ہوتا ہے جب بیماری کے لطیف ترین اثرات اس کی قوت حیات روح کو متاثر کر دیتے ہیں۔ پھر یہ بیمار روح اپنی بیماری کا اظہار جسمانی علامات کی شکل میں کرتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق جسمانی نظام ایک دائرے کی طرح ہے جس کا مرکز قوت حیات یا روح ہے۔ بیماری ہمیشہ دائرے کے مرکز روح سے شروع ہوتی ہے اور دائرے کے بیرونی کنارے جسم تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح شفا بھی قوت حیات کی طرف سے شروع ہو کر جسم تک پہنچتی ہے۔ ڈاکٹر ہانمن نے روح کو حاکم اعلیٰ قرار دیا جو جسم پر پوری طرح حاوی ہے۔

پھر ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ لاعلاج مریضوں کو اگر صرف سادہ ملک آف شوگر کی پڑیاں دی جائیں تو بھی ان میں سے بہت سے صرف اس خیال سے تندرست ہو جاتے ہیں کہ انہیں دوا دی گئی ہے۔ اس طرح ذہن اور روح کی طاقت نے ایک دوسرے انداز سے اپنے آپ کو تسلیم کرانا شروع کیا اور اب یہ صورتحال تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ مثبت خیالات آپ کو شفایاب کر سکتے ہیں۔ یہ خیال امریکہ کے طبی نظام میں اب ایک حقیقت بنتا جا رہا ہے اور اس موضوع پر تحقیق ہو رہی ہے کہ جب ہم مایوسی، پژمردگی یا غصے کا شکار ہوتے ہیں تو کیا بیماریاں ہم پر جلد قابو پا لیتی ہیں؟ یا جب ہم پرامید خوش اور پراعتماد ہوتے ہیں تو بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں؟

جسم پر ذہن کے اثرات کی تحقیق نے ایک بالکل نئی سائنس کو جنم دیا ہے جس کا نام سائیکو نیورو امیونولوجی Psychoneuroimmunology رکھا گیا ہے۔ اس نئی سائنس نے ایسے سوشل سائنسدانوں اور بنیادی سائنسدانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا ہے جو پہلے ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ صحت مند رضا کاروں میں فلو کا وائرس داخل کیا جاتا ہے پھر دیکھا جاتا ہے کس رضا کار کی ذہنی کیفیت کیا تھی اور اس سے بیماری قبول یا رد کرنے پر کیا اثر پڑا اور وہ کتنے دن میں ٹھیک ہوا۔

نازک اور حساس آلات سے معلوم ہوا کہ ذہن و جسم حیرت انگیز حد تک ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہماری ذہنی کیفیت جسم کے غدودوں، خلیات اور اعضا پر انتہائی پیچیدہ اور گہرے اثرات چھوڑتی ہے۔ اس سے ہماری قوت حیات پر مثبت یا منفی اثر پڑتا ہے۔

جذبات اور جسم:

تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جن لوگوں کا مخلص اور دلنواز رفیق زندگی بچھڑ جاتا ہے ان کا مدافعتی نظام صدمے کی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ تنہا لوگوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔ احساس تنہائی انہیں بیمار کر دیتا ہے۔ وسیع پیمانے پر سروے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواتین اور مردوں میں جن کے رشتے دار یا قریبی دوست نہیں ہیں شرح اموات تین گنا زیادہ ہے کیونکہ یہ لوگ احساس تحفظ سے محروم ہوتے ہیں جو ایک خالص ذہنی کیفیت ہے،

مشی گن یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ صرف تنہائی، زندگی کے لئے اتنا ہی خطرہ پیدا کرتی ہے جتنا سگریٹ نوشی۔

رشتے داروں سے علیحدہ نرسنگ ہوم میں زیر علاج مریض جنہیں اپنی زندگی پر کنٹرول

کا احساس نہیں ہوتا۔ شفا سے مایوس کینسر کے مریض ناخوشگوار ازدواجی تعلقات کے شکار لوگوں کی زندگی بھی کثرت سے سگریٹ نوشی کرنے والوں کی طرح شدید خطرے میں ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انہی حالات میں مثبت ذہنی کیفیت رکھنے والے طویل زندگی پاتے ہیں اور جلد صحت یاب ہوتے ہیں۔

گزشتہ دس سالہ دور کو پنسلوانیا یونیورسٹی کے ماہر نفسیات مارٹن سیلگمین نے مہلک مایوسی، سے نجات کا دور قرار دیا اور کہا ہے کہ اس عرصے میں جسم اور ذہن کے آپس میں عمل اور ردعمل کی کیفیات کو سائنٹیفک انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی وسیع پیمانے پر ذہن کے جسم پر اثرات سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔

طویل عرصے تک مریضوں کی تیمارداری کرنے والے رشتے داروں پر دباؤ کے ثمرات کا جائزہ لینے والے وہائیو یونیورسٹی کالج آف میڈیسن کے ماہر نفسیات جینائس کیکاٹ گلیزر کا کہنا ہے۔

”ہمیں ذہن اور جسم میں توقع سے کہیں زیادہ مضبوط رشتوں کے شواہد ملے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جسم کے تمام خلیات کی بھی آنکھیں ہیں اور وہ خوشی اور غم امید اور مایوسی کی کیفیات کا براہ راست ادراک رکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ سکتے ہیں اور ان سے اثر قبول کرتے ہیں۔“

جس طرح دماغ جسم کو پیغامات بھیجتا ہے بالکل اسی طرح روحانی مدافعتی نظام دماغ کو وائرس اور بیکٹیریا کی موجودگی سے خبردار کرتا ہے۔

یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، سان ڈیگو کے ایک سائنسدان کیرن، بلوچ نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں دریافت کیا تھا کہ مدافعتی نظام اور دماغ کے درمیان باقاعدہ اعصابی راستے موجود ہیں۔ سائنس دان بالآخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دونوں ایک پیچیدہ دوطرفہ نظام کے ذریعے ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس پرپیچ نظام کے اسرار ابھی واضح نہیں،

تاہم پی این آئی سائنسدانوں کے خیال میں مدافعتی نظام بالکل ایسے کام کرتا ہے جیسے اس کا اپنا ایک علیحدہ اور آزاد دماغ موجود ہو اور یہی وہ کیفیت ہے جسے قوت حیات یا روح کا نام دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر کینڈلیس پرٹ نے جو امریکی نیشنل انسٹیٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ کی ایک ممتاز محقق ہیں ذہن و جسم کے تعلق کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”عام لوگوں کی طرح پہلے میں بھی سمجھتی تھی کہ ذہن دماغ میں اور دماغ سر میں ہوتا ہے اور یہ کہ یہی ہمارے شعور و ادراک کا مرکز ہے، لیکن اب طویل تحقیق اور واضح شواہد سے میں قائل ہو گئی ہوں کہ ادراک اور احساس کے ذرائع پورے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور بعض اوقات یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس پر حاوی ہے۔ اس تحقیق سے انسانی رویے اور انسان کی اپنی نوعیت یعنی ہم کیا ہیں کے بارے میں کئی دلچسپ اور نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔“

ذہن اور جسم جن کو تین سو سال پہلے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، سائنسدان اب پھر انہی یکجا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں کئی ڈرامائی انکشافات ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قوت حیات کے زیر اثر مدافعتی نظام اور اعصابی نظام میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے سے مل کر کام کرتے ہیں، اسے ثابت کرنے کے لیے چوہوں کو سیکرین کا شربت پلایا گیا اور ساتھ ہی ایک ایسی دوا کا انجکشن لگایا گیا جس سے متلی ہوتی تھی اور جسم کا مدافعتی نظام کمزور پڑ جاتا تھا۔ صرف ایک مرتبہ یہ انجکشن لگانے سے چوہوں کے نظام نے اسے سیکرین کے ذائقے کے ساتھ نتھی کر دیا۔ اس کے بعد جب بھی سیکرین کا شربت پلایا گیا تو بغیر انجکشن لگانے پر چوہوں کا مدافعتی نظام خود بخود کمزور پڑ گیا، متلی بھی ہو گئی اور وہ بیمار ہونے شروع ہو گئے۔ اس سے ذہن اور جسم کے گہرے تعلق کا ناقابل تردید ثبوت فراہم ہوا۔ اب سائنسدان پوری یکسوئی سے ان پراسرار راستوں اور واسطوں کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں جو ذہن اور مدافعتی نظام کو باہم مربوط رکھتے ہیں۔

مدافعتی نظام:

مدافعتی نظام بذات خود ایک حیرت انگیز تخلیقی کارنامہ ہے۔ یہ پیچیدگی میں دماغ سے کم نہیں اور اسے سمجھنا بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ بنیادی طور پر یہ خون کے مختلف النوع سفید خلیات کا مجموعہ ہے۔ یہ سفید خلیات تھائس غدود، تلی، ہڈی کے گودے اور لمفادی گلٹیوں میں اپنا ٹھکانہ رکھتے ہیں اور دوران خون میں ہونے والی خفیف ترین کیمیاوی تبدیلیوں پر بھی کڑی نظر رکھتے ہیں۔ یہ سفید خلیات مدافعتی محاذ کے اگلے مورچوں پر لڑنے والے سپاہی بھی ہوتے ہیں ہمیشہ چاق و چوبند رہتے ہیں اور اینٹی باڈیز پیدا کر کے جسم میں داخل ہونے والے حملہ آوروں کو فوری طور پر ختم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ نظام اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ بے ضرر مداخلت کے خلاف بھی شدید ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ جسے ہم 'الرجی' کے نام سے پہچانتے ہیں۔

ایک قسم کے سفید خلیات جسم میں ہونے والی توڑ پھوڑ کی مرمت کے کام پر مامور ہیں انہیں میکروفیجس Macro Phages کہا جاتا ہے۔ ایک اور قسم کے سفید خلیات 'نیچرل کلرز' میں جنہیں مختصر طور پر این کیز (NK's) کہا جاتا ہے۔ یہ وائرس اور ٹیومرز کے خلاف لڑائی کرتے ہیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ این کیز جذباتی کیفیات کا براہ راست اثر قبول کرتے ہیں۔ عورتوں میں سینے کے سرطان پر ایک طویل تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس مرض کے پیچھے این کیز کی معمول سے کم اور مضمحل کارکردگی ایک بڑی وجہ تھی۔

ٹیس برگ انسٹیٹیوٹ کی محقق خاتون لیوی نے معلوم کیا کہ نفسیاتی عوامل، دیکھ بھال اور تناؤ کے مقابلے میں مریض کا رویہ این کیز کی کارکردگی پر اتنا اثر مرتب کرتے ہیں کہ ان مفید ترین خلیات کی قوت کار نصف یا دگنی ہو سکتی ہے۔

احساس بے بسی کے اثرات:

پنسلوانیا کے محقق سیلگمین نے خود طاری کردہ احساس بے بسی پر تحقیق کی اور ثابت کیا کہ جو لوگ عادتاً قنوطی ہوتے ہیں ہر بات کا تاریک پہلو دیکھتے ہیں، مایوس رہتے ہیں دوسرے الفاظ میں اپنے آپ کو بے بس سمجھنے اور سمجھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ زندگی کو تبدیل کرنے کی خواہش سے عاری ہوتے ہیں، ان کے جسموں میں ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ اور جب ان میں نامساعد حالات سے مقابلہ کرنے کا جذبہ بیدار ہوا تو اس کے ساتھ ہی ان کا جسم بیماریوں کے خلاف مدافعت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

بطور ثبوت سیلگمین نے خود طاری کردہ بے بسی کی تھیوری پر ایک تجربہ کیا۔ اس نے کچھ چوہوں کو ہلکے برقی جھٹکے لگائے۔ ان میں سے کچھ چوہوں کو موقع دیا گیا کہ وہ ان جھٹکوں کی زد سے نکل کر بھاگ سکتے تھے جو چوہے فرار نہیں ہو سکتے تھے جلد ہی ان میں اپنی حالت سے ایک بے حسی اور بیزاری کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب انہیں فرار ہونے کا راستہ دے دیا گیا تو بھی انہوں نے اس کی پروانہ کی اور اسے نظر انداز کر دیا۔

چھٹی حس کی نئی توجیہ:

موجودہ فزیالوجیکل نقشوں میں کچھ علاقے اب تک خالی نظر آئے ہیں۔ مرکزی اعصابی نظام دماغ" کی صدارت میں شاخ در شاخ پورے جسم میں پھیلا ہوا ہے اور اس سے نکلنے والے کیمیاوی مادے جسم کے ہر فعل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگرچہ مدافعتی نظام نازک ریشوں کی مدد سے سانس دوران خون وغیرہ کو کنٹرول کرنے والے مرکزی اعصابی نظام سے بندھا ہوا نظر آتا ہے، اس کے باوجود یہ دماغ کے اثر سے آزاد کام کرتا محسوس ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدافعتی نظام دماغ کی مدد کے بغیر ہی سارا کام کر سکتا ہے تو پھر دماغ کی ضرورت کیسے ہے۔

ستر کی دہائی میں سین ڈیگو کے کیرین بلوچ نے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے چوہوں کے تھائمس گلینڈ میں ایک رنگین مادہ انجیکٹ کیا جس نے نیورونز کو رنگین کر دیا۔ پھر اس رنگین مادے کے سفر کی نگرانی کر کے بلوچ نے ثابت کیا کہ مرکزی اعصابی نظام اور مدافعتی نظام میں دوطرفہ رابطہ موجود ہے۔

تقریباً اسی زمانے میں الباما برمنگھم کے جے ایڈون بلیلوک نے دریافت کیا کہ مدافعتی نظام کے خلیات بھی پیپٹائڈ Peptides ہارمونز پیدا کر سکتے ہیں جو پہلے خیال تھا کہ صرف دماغ ہی میں پائے جاتے ہیں اور نیورو پیپٹائڈز کہلاتے ہیں۔

اس کے بعد ثابت ہوا کہ مدافعتی خلیات تقریباً وہ تمام ہارمونز پیدا کر لیتے ہیں جو دماغ پیدا کرتا ہے۔ بلیلوک کی تحقیق میں اہم ترین دریافت یہ ہوئی کہ جسم احساس کے ایک ایسے نظام سے بھی اثر قبول کرتا ہے جو روایتی حواس خمسہ یعنی ذائقہ، لامسہ سماعت اور بصارت کے علاوہ ہے اور اس کا نام ہے مدافعتی نظام۔ درحقیقت پورے جسم میں پھیلا ہوا یہ جال دار نظام وائرس اور بیکٹیریا کے خلاف ایک اندرونی حس ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر یہی نظام ہے جو دماغ کو دیگر حسیات کی طرح جسم کو درپیش خطرات سے خبردار کرتا ہے، اس کا رابطہ بیرونی ماحول سے قائم رہتا ہے۔ بلیلوک کی رائے میں دماغ اور مدافعتی نظام میں کئی باتیں مشترک ہیں، مثلاً سفید خلیات بھی دماغ کی طرح نیورو پیپٹائڈز کو قبول کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ دونوں ہارمونز سے یکساں اثر قبول کرتے ہیں، چاہے ان کا مخرج کوئی بھی ہو۔

بوتل میں جذبات:

معلوم یہ ہوا کہ دماغ اور خود کا مدافعتی نظام دونوں اپنے دائرے میں تجربات کے مطابق پیغامات مسلسل ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں۔ تحقیقات مظہر ہیں کہ دیرینہ ذہنی دباؤ کلاہ گروہ کے غدود کو کارٹیو کاسٹرائیڈ ہارمون خون میں زیادہ مقدار میں پمپ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ کیمیاوی پیغام ہر مدافعتی نظام کا کام روک دیتے ہیں۔ تنہائی، بے بسی، افسردگی، ان سب کا بھی یہی اثر ہوتا ہے اور انسان جلد بیماری قبول کر لیتا ہے، یعنی ذہنی کیفیت عملاً انسان کو جسمانی طور پر بیمار کر دینے کا سبب بن جاتی ہے۔

دوسری جانب جارج واشنگٹن یونیورسٹی میڈیکل سینٹر کے ایک بائیوکیمسٹ اور تھائمس گلینڈ پر تحقیق کے بانی ایلن گولڈ سٹین نے معلوم کیا ہے کہ مدافعتی نظام کے کچھ مادے جیسے

لیمفو کینیز اپنے ضمنی اثرات کی صورت میں ڈیپریشن پیدا کر دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدافعتی نظام کے خالص مادی ذرائع اپنے اثرات سے دماغ کو متاثر کرتے ہیں یعنی مدافعتی مولیکیولز دماغ سے جڑے ہوئے ہیں۔

باہمی اثر پذیری کا یہ دوطرفہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ گولڈ سٹین کا کہنا ہے۔ ''اگر یہ مولیکیولز واقعی دماغ کے استحالے (Metabolism) اور فزیالوجی پر اثر انداز ہوتے ہیں تو عین ممکن ہے کہ یہ رویے پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔'' تو پھر رویہ کیا ہے؟ اگر جسم میں پیدا ہونے والے کیمیائی مادے ذہنی کیفیت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے جذبات کو مادے میں تبدیل کر لیا اور اب انہیں بوتل میں مقید بھی کیا جا سکتا ہے۔

دماغ، ایک پیچیدہ آئی سی:

دماغ اور مدافعتی نظام کے حقائق جوں جوں سامنے آ رہے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہم ایک مزید پراسرار دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ ایک حیرت انگیز مربوط جال نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جسم اور ذہن اس طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں کہ انہیں علیحدہ کرنا یا دو قرار دینا مشکل نظر آتا ہے۔ تین سو سالہ اس تصور کو جھٹلایا جا چکا ہے کہ ذہن اور جسم کا علاج الگ الگ ہونا چاہیے۔ اب یہ طے ہے کہ ایک کی کیفیت دوسرے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تاہم یہ ابھی واضح نہیں کہ ان دریافتوں کے علاج معالجے کے معاملات پر کیا حتمی اثرات مرتب ہوں گے۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ مدافعتی نظام کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر کے ہر قسم کی بیماریوں کا علاج محض ذہن کی قوت سے کیا جا سکے گا۔ یہاں تک کہ بافتوں کی ٹوٹ پھوٹ کی رفتار کو بھی جذبات پر کنٹرول کے ذریعے بڑھایا جا سکے گا۔

نئے تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مدافعتی نظام کے خلیات کی نقل و حرکت نیورو پیپٹائڈز کی تابع ہوتی ہے، جبکہ یہ نیورو پیپٹائڈز جذبات کے اتار چڑھاؤ سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہ پیپٹائڈز ہی ہیں جو ماہرین کے خیال میں ہر بیماری کے انسداد کے لئے مفید

ثابت ہوتے ہیں۔ پرٹ کا کہنا ہے۔

''ایک دن آئے گا کہ لوگ ہر بیماری کا علاج اپنے ذہن ہی میں لیے پھر رہے ہوں گے کیونکہ یہ ذہن ہی ہے جو جسم پر حکومت کرتا ہے۔ اور اسے بیمار یا صحت یاب کرتا ہے۔ واقعی جسم ذہن کے مادی اظہار کا نام ہے۔''

جسم و ذہن کا شفا خانہ:

ذہن کی طاقت کے جسم پر اثر انداز ہونے کا اصول ثابت ہونے کے بعد امریکہ میں تیزی سے مائنڈ اینڈ باڈی کلینکس قائم ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ ان کا نعرہ ہے کہ مثبت اور منتخب خیالات آپ کو صحت یاب کر سکتے ہیں۔'' یہ معالجین دردِ سر سے لے کر کینسر تک کے علاج کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ بیشتر معالجین کے خیال میں یہ تحقیق اپنے ابتدائی مراحل میں ہے تاہم اس پر سب متفق ہیں کہ مستقبل میں اچھے امکانات موجود ہیں۔ ایک معروف ڈاکٹر نے سرجری اور پنسلین کے بعد ذہن کے جسم پر شفا بخش اثرات کی تحقیق کو دنیائے طب کی تیسری بڑی دریافت قرار دیا ہے۔

خیال کی قوت سے علاج کے معاملے میں سب سے زیادہ اتفاق رائے، بے خوابی، السر، دردِ شقیقہ، ہائی بلڈ پریشر اور نفسیاتی امراض کے علاج کے سلسلے میں ہیں۔

پُر امید ارتکازِ توجہ:

انگلینڈ کے ڈاکٹر ہربرٹ بینسن نے خیال کی قوت سے علاج کا اصول یہ بتایا کہ ''ڈٹ جاؤ یا بھاگ جاؤ'' وہ مریض کو پُرسکون ماحول میں بٹھا کر دس یا بیس منٹ تک ایک شفا بخش فقرے پر توجہ مرکوز کرنے کو کہتا ہے۔ چند دن کے بعد مریضوں کے غصے میں کمی آ جاتی ہے۔ ڈیپریشن ختم ہو جاتا ہے، وہ نہ تو مشتعل ہوتے ہیں نہ پریشان ہوتے ہیں۔ اس نے ہائی بلڈ پریشر پروگرام میں سکون بخش فقروں کے علاوہ ادویات کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔ معلوم ہوا کہ سکون بخش فقروں سے ۸۰ فیصد مریضوں میں یا تو خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے یا دواؤں کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔

دافعِ درد ارتکازِ توجہ:

مائنڈ اینڈ باڈی تھیراپی دافعِ درد کے طور پر بھی بڑی کامیاب مانی جاتی ہے۔ ہپناٹزم کے ذریعے درد کا احساس یکسر ختم کر دینے کی مثالیں موجود ہیں، یہاں تک کہ اسے سرجری کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ معالجین کے زیرِ اثر مریض تصور کر لیتا ہے کہ تکلیف دہ حصے کو سن کر دیا گیا ہے، اور آپریشن مکمل ہو جاتا ہے یا مریض سے کہا جاتا ہے کہ وہ ڈاکٹر کے نشتر کے بارے میں یوں سوچے جیسے اس کی جلد پر پنسل سے لائن کھینچی جا رہی ہے اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہونے پاتا۔

خود سے نفرت کے منفی اثرات:

مشاہدے میں آیا ہے کہ خود سے نفرت کا رجحان رکھنے والے ایڈز کے مریض تیزی سے اپنی حالت خراب کر لیتے ہیں جبکہ اپنی ذات سے محبت کرنے والے اور زندگی کا جذبہ رکھنے والے مریضوں میں مرض کے بڑھنے کی رفتار کم ہوتی ہے۔

ایک ۳۸ سال مریضہ کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک مہرہ پچک گیا، وہ طبی لحاظ سے لاعلاج قرار دے دی گئی لیکن مائنڈ اینڈ باڈی کلینک میں اس نے اپنے جسم کو مختلف طریقے سے حرکت دینا سیکھا اور پُر امید رویے نے بالآخر اسے شفایاب کر دیا۔

ناجائز استعمال کا خطرہ:

ماہرین پریشان ہیں کہ ان تحقیقات سے لالچی بدنیت اور کم علم لوگ ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے جو ذہن کی قوت سے شفا دینے کا ڈرامہ رچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف سے کچھ بے سروپا کتابیں بھی بازار میں آ چکی ہیں، اس لیے ان سے احتیاط لازم ہے۔

پی این آئی کے سائنسدان بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ ذہن اور جذبات کے جسم پر اثرات ابھی تک زیرِ مشاہدہ ہیں ان کی کوئی حتمی شکل فی الحال متعین نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً ایک ٹیومر کی وجہ ابھی جسمانی ہی سمجھی جاتی ہے۔ ہم دراصل اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ کیا

رویہ یا مرکزی نظام اعصاب ان نیومرز کے علاج کی رفتار پر مثبت یا منفی طریق پر اثر انداز ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو بلاشبہ ہمیں اس سے ہر ممکن مدد لینی چاہیے۔ بہر حال یہ بات ہر محقق کے نزدیک مسلم ہے کہ علاج کے عمل میں مثبت رویہ بلاشبہ اچھے نتائج پیدا کرتا ہے لیکن وہ ابھی اسے ادویات کا بدل قرار نہیں دیتے۔ ایک مددگار علاج کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

ذہنی علامات کی اہمیت:

ذہن و جسم میں ربط کی اس تحقیق نے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ پہلے ذہنی علامات کو صرف ہومیو پیتھک ڈاکٹرز ہی اہمیت دیا کرتے تھے، لیکن اب ایلو پیتھک ڈاکٹروں نے بھی ہر قسم کے مریضوں کی ذہنی علامات کیس ہسٹری میں تحریر کرنی شروع کر دی ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اب جسم اور ذہن کو پھر ایک اکائی تسلیم کر لیا جائے گا۔

اس تمام تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ اچھی اور تعمیری سوچ جسم کے تمام عوارض پر اچھے اثرات مرتب کرتی ہے اور دواؤں کے اثرات کو تیز تر کرتی ہے جس سے مریض جلد صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس مریضانہ سوچ رکھنے والے لوگ اپنے صحت مند جسم کو بھی مضمحل کر لیتے ہیں۔ (۴)

* * *

جادو جنات ٹونہ

سیر و سفر

حال ہی میں مغربی بنگال (بھارت) کے ضلع مالدہ کے ایک گاؤں سوکھنڈی میں ایک ہجوم نے پولیس کے سامنے چار عورتوں کو بڑی بے رحمی سے مار ڈالا۔ اتنا ہی نہیں بعد میں اسپتال کے ذمہ داران نے ان کی لاشوں کو اس حد تک مسخ کر دیا کہ ان کی لاشوں کی طلبی کا کوئی مطالبہ نہ کر سکے۔ اتفاق سے یہ چاروں عورتیں ایک ہی خاندان کی تھیں۔

گاؤں کے مکھیا نے ان عورتوں کی ڈائن اور جادوگرانی کی حیثیت سے نشاندہی کی تھی۔ مکھیا نے یہ کام ایک ایسے ساحر یا گنی کی مدد سے انجام دیا جو بھوت پریت کا علاج کیا کرتا تھا کیوں کہ مکھیا کو شبہ تھا کہ اس کے بھائی کی موت جادوگر کے جادو کرنے سے ہوئی ہے مگر طبی رپورٹ سے عقدہ کھلا کہ مکھیا کا بھائی شراب نوشی کے نتیجے میں کیٹرو کی بیماری سے مرا تھا اور اس کی موت میں ان بے قصور عورتوں یا کالا جادو کا ذرہ برابر ہاتھ نہیں تھا۔

جولائی ۱۹۹۲ء میں بھی بہار کے قبائلی ضلع سنگھ بھوم میں ۲۱ خواتین کو اس واہمہ کے تحت مار ڈالا گیا تھا۔ اس واقعہ سے چند ماہ قبل ریاست گجرات کے ضلع بڑودہ کے ایک گاؤں میں ایک دیہاتی گھریلو عورت کو ۷۵۰ سے زائد لوگوں کی ایک بھیڑ نے بری طرح مار مار کر ہلاک کر دیا تھا تعجب کی بات یہ ہے کہ آزادی نسواں کی کسی تنظیم نے ابھی تک ان جادوگر لاچار اور بے بس خواتین کے خلاف وقفہ وقفہ سے ہونے والے ان سنگدلانہ واقعات پر آواز نہیں اٹھائی۔ شاید انہیں قبائلیوں کے جذبات مجروح ہونے کا خدشہ ہے یا وہ اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھا کر قبائلیوں کی انتقامی کارروائی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی۔

آزادی نسواں کی زیادہ تر خواتین اور تنظیمیں نسبتاً کم مسائل جیسے بچوں کی شادیاں یا دو

زدجگی کے خلاف ہی آواز اٹھاتی ہیں تا کہ انہیں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہاں جادوٹونے کا علم کئی واہموں پر مبنی ہے اور اس کا بہت کچھ تعلق قبائلیوں کے سماجی نیز سیاسی حالات سے بھی ہے۔ لیکن ان واہموں کو کرم کانڈ کرنے والے اوجھا پروان چڑھاتے ہیں جس کے ذریعہ وہ آرام دہ زندگی گزارتے ہیں۔ جادوٹونے کے یہ معالجین یا گنی بیشتر مریضوں سے دس ہزار روپے یا اس سے زیادہ فیس وصول کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ جاہل اور گنواروں کی سوسائٹی میں ان کی بڑی قدر و منزلت اور آؤ بھگت ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جادوٹونے کی تشریح یا توضیح کس طرح کی جا سکتی ہے؟ سنتھالوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ چڑیلوں کا سایہ یا نظر بد پڑنے سے کسی کی بھی موت ہو سکتی ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ چڑیلیں بونگا دیوتاؤں سے جنسی تعلقات رکھتی ہیں جو لوگوں کی انتڑیوں چبا کر مار ڈالنے یا بیمار کرنے یا جسمانی طور پر لاغر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں: سنتھال ہو یا قبائلی جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو وہ اس کا سبب جادوٹونا ہی سمجھتے ہیں اور اس کے علاج کے لئے اسے اوجھا کے پاس لے جاتے ہیں۔ عموماً اوجھا کی خدمات اس وقت حاصل کی جاتی ہے جب مریض دو چار دن کے اندر اچھا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے ہاں کہنے پر گاؤں کا مکھیا اور اس گاؤں کے دو اوجھوں کی منظوری لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد ڈائن عورت کی نشاندہی کی جاتی ہے شناخت کے کام میں ''گنی'' یا جان اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں گنی کے فیصلہ کے کوئی مخالفت یا چیلنج نہیں کر سکتا۔ او جی بوڈنگ کے بقول جو سنتھالوں کی زندگی پر بہت کام کر چکے ہیں۔ تمام گنی پرلے درجے کے بدمعاش ہوتے ہیں ان لوگوں نے جاسوسی کا ایک وسیع جال بن رکھا ہے جس کے ذریعہ وہ ہر ایک بیمار کی خبر رکھتے ہیں تا کہ وہ جس کا چاہیں اعلانیہ طور پر ملامت کا نشانہ بنا پائیں۔ یہ لوگ متعدد جرائم اور غلط کاموں میں ملوث ہیں۔ ڈائن یا جادوگر قرار دی جانے والی عورت کو مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ایسی عورت کو سب سے پہلے گھر سے انتہائی حیوانی طریقے سے باہر گھسیٹا جاتا ہے۔ اور پھر بھیڑ کے سامنے مار ڈالا جاتا ہے اور جو لوگ اس درندگی میں حصہ

لینے یا دیکھنے سے انکار کرتے ہیں ان کا حشر بھی انہیں عورتوں کی طرح کیا جاتا ہے رنالدہ ضلع میں اس طرح کا واقعہ حال ہی میں پیش آیا۔ جب دو دیہاتیوں نے قتل عام کے مذکورہ واقعہ میں شامل ہونے سے انکار کیا تو انہیں مار ڈالا گیا۔

برطانوی دور میں ستی کی رسم کا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن انگریز عورتوں کے خلاف اس ظالمانہ رسم کو روکنے میں ناکام رہے۔ اس سلسلہ میں پرگنہ ضلع کے ایک سابق اسسٹنٹ کمشنر نے ایک نرالا طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ کذب شناس کے طور پر ایک طاقتور بیٹری کا استعمال کر کے الزام لگانے والے گنی کو اس وقت تک بجلی کے جھٹکے دیتا جب تک کہ وہ بے قصوروں پر عائد الزامات واپس نہ لے لیں۔ جبکہ الزام عائد کرنے والی عورت کو گنیوں کو جھٹکا دینے کے بجائے اس بیٹری کے تاروں کو پکڑنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ جس کے تار خفیہ طور پر منقطع کئے ہوتے تھے۔ لیکن یہ طریقہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔

جنوبی بہار اور مغربی بنگال میں جادوٹونا کے عمل اور سزائے موت دینے کی روایت کو عوام کے ایک وسیع طبقہ میں عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم ان دونوں ریاستوں میں آباد سنتھال اور ''ہو'' قبائل میں سزائے موت دینے کے واقعات عام ہیں۔ اس سے ستم ظریفی ہی کہا جائے گا کہ زیادہ تر خوش حال قبائلی ہی اس ظالمانہ رسم پر عمل پیرا ہیں۔ ایک ادیب کے مطابق قبائلی عورتیں وراثت میں برابر کی حقدار ہیں اور شادی کے لئے دولہا سے بھاری رقم حاصل کرنے کی مجاز ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے بیشتر عورتیں اور نوجوان بیوائیں بڑی تعداد میں جادوٹونے کے معالجین کا نرم چارہ بنتی ہیں اور انہیں بدترین غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اس غیر انسانی رسم کے بارے میں انیسویں صدی کے ایک مصنف مسٹر بوڈنگ کہتے ہیں ڈائن عورتوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سنتھال دھرم کا ایک مخصوص حصہ ہے جو بنیادی طور پر مردوں کے غلبہ والا دھرم ہے۔ کیونکہ ان قبائل میں خواتین کو اپنے طور پر کسی دیوی دیوتا کی پوجا کرنے اور نہ ہی مندر جانے کی اجازت ہے۔ لہٰذا یہ

سب کام مرد انجام دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی جس میں مرد طبقہ کو صنف نازک پر اور صنف نازک کو مرد طبقہ پر اعتماد نہیں۔

اب صنف نازک یہ چاہتی ہے کہ اسے بھی مردوں کی طرح نیکی و بدی کے معاملہ میں دیوی دیوتاؤں سے راست تعلق قائم کرنے کا موقع ملے۔ لیکن ان قبائل کی عورتیں مذہبی فرائض کھلے عام یا مردوں کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دے سکتیں۔ چنانچہ وہ یہ فریضہ چھپ کر انجام دیتی ہیں۔ میں یہ بات یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔ مگر میں کہنے پر مجبور ہوں کہ جادو ٹونے کی توضیح اس امر میں پنہاں ہے۔ یہ دراصل دھارک فرائض کو خفیہ طور پر انجام دینے کی رسم ہے تاہم بہت سے پوشیدہ کاموں کی طرح اس کا بھی غلط رخ اختیار کرنا بعید از امکان نہیں ہے۔

بہر حال اس کی کوئی بھی وجہ ہو، لیکن عورتوں کو مار ڈالنے کی یہ ظالمانہ رسم دیہی علاقوں میں بے روک ٹوک جاری ہے۔ ممکن ہے اس رسم کے پیروکار معدودے چند ہو مگر عوام کا ایک بڑا طبقہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مافوق الفطرت قوتوں کا تعلق عورت سے ہے اور جب تک اس طرح کے توہم پرستانہ خیالات کے خلاف پڑھا لکھا طبقہ آواز نہیں اٹھائے گا تب تک یہ بے بس عورتیں مردوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی رہیں گی۔ اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صرف قانون سازی سے ہی اس کا تدارک نہیں ہونے والا ہے۔ (۵)

* * * * *

مجذوب عجائبات زندگی

سیر و سفر

عجائبات زندگی کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ بعض واقعات کی آدمی توجیہہ کر لیتا ہے لیکن بعض کی توجیہہ کوشش کے باوجود ممکن نہیں ہوتی۔

عجیب و غریب واقعات صرف مشرق ہی میں نہیں ترقی پسند عقل پرست مغرب میں بھی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعات اس لئے محیر العقول معلوم ہوتے ہیں کہ ان کی رپورٹنگ درست نہیں ہوتی۔ مثلاً چند روز قبل اخبارات میں خبر آئی تھی کہ ایک صاحب حج پر گئے۔ ان کے بعد ان کے مکان کے ایک خالی کمرے کو استعمال میں لانا شروع کر دیا گیا، حالانکہ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو منع کر رکھا تھا کہ اسے ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ اس پر اچانک اہل مکان پر روڑے پتھر کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ وہ روڑے پتھر کسی کو لگتے نہیں تھے۔ اخبار کے مطابق اس واقع کو سینکڑوں لوگوں نے بچشم خود دیکھا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی فنکاری کے ساتھ شرارت کر رہا تھا یا لوگوں نے ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے کچھ کا کچھ دیکھا یا اس کی رپورٹنگ غلط ہوئی۔

چند روز ہوئے اسی طرح کا ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ یہ واقعہ گوجرانوالہ کا ہے۔ خبر کے مطابق گوجرانوالہ ضلع کچہری کی کنٹین کا مالک تلا پہلوان ضلع کچہری میں پڑے رہنے والے ایک مجذوب کو اکثر گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ مجذوب تلا پہلوان کی کنٹین پر آیا اور اسے ایک بسکٹ کھانے کے لئے دیا۔ تلا پہلوان نے مجذوب کا ہاتھ حقارت سے جھٹکتے ہوئے اسے گالیاں دینے لگا۔ اس پر مجذوب نے کہا۔ تیری زندگی کے دو منٹ باقی رہ گئے ہیں تو گالیاں کیوں دے رہا ہے۔

یہ کہہ کر مجذوب چند قدم ہی دور گیا ہو گا کہ تلا پہلوان اچانک گر پڑا۔ لوگ اسے اٹھانے کے لئے بڑھے تو دیکھا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

اب لوگ اس مجذوب کی تلاش میں دوڑ پڑے لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ایسے واقعات کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے؟ یہ مشرق کے واقعات ہیں لیکن اس سے بھی دلچسپ تر واقعات مغرب کی روایات میں ملتے ہیں۔

ایک انگریز کپتان سیسل جنگ عظیم اول کا ایک واقعہ لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے ایک دن جرمن اور برطانوی محاذ دونوں پر اچانک خاموش چھا گئی۔ ہر شخص مبہوت تھا کہ جنگ ایکا ایکی بند کیونکر ہو گئی۔ اس زمانے میں فوجیں آمنے سامنے مورچوں میں بیٹھ کر لڑا کرتی تھیں۔ دونوں محاذوں کے سپاہیوں نے گردنیں اٹھا کر جھانکنا شروع کر دیا۔ دونوں جانب سپاہیوں نے دیکھا کہ محاذوں کے درمیان چار پانچ انسان نما لیکن انسان سے کہیں قد آور ہستیاں کھڑی ہیں۔ یہ ہستیاں ہوا میں معلق تھیں اور ان کے سفید لباس آفتاب کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ ان کی پشت برطانوی محاذ کی جانب لیکن چہرے جرمن محاذ کی جانب تھے۔ ان کے ہاتھ اس طرح بلند تھے گویا وہ دشمنوں سے کہہ رہے ہوں کہ بس آگے مت بڑھو۔ اور اس کے ساتھ ہی جرمن جو یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔

سیسل برطانوی افسر تھا اس لئے اس کی کہانی اپنی حمایت میں تھی۔ لیکن اس نے وقعہ تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ جو کچھ بیان کر رہا ہے من وعن اور بلا مبالغہ ہے۔

کپتان سیسل ایک اور واقعہ بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ۱۹۱۸ء کے ایک دن یہ بھی جنگ عظیم اول کا واقعہ ہے جرمن توپوں نے دفعتاً آگ اگلنا بند کر دی۔ اس پر برطانوی فوج کا حوصلہ بڑھا اور اس کے سپاہی جرمنوں پر پل پڑے۔ گرفتار شدہ جرمن سپاہیوں میں سے ایک سے جب پوچھا گیا کہ انہوں نے گولہ باری اچانک کیوں بند کر دی تھی تو اس نے بتایا کہ ہم نے بادلوں میں سے سفید گھوڑوں پر سوار سفید پوشوں کو اپنے محاذ کی جانب آتے دیکھا تھا۔ ہم نے اپنی بندوقوں کا رخ ان کی جانب کر دیا لیکن ان پر کوئی گولہ اثر ہی نہ کرتی تھی اور

وہ بغیر ٹھٹکے چلے آئے۔ اس پر ہم نے دہشت زدہ ہو کر فائرنگ اور گولہ باری بند کر دی۔

کپتان سیسل کی یہ تحریر غیر منقسم ہندوستان کے مشہور انگریزی روزنامے اسٹیٹین کلکتہ میں ۳۰۔ اگست ۱۹۴۰ء کو شائع ہوئی تھی۔

ہم نے یہ واقعات بھوت پریت آسیب یا مخفی روحانی نظام کو ثابت کرنے کے لئے نہیں بیان کئے ہیں بلکہ ان کا مقصد زندگی کے عجائبات کی ایک سیر کرنا تھی۔ یہ حقیقت میں ہو یا تخیل میں ایک انسانی ضرورت ہے۔ انسان روزمرہ معمول کی زندگی دیکھتے دیکھتے اکتا جاتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی نئی چیز ہو واقعہ میں نہ ہو تو تخیل میں ہو لیکن معمول سے ہٹ کر ہو۔ (٦)

* * *

پوشیدہ انسانی قوتیں

انسان بظاہر خاک کا پتلا ہے لیکن یہی خاکی اپنی باطنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہفت افلاک کی خبر لاتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں میرا خاندان مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے پاکستان آیا۔ کم سنی کے باعث مجھے ہجرت کے الم انگیز واقعات یاد نہیں مگر مجھے قدرتی طور پر انہیں جاننے سے بے حد دلچسپی تھی۔ اسی لئے میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے کرید کرید کر ایک عرصہ تک واقعات سنتا رہا۔ ایک بار میرے چچا نے گاؤں پر سکھوں کے حملے خونریزی اور لوٹ مار کی دردناک تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا۔

ہمارے گاؤں میں قرب و جوار کے دیہات سے بھی کثیر تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے صحت مند اور جوان عمر کے مسلمانوں نے اپنے دفاع کی تربیت حاصل کرنا شروع کر دی تاکہ بلوائیوں کا بے دریغ خون بہایا۔ ہم نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر وہ تعداد اور اسلحہ میں ہم سے بڑھ کر تھے، اس لئے غالب رہے۔

سکھوں کے حملے سے پہلے میں داد اور چنبل کے باعث شدید اذیت میں مبتلا تھا مگر جب حملہ ہوا تو مجھے اپنی یہ اذیت یکسر بھول گئی اور میں بھی برچھا لے کر سکھوں سے نبرد آزما مسلمانوں کی ٹولی میں شریک ہو گیا۔ میں کئی گھنٹے ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا اور اس دوران مجھے اپنی ٹانگوں پر چنبل کے زخموں کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوا۔ جوں جوں رات تاریک ہوتی گئی لڑائی کی شدت میں آہستہ آہستہ کمی آتی گئی۔ اسی رات ہم گھپ اندھیرے میں گاؤں سے نکل کھڑے ہوئے، کئی میل دور جا کر مہاجرین کے ایک قافلے میں شامل ہوئے اور چند روز کی مسافت طے کرنے کے بعد لاہور والٹن کے مہاجر کیمپ میں پہنچے۔

میرے چچا کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی اس قسم کی آزمائش اور ابتلا کی آپ

بیتیاں سنائیں۔ سب میں ایک بات مشترک تھی کہ جب زیادہ بڑا مسئلہ سامنے آیا تو وہ اپنے معمولی عوارض اور مصائب یکسر بھول گئے تھے۔ امریکہ میں ۱۹۶۳ء میں آفات و حوادث کی تحقیق کے لئے ایک ادارہ Disaster Research Centre قائم کیا گیا جس نے انسان پر ٹوٹنے والی اکثر آفات کا جائزہ لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ غیر معمولی مسائل و مصائب کے مواقع انسان میں بعض ایسی نئی قوتیں بیدار کرتے ہیں جن کی اپنی نوعیت بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر ۱۹۶۱ء میں ٹیکساس میں ایک ہولناک سمندری طوفان آیا جس کی پیشگی اطلاع چار روز قبل دے دی گئی مگر اس علاقے کی نصف سے زائد آبادی نے اپنا گھر چھوڑنے اور محفوظ مقامات کے لئے نقل مکانی سے انکار کر دیا۔ ۱۹۷۱ء میں کیلی فورنیا میں زلزلے سے ایک بڑے ڈیم کے خطرناک حد تک کمزور ہونے سے ستر ہزار کی آبادی کے لئے سنگین خطرہ پیدا ہو گیا، مگر اس نازک حالت میں بھی نقل مکانی کرنے والے لوگوں کی تعداد صرف سات فیصد تھی۔

آپ نے بھی اپنی زندگی میں کئی حادثات دیکھے ہوں گے اور یقیناً یہ بات آپ کے مشاہدے میں آئی ہو گی کہ حادثات کا شکار ہونے والوں کی اکثریت امید کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔

متذکرہ جائزے کے دوران ٹیکساس کے دو شہروں میں طوفان کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونے والوں لوگوں سے جب مستقبل سے وابستہ ان کی امیدوں کے بارے میں پوچھا گیا تو صرف دس فیصد لوگوں نے خدشات مشکوک و شبہات اور اندیشوں کا ذکر کیا باقی تمام لوگ تباہی کے باوجود اپنے مستقبل کے بارے میں پر امید تھے۔

تحقیقی ادارے نے طویل جائزے کے بعد جو نتائج اخذ کیے انہیں اجمالاً ان الفاظ میں بیان کیا "واقعات کے مطالعے اور مشاہدے سے معلوم ہوا کہ انسان مصائب کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر اپنے اعصاب پر قابو رکھتا ہے۔ آزمائش کے وقت انسان جس

قدر اعلیٰ عزم کا اظہار کرتا ہے اس کے پیش نظر اسے خوفزدہ فرد کہنے کے بجائے 'ہیرو' قرار دیا جانا چاہیے۔''

ہمارے ایک دوست نے انتخاب میں شکست کے بعد اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ''میں اپنی شکست کو شکست کے بجائے آئندہ انتخابات میں یقینی فتح کی بنیاد سمجھتا ہوں۔''

مولانا وحیدالدین خان اپنے ایک مختصر مضمون میں لکھتے ہیں ''مادے کی آخری اکائی ایٹم ہے، جس طرح سماج کی آخری اکائی فرد ہوتا ہے۔ اگر ہم ایٹم کو توڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ ایک نئی اور زیادہ بڑی قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کا نام جوہری توانائی ہے۔ مادہ منجمد توانائی ہے اور توانائی منتشر مادہ۔ مادہ اپنی ابتدائی شکل میں محدود قوت رکھتا ہے لیکن جب اس کے ایٹموں کو توڑ کر جوہری توانائی میں تبدیل کر دیا جائے تو اس کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔

''مادی قوت اور جوہری قوت میں فرق کا اندازہ اس سے کیجئے کہ دو ٹن کوئلہ ایک ریل گاڑی کو ستر میل تک لے جاتا ہے جبکہ نو گیلن کیروسین آئل ایک موڑ کو پانچ سو میل تک چلانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب بارہ پونڈ یورینیم کو جوہری توانائی میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ایک تیز رفتار راکٹ کو دو لاکھ چالیس ہزار میل کا سفر طے کرا سکے۔ ایسا ہی معاملہ اس سماجی اکائی کا ہے جسے انسان کہتے ہیں۔ انسان جب ٹوٹتا ہے تو وہ بے پناہ حد تک وسیع ہو جاتا ہے۔ جس طرح مادہ ٹوٹنے سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی قوت بڑھا لیتا ہے اس طرح انسان کی ہستی جب شکست سے دوچار ہوتی ہے تو وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ سے شدید تر طاقت حاصل کر لیتی ہے۔

''انسان پر شکست کا حادثہ گزرنا اس کے تمام اندرونی تاروں کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔ حادثے کے بعد اس کے تمام احساسات جاگ اٹھتے ہیں اور اس کی چھپی ہوئی طاقتیں اپنی ناکامی کی تلافی کے لئے حرکت میں آ جاتی ہیں۔ اس کے عزم و ارادہ کو مہمیز لگتی ہے۔ اس

میں ہاری ہوئی بازی کو دوبارہ جیتنے کا وہ بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو سیل رواں کی طرح آگے بڑھتا ہے۔ اسے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا حتی کہ پتھریلی چٹانوں کے بس میں بھی نہیں۔

''مادے کے اندر ایٹمی سرجوش (Atomic Explosion) اسے بہت طاقتور بنا دیتا ہے، ٹھیک اسی طرح انسانی شخصیت کے اندر بھی بے پناہ امکانات چھپے ہوئے ہیں جو اس وقت بروئے کار آتے ہیں جب انسانی شخصیت کسی آفت ناگہاں سے دوچار ہو جائے یعنی اس پر کوئی ایسا حادثہ گزرے جو اس کی شخصیت کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

''آپ لکڑی کو توڑیں تو وہ ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے گی اور اس کا ٹوٹنا ہمیشہ کے لئے ٹوٹنا بن جائے گا۔ لکڑی دوبارہ اپنے وجود کو پہلے کی طرح ایک نہیں بنا سکتی مگر زندہ چیزوں کا مطالعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ زندہ چیز ٹوٹنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ ایک زندہ بدلو (امیبا) جب ٹوٹتا ہے تو دو زندہ بدلو وجود میں آتے ہیں۔

''دنیا میں اس طرح کے واقعات خدا کی عظیم نشانی ہیں جو بتاتے ہیں کہ ایک زندہ انسان کے لئے خدا نے اس دنیا میں کتنا بڑا امکان چھپا رکھا ہے، یہ امکان کہ اس کی کوئی بھی شکست آخری شکست نہ بنے، کوئی بھی حادثہ اسے آخری طور پر ختم نہ کرنے پائے۔ ایک زندہ چیز یا ایک زندہ انسان کو کبھی توڑا نہیں جا سکتا، زندہ چیز اگر ٹوٹتی ہے تو اس کا ہر حصہ ایک نئے زندہ وجود کی شکل میں ابھرتا ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ عظیم بن جاتا ہے۔

''انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ ناکامی اسے فکری گہرائی عطا کرتی ہے۔ رکاوٹیں اس کے ذہن کے بند دروازے کھولتی ہیں۔ حالات اگر اس کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو اس کا ہر ٹکڑا دوبارہ نئی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی امکان نے دنیا میں انسان کو ابدی طور پر ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ زندہ ہو، ٹوٹنے کے بعد دوبارہ اپنی منتشر قوتوں کو مجتمع اور متحد کرنا جانتا ہو، بازی کھونے کے بعد وہ اپنا حوصلہ نہ کھوئے اور ایک کشتی ٹوٹنے کے بعد دوبارہ نئی کشتی کے ذریعے اپنا سفر شروع کر سکے۔''

شکست میں بھی شکستہ نہ ہونے والے ایک فرانسیسی صحافی جین ڈومینیک بوبی کے دم واپسیں کی پرعزم داستان مایوس انسانوں میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کا موجب بنتی ہے۔

۴۳ سالہ جین دو بچوں کا باپ اور ''ایلے'' (Elle) نامی جریدے کا مدیرِ اعلیٰ تھا۔ اسے ۸ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ایک حادثہ پیش آیا جس میں اس کا سارا جسم اپاہج ہو گیا، صرف بائیں آنکھ، زندہ، بچی۔ آنکھ کے علاوہ اس کا دماغ بھی کام کرتا رہا۔ اس نے ہسپتال میں اپنے قیام کے دوران انتہائی دلچسپ واقعات ایک کتاب کی شکل میں جمع کیے اور وہ اپنی ناشر کو اپنی واحد آنکھ کے اشاروں کی مدد سے اپنی تحریر املا کراتا رہا اور ہمت والی ناشرہ ایک ایک حرف اسے دوبارہ پڑھ کر سناتی رہی، یوں دی ڈیوانگ بیل اینڈ دی بٹرفلائی (The Diving Bell and the Butterfly) معرضِ وجود میں آ گئی جو یورپی ممالک میں اس سال سب سے زیادہ فروخت ہونے والی شاہکار کتاب (Best Seller) قرار پائی۔ (۷)

* * *

تبت کی روحانیات اور لاماؤں کی تربیت کے سربستہ راز

ہالہ

دھندلے موسم میں آپ کو کھمبے کی روشنی پر نظر ڈالنے کا اکثر موقع ملا ہو گا بلب کے گرد ایک ہالہ سا نظر آتا ہے۔ ایک دھندسی ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ کو بجلی کا ایک ایسا تار دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہو گا، جب میں سے بہت بڑی طاقت کی برقی رو گزر رہی ہو۔ اس میں سے بعض اوقات شعلہ سا لپکتا ہوا نظر آتا ہے۔ بجلی کے ٹرانسمیٹر کو قریب سے انہماک سے دیکھیں تو ایک نیلا سا شعلہ مسلسل نظر آتا ہے۔ انسانی ہالہ اس قسم کی چیز ہے۔ یہ زندگی کی اس طاقت کی ظاہری علامت ہے۔ جو کسی زندہ چیز کے اندر ہوتی ہے۔ آپ اسے زندگی کی لہر کہہ سکتے ہیں۔

ہر انسان کے جسم سے خاص قسم کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔ یہ شعاعیں انسانی جسم کی بناوٹ کے عین مطابق اس کے گرد ایک ہالہ بنائے رکھتی ہیں۔ اس ہالے کو ہر شخص نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک خاص قسم کی ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ چلہ کاٹنا پڑتا ہے۔ مشق کرنا پڑتی ہے۔ یہ ہالہ متعدد رنگوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور مختلف رنگوں کی کمی بیشی سے ماہر دیکھنے والا بآسانی بتا سکتا ہے کہ متعلقہ شخص کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔ وہ دھوکہ دے رہا ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ حکمتِ عملی سے کام لے رہا ہے۔ ایماندار ہے یا بددیانت بیمار آدمی کا ہالہ ایک مخصوص رنگ لیے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ رنگوں کی مزید تقسیم کینسر، تپدق اور دیگر بیماریوں کی بھی وضاحت کر دیتی ہے۔

ایک تبتی لامہ کی بچی، ہنگامہ خیز اور عجیب وغریب آپ بیتی

دریائے جہلم کی سرکش موجیں کبھی کبھی جہلم شہر میں داخل ہو جاتی تھیں۔ ایسے دنوں کا ذکر ہے کہ ایک بار میں سیرائی طبع کے لیے پانی میں سے گزر کر دریا کے کنارے چلا گیا تھا۔ وہاں تبت سے آئے ہوئے ایک کنبے کا مکان تھا۔ ان کے گھر کا صحن دو دو فٹ پانی میں ڈوبا

ہوا تھا اور ان کا سامان ایک بھاری تخت پوش پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے متفکر ہو کر اس کنبے کے ایک نوجوان عبدالرحمان سے پوچھا کہ ’’کیوں نہ اس سامان کو محفوظ جگہ پر لے چلیں؟‘‘ عبدالرحمان مسکرا کر بولا ’’کاش! تم میرا ہالہ پڑھ سکتے۔‘‘

اور جب میں نے ہالے کی تفصیلات جاننا چاہیں تو معلوم ہوا کہ یہ تبّتی علم ہے اور اس پر ایک تبّتی لامہ کی کچھ کتابیں اس کے پاس موجود ہیں، جو اس نے مجھے دے دی۔ چنانچہ گھر جا کر میں نے وہ کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ یہ اس کی آپ بیتی تھی۔

تبّتی لامہ نے لکھا تھا:

تبت پر جب غیر ملکی حملہ ہوا تو لاسا شہر کے معبدوں سے چیدہ چیدہ لاما سینکڑوں میل کا دشوار گزار اور کٹھن راستہ پیدل طے کر کے ان غاروں میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہ بزرگ لاما کائناتی ریکارڈ پڑھ لیتے تھے اور اسی کے ذریعے انہیں قبل از وقت واقعات کا علم ہو جاتا تھا۔ اب وہ ان غاروں میں آن بسے تھے، جن کا علم صرف انہی لاماؤں کو تھا، جو اسی زندگی میں عارضی طور پر اپنے مادی وجود سے الگ ہو کر کائناتی سفر پر نکلتے تھے یہ کائناتی سفر دراصل خواب کی طرح ہوتا تھا۔ ایک شخص جس کا جسم اس کے لیٹنے کی جگہ پر موجود رہتا ہے جبکہ وہ خود روحانی طور پر اس کائنات میں ادھر اُدھر گھومتا پھرتا ہے۔

مجھے لاماؤں کی یونیورسٹی چکپوری میں تربیت دی گئی تھی اور میں انسانی جسم کے گرد پھیلے ہوئے ہالے کو یوں دیکھ لیتا تھا، جیسے ہم کان آنکھ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور کائناتی اڑان کر لیتا تھا۔ اسی طرح بغیر گفتگو کیے، ٹیلی پیتھی یعنی اشراق کے ذریعے ہزاروں میل پر دوسرے لاماؤں کے ساتھ گفتگو کر لیتا تھا۔ مجھے طب اور ہوابازی کی تربیت بھی دی گئی تھی تا کہ میں دنیاوی کام بخوبی انجام دے سکوں۔

اب اعلیٰ پروہتوں نے مجھے مغربی دنیا میں بھیجا تھا کہ میں ہالے پر مزید تحقیقات کروں اور مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسا آلہ بناؤں۔ جو ایک عام ڈاکٹر کے لیے کارآمد ثابت ہو سکے اور وہ اس کی مدد سے کسی بھی مریض کے ہالے میں رنگوں کی کمی بیشی دیکھ کر

بیماریوں کی نشاندہی کر سکے۔

اس وقت میں کینیڈا میں تھا، جب میں نے اشراق کے ذریعے آنے والی آواز سنی، لوبا! مجھے نام لے کر پکارا گیا تھا۔ میں اٹھا اور اپنے قدیم ہیرے میں دیکھنے لگا۔ تبت کے قدیم غاروں میں مقیم اعلیٰ پروہت ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے حکم دے رہے تھے کہ میں اس موضوع پر کتاب لکھوں کہ انسان ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرا جسم اپنا سکتا ہے۔

مجھے یاد آ رہا تھا کہ کس طرح سے میں نے آسمانی اڑانوں کی تربیت حاصل کی تھی اور ایک بار استاد لاما ڈونڈپ کے ساتھ زہرہ سیارے کا رخ کیا۔ یہاں ہر چیز سرخ تھی۔ سرخ ریت سرخ سمندر، سرخ سورج...... وہاں ہمیں تین لمبے ستون نظر آئے۔ لاما ڈونڈپ نے بتایا کہ سیارہ زندگی کی آخری ہچکیاں لے رہا ہے اور اس کے انسان ان ستون نما عمارتوں میں ہیں۔ ہم ایک ستون کی بنیاد کی طرف بڑھے۔

ستون ایک خاص دھات سے بنا ہوا تھا۔ اس کا راستہ بند تھا لیکن ہم اس میں سے دھوئیں کی طرح گزر گئے۔ یہ راستہ ایک بہت بڑے ہال میں جا کر ختم ہوا۔ وہاں زہرہ کے نو باشندے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہمارا استقبال کیا۔ جس سے مجھے پتہ چلا کہ لامہ ڈونڈپ پہلے بھی یہاں آتا رہا ہے۔ ان بوڑھے باشندوں کے سردار نے بتایا کہ دنیا کی ہر شے کی عمر دو ارب ستر کروڑ دھڑکنیں ہے۔ ہمارا سیارہ یہ دھڑکنیں پوری کر چکا ہے۔ زمین پر کئی طرح کی مخلوق ہے۔ اس کے دل بھی اتنی بار ہی دھڑکتے ہیں۔ ہم یہ تعلیمات حاصل کر کے واپس اپنے جسموں میں پہنچ گئے۔

پروہتوں نے مجھے بتایا کہ مجھے مغربی دنیا میں جانا ہے اس لیے مجھے چنگنگ یونیورسٹی سے سرجری کی ڈگری لینا پڑی اور چینی ہوائی فوج میں شامل ہو کر جہاز اڑانے کی مہارت حاصل کرنا پڑی۔ ۷ جولائی ۱۹۳۷ء کو جاپان نے چین پر حملہ کر دیا اور میں اس جنگ میں جاپانیوں کے ہتے چڑھ گیا۔ میرے ڈاکٹر ہونے کی بنا پر میرے ساتھ نسبتاً بہتر سلوک ہوا۔ ۱۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا گیا اور میں اس افراتفری میں جاپانی بندرگاہ

سے فرار ہو گیا۔ میری کشتی روسی ساحل پر جا پہنچتی میں روسی سرحد عبور کرنے کے لئے جا رہا تھا کہ اچانک کچھ کتے میری طرف لپکے۔ یہ روسی فوج کے آدم خور کتے تھے۔ میں نے انہیں اشراق کے ذریعے قابو میں کر لیا۔ اس پر روسی فوجی میرے دوست بن گئے اور مجھے انہی کتوں کا نگران بنا دیا۔ وہاں میں نے بہت سے آدم خور کتوں پر قابو پایا اور انہوں نے خوش ہو کر مجھے وہاں سے جانے کی اجازت دے دی میں نے وہاں سے بذریعہ مال گاڑی جانا پسند کیا۔

میں مال گاڑی پر کسی نہ کسی طرح سوار ہو تو گیا مگر وہاں ایک اور مصیبت میرا انتظار کر رہی تھی۔ اپنی بنائی ہوئی چابی لگا کر جب میں ایک ڈبے میں داخل ہوا تو تین چار آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ خیر کسی نہ کسی طرح ان سے صلح ہو گئی۔ وہ لوگ بھی ماسکو جانا چاہتے تھے۔ ماسکو کے قریب ہم گاڑی سے اتر گئے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ کوئی کسی پر متوجہ نہیں تھا۔ حتیٰ کہ فاقہ زدہ لوگ گر کے مر جاتے تو کوئی انہیں نہ اٹھاتا۔ یہاں ایک ہوٹل میں مجھے چند سپاہیوں نے گھیر لیا۔ اور ایک وین میں بٹھا کر لے چلے۔ راستے میں ایک جگہ وین ایک حادثے کا شکار ہو گئی اور میری روح عالم ارواح میں لامہ ڈونڈپ کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے مجھے واپس دنیا میں جانے کا حکم دیا اور میں نے خود کو ایک ہسپتال میں پڑے پایا۔ بعدازاں روسی کمیونسٹوں نے مجھے ''لووہ'' کے مقام پر قید کر دیا۔ وہاں کے گورنر کو میں نے کسی نہ کسی طرح یقین دلا دیا کہ میں ان کا مجرم نہیں اور انہوں نے مجھے سرحد کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

آٹھویں دن میں ایک جیپ پر گارڈ کے ہمراہ وہاں سے نکل آیا۔ اس نے مجھے راستے میں اتار دیا اور میں نے ایک ٹرک والے سے لفٹ لے کر آسٹریا کا راستہ لیا۔ وہ شخص سمگلر معلوم ہوتا تھا۔ اٹلی میں اس نے مجھے ایک امریکی سے ملایا جس نے ایک مرسڈیز کار دے کر مجھے جرمنی پہنچانے کے لیے کہا۔ اپنی مصیبت کے پیش نظر میں نے ہامی بھر لی اور لے کر چل دیا۔ جرمنی سے مجھے ایک اور ڈرائیور مل گیا۔ جس نے مجھے پیرس پہنچا دیا اور میں ایک بحری جہاز کے کپتان سے بات کر کے بھرتی ہو گیا اور جہاز مجھے لے کر نیویارک کی طرف

چل دیا۔ اب جہاز ساحل کے قریب پہنچ چکا تھا۔

نیویارک میں میں نے ملازمت کے لیے کوشش کرنا چاہی۔ یہاں ایک بار پھر حادثے کا شکار ہو کر میں دوسری دنیا میں لامہ ڈونڈپ کے سامنے پیش ہوا۔ وہاں سے واپس آیا تو پتا چلا کہ میں اڑھائی ماہ ہسپتال میں رہا ہوں۔ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ایک جہاز پر ملازمت مل گئی اور میں اس میں سوار انگلستان آ پہنچا۔ یہاں کسٹم والوں نے میرے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا۔ میرا پاسپورٹ پھاڑ دیا گیا۔ اور مجھے واپس امریکا بھیج دیا گیا۔ وہاں ساحل پر پولیس کی گرفت میں آتے ہی میں نے پانی میں چھلانگ لگا دی اور لکڑی کے تیرتے ہوئے شہتیروں میں چھپتا ہوا ساحل پر آ نکلا......اب آگے پڑھئے۔

اس نے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے مجھے ٹرک میں بٹھا لیا اور ہم چار گھنٹے تک سفر کرتے رہے۔ راستے میں میں نے اسے سانس کی مختلف حیرت انگیز ورزشیں اور بدھ بھکشوؤں کے لوگ کے مختلف طریقے بتائے اور بتایا کہ کس طرح بند گنبدوں میں ایک راہب مر گیا تھا۔ ور اسکی لاش گاڑھے بدرنگ مواد کی صورت میں ڈھل گئی تھی اور پھر ہم نے کس طرح سے باہر نکالا......اب آگے پڑھئے۔

رات بہت گزر چکی تھی۔ یقیناً لاسکر تجربے کی بہت سی باتیں سن چکا تھا۔ میں بھی اب رات کے اس حصے میں دماغ پر مزید بوجھ ڈالنے کے موڈ میں نہ تھا۔ لاسکر میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے شب بخیر کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے ماحول میں سنہری روشنی پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ نیم خوابی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں اور میں سو گیا۔

ان حبشی کیلیۓ جن کے گھر میں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں گویا گہری نیند سو گیا تھا لیکن دراصل میں اپنا جسم اسی دنیا میں چھوڑ کر آسمانی اڑان پر روانہ ہو چکا تھا۔ دودھیا دھاگا میرے اور میرے جسم کے مابین رابطہ قائم رکھتے ہوئے تھا اور میں خیال سے بھی زیادہ رفتار پر اوپر اٹھ رہا تھا۔ نیچے نظر دوڑا کر میں نے دیکھا کہ میری میزبان حبشی عورتیں حیرانی سے منہ

کھولے چارپائی پر میرے خالی جسم کو دیکھ رہی تھیں۔

جسمانی بندھنوں سے آزاد ہو کر میں ان عورتوں کے ''رنگین ہالے'' زیادہ صاف اور واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ یہ کالے رنگ کے انسان دل کے کتنے اجلے تھے۔ جبکہ مغرب کے سفید فام لوگوں نے سوائے دکھ تکلیف، دھوکہ اور فریب کے اور مجھے کچھ نہ دیا تھا۔ میرا وہ روپیہ جو میں نے تن من مار کر، انتہائی تکلیفیں برداشت کر کے اکٹھا کیا تھا تکیے کے نیچے محفوظ پڑا تھا۔ یہ امانت ان کالے لوگوں کے پاس جس قدر محفوظ تھی۔ شاید یہ مغرب کے کسی بنک میں بھی اتنی محفوظ نہ تھی۔

زمان و مکان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے، ایک کے بعد دوسری آسمانی سطح عبور کرتے ہوئے میں اوپر ہی اوپر چلتا گیا۔ یہاں تک کہ میں اس سنہری روشنی والے دیس میں پہنچ گیا جہاں میرا راہبر لامہ ڈونڈپ میرا انتظار کر رہا تھا۔ مسکرا کر میرا استقبال کرتے ہوئے لامہ ڈونڈپ بولا۔

''لوبا...... تم نے جتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہیں وہ سب دنیاوی لوگ ہماری نظر میں ہیں جنہوں نے تمہیں بہت تنگ کیا اور ابھی اور بھی تنگ کریں گے۔ لیکن اس وقت تمہیں یہاں اس لیے بلایا گیا ہے کہ تمہارے مستقبل کا منصوبہ تمہاری موجودگی میں بنایا جائے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ تمہارا مادی جسم عام دنیاوی عمر کے لحاظ سے اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہے تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ جسم اب سے بہت پہلے جواب دے گیا ہوتا۔ اتنے چرکے لگے ہیں اس کو۔ اتنے صدمے اٹھائے ہیں اس نے کہ اس جسم کے ساتھ اب تم زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتے لیکن ابھی کام بہت باقی ہے۔ ہم نے جو کام تم سے لینا ہے۔ جو انوکھا تجربہ کرنا ہے۔ اس کے لیے یہ جسم بہت لاغر و بیکار ہے۔

ظاہر ہے اس تجربے کی کامیابی کے لئے تمہیں دنیا میں اپنا جسم بدلنا پڑے گا۔ ہالے پر تحقیقات کو مزید تیز کرنے کے لئے ہمیں لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ ابھی تو یہ حال ہے کہ اہل زمین کے سامنے ہالے کا نام لیا جائے تو انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہم ایک ایسے خوبصورت دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے، جس کے پانی کی چمک زندگی سے بھرپور تھی۔ اردگرد ایسے خوشنما باغ تھے کہ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ ہوا میں گویا زندگی رقصاں تھی۔ دور تبّتی لباس میں لوگوں کا ایک گروہ ہماری طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ لامہ ڈونڈپ میری طرف دیکھ کر مسکرایا یہ لوگ نزدیک پہنچے تو میں نے ان میں سے اکثر کو پہچان لیا یہ لوگ چکپوری میں بزرگ و برتر اساتذہ تھے۔ ان میں سے ایک بولا'' آیئے کہیں آرام سے بیٹھیں۔''

ہم ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے جس کی دیواریں ہیروں کی بنی ہوئی تھیں، جو ہر لحظہ اپنے رنگ بدل رہے تھے۔ فرش بظاہر پتھریلا لیکن گدوں کی طرح نرم تھا۔ ہم سب آلتی پالتی مار کر فرش پر بیٹھ گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تبت میں بیٹھتے تھے۔ اگرچہ میں بہت مطمئن اور پرسکون تھا لیکن یہ خیال کانٹے کی طرح دل میں چبھ رہا تھا کہ جب تک دودھیا دھاگے کا رشتہ قائم ہے۔ مجھے زمین پر واپس جانا ہوگا۔ اس محفل میں جو سب سے برتر پروہت تھا۔ مجھ سے مخاطب ہوا ہم یہاں سے وہ سب کچھ دیکھتے رہے ہیں جو تمہیں دنیا میں پیش آتا رہا ہے ہم تمہاری یہ غلط فہمی فوراً نکال دینا چاہتے ہیں کہ یہ سب مصائب و آلام تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ تم ہمارے مطالعے و تجربات کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہو۔ تمہیں اس کے بہت بڑے انعامات ملیں گے لیکن ابھی نہیں۔ کچھ مزید انتظار کرو...... میں جانتا ہوں کہ میری اس بات سے تمہاری تکلیفیں کم نہیں ہوں گی لیکن ابھی کچھ تجربات باقی ہیں۔ تمہارا موجودہ جسم اپنی طبعی عمر گزار چکا ہے اور عنقریب ناکارہ ہو جائے گا۔

''ہم نے ملک انگلستان میں ایک ایسے شخص سے رابطہ قائم کیا ہے جو اپنی دنیاوی زندگی جلد سے جلد ختم کرنے کے درپے ہے۔ ہم اس سے معاملات طے کرنے کے لیے اسے یہاں لائے تھے۔ وہ جلد سے جلد اپنا جسم چھوڑنا چاہتا ہے اور یہ طے ہو گیا ہے کہ ہم اسے جو ہدایات دیں گے وہ اس پر عمل کرے گا۔ ہمارے کہنے پر سب سے پہلے اس نے نام

بدل کر تمہارا نام رکھ لیا ہے۔ اس شخص نے بڑی غیر مطمئن زندگی گزاری ہے۔ کبھی خوش نہیں رہا اپنے رشتہ داروں سے وہ بہت پہلے قطع تعلق کر چکا ہے...... دوست اس نے کبھی بنائے ہی نہیں۔ ایسے غیر مطمئن لوگ دنیا میں اور بھی بیشمار ہیں لیکن ہم نے بڑی چھان پھٹک کر کے یہ ایسا آدمی تلاش کیا ہے جو عادات واطوار اور مزاج کے لحاظ سے تم سے بہت مشابہ ہے۔

"فی الحال ہم تمہیں اس کے متعلق زیادہ نہیں بتاتے کیونکہ اس کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں اس کی گزشتہ زندگی کی بہت سی جھلکیاں دکھائی جائیں گی۔ لیکن فی الحال تمہارے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے تم اپنے مادی جسم کو تبت پہنچاؤ جہاں اسے مرنے کے بعد محفوظ کر لیا جائے گا۔ تم نے اپنی جدوجہد اور قربانیوں سے خاصی رقم اکٹھی کر لی ہوئی ہے لیکن یہ تمہارے تبت تک کے اخراجات کے لئے کافی نہیں ہو گی بقایا رقم کا انتظام کر دیا گیا ہے اور اب تم واپس جا سکتے ہو۔"

مجھے اپنے گرد گلابی سی روشنی کا ہالہ بنا ہوا نظر آیا۔ کانوں میں گھنٹیاں بجنے کی آواز آئی اور میں سمجھ گیا کہ مجھے اب پھر دنیا کے دوزخ میں واپس جاتا ہے جہاں کے باسیوں کی کڑوی اور زہریلی زبانوں نے حشر برپا کر رکھا ہے۔

میری آنکھ ابھی پوری طرح کھلی نہ تھی کہ ایک کرسی کھسکنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی کسی نے سرگوشی میں کہا...... اٹھ گیا...... جاگ گیا۔

میری آنکھ کھلی تو لاسکر میری طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مسکراہٹ کی جگہ احترام نے لے لی تھی اور وہ کسی قدر خوفزدہ تھی تھا۔ دونوں عورتوں نے سراسیمگی میں سینے پر صلیب کا نشان بنایا تو میں نے پوچھا "کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟"

لاسکر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا "ہم نے عجیب وغریب چیز دیکھی۔"

"تو کیا میں تمہارے لئے کسی الجھن کا باعث بنا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

ان میں سے ایک عورت بولی "نہیں آقا۔ آپ ہمارے لئے مسرت واطمینان لائے ہیں۔"

میں نے تکیے کے نیچے پڑے ہوئے روپے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں

آپ لوگوں کو تحفہ دیتا ہوں۔"

لاسکر قدرے گھبرا کر بولا "ہم غریب ضرور ہیں لیکن ہم آپ سے کوئی رقم نہیں لیں گے جب تک آپ اپنے مشن پر روانہ نہ ہو جائیں ہمارے ہی گھر میں قدم رنجہ فرمائیے گا۔ ہمیں یہ یہ اعزاز بخشیے گا۔ ہمیں کچھ اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

میں نے کہا "لیکن مجھے آپ کا شکریہ تو ادا کرنا ہے۔ میں آپ کا ممنون احسان ہوں۔ آپ لوگ میری مدد نہ کرتے تو میں مر چکا ہوتا۔"

عورت مسکرا کر بولی اور مرکز عظیم بلندیوں کو چھو چکے ہوتے آقا آپ ہمیں روپے سے بھی زیادہ قیمتی تحفہ دے سکتے ہیں۔ ہمیں دعا مانگنی سکھائیے......

مجھے ان کی بات پر ایک ایک لمحے کے لیے حیرانی ہوئی لیکن جلد ہی سنبھل کر بولا "ہاں ہاں، مجھے جس طرح دعا مانگنی سکھائی گئی میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں۔"

دوسرے مذہبوں میں دعا کی اہمیت:

تمام مذاہب میں دعا کی اہمیت اور طاقت کو تسلیم تو کیا جاتا ہے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جنہیں دعا کا صحیح طریقہ آتا ہے اور اکثر لوگ اس بات سے الجھن محسوس کرتے ہیں کہ کسی کی دعا قبول ہوتی ہے، کسی کی نہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دعا کوئی پراسرار چیز نہیں، نہ ہی یہ کوئی ایسی چیز ہے جس پر کسی خاص قسم کے لوگوں کی اجارہ داری ہو۔ دعا ایک سادہ سی صاف ستھری چیز ہے۔ جب اسے صحیح طریقے پر استعمال کیا جائے تو اس سے عظیم طاقت دنیا میں اور کوئی موجود ہی نہیں۔

دنیا کے اکثر مذہب کے پیروکار اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ ہر شخص کے ساتھ اس کا ہمزاد موجود ہوتا ہے جو اس کی ہر ممکنہ حد تک دیکھ بھال کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے جو اس دنیا میں اپنے ہمزاد کو دیکھ سکتے ہیں اور جو دیکھ سکتے ہیں وہ اس کی تفصیلات بھی بیان کر سکتے ہیں۔

ہمزاد کا اس دنیا میں کوئی مادی وجود نہیں ہوتا۔ یہ ایک جناتی سایہ ہوتا ہے۔ جو انتر

جامی کے ماہرین کو بعض اوقات لرزتے ہوئے نیلے رنگ کے ہیولے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ عام جسمانی سائز سے بڑا ہوتا ہے اور ہمارے جسم سے اس کا تعلق ایک دودھیا دھاگے سے قائم ہوتا ہے۔ جب اس ہیولے اور عام جسم میں اشراق کے ذریعے پیغامات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ تو یہ دھاگا زیادہ چمکدار ہو جاتا ہے اور دل کی طرح دھڑکتا ہے، جیسے اس کے اندر نبض چل رہی ہو۔

اگرچہ ہمزاد کا جسم ہمارے جیسا نہیں ہوتا پھر بھی یہ نہ صرف وہ تمام کام کر سکتا ہے جو ہمارا عام جسم کرتا ہے بلکہ بہت سے ایسے کام بھی کر سکتا ہے جو ہمارا مادی جسم نہیں کر سکتا۔ مثلاً ہمزاد دنیا کے کسی بھی حصے میں پلک جھپکتے میں جا سکتا ہے۔ آسمانی اڑان ہمزاد ہی اڑتا ہے۔ منصور نے جو انا الحق کہا تھا تو وہ اس چیز کی ایک جھلک تھی کہ ہمارے اندر خدا ہی بولتا ہے۔ آدم کے پتلے کے اندر خدا نے اپنی ہی روح پھونکی تھی۔ گویا جب ہم دعا کرتے ہیں تو اپنے ہی آپ سے کرتے ہیں۔ ہمزاد جو اپنے ہی وجود کا ایک دوسرا حصہ ہے دعا کی قبولیت یا نامقبولیت میں اہم کام کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ دعا مانگنی آتی ہو۔

''دعا میں ہم جو کچھ بھی کہتے ہیں، جو کچھ بھی مانگتے ہیں۔ جو بھی خواہش کرتے ہیں۔ وہ پیغامات میں ڈھل کر دودھیائی دھاگے کے ذریعے ہمزاد کو پہنچ جاتے ہیں۔ آپ اسے ایک بہت اعلےٰ قسم کی ٹیلیفون لائن سمجھ لیں۔ چنانچہ دعا میں جو کچھ کہنا ہو بالکل صاف صاف واضح طور پر کہا جائے اور دعا کرنے سے پہلے آپ کا ذہن اس بارے میں بالکل صاف ہو جائے۔ کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ نقص دعا کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں نہیں ہے بلکہ نقص ہماری اس تکنیک میں ہوتا ہے جو ہم دعا مانگنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

دعا ہمیشہ مثبت ہونی چاہیے۔ منفی نہیں جب آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ نے دعا کا خاکہ ذہن میں بنا لیا ہے اور الفاظ و معانی میں کسی قسم کی غلط فہمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے تو دعا کو تین بار دہرائیں میں ایک مثال دیتا ہوں۔ فرض کریں کوئی شخص بیمار ہے اور آپ اس کے لیے دعا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے ذہن میں وہ الفاظ بنا لیں جو آپ اس کے لئے شفا کی دعا

کرتے وقت کہنا چاہتے ہیں۔ اب آپ اپنے ہمزاد کے ہیولے کا تصور کریں۔ اس بیمار شخص کے گھر یا اس کی طرف جاتا ہوا دیکھیں۔ ایسا کرتے ہوئے راستہ وہی ہونا چاہیے جو اگر آپ خود جاتے تو استعمال کرتے۔ اب آپ ایسے ہیولے کو بیمار شخص کے جسم پر ہاتھ رکھتا ہوا دیکھیں اور دعا کے الفاظ دہرانا شروع کر دیں پہلے تین بار۔ پھر تین بار اور پھر تیسری بار پھر تین بار۔ اگر آپ اپنے خلوص میں یقین رکھتے ہیں تو مریض کے حق میں آپ کی دعا قبول ہو گی اور اسے آرام آنا شروع ہو جائے گا۔

کینسر ہو یا تپدق یا کوئی بھی اور مہلک مرض اس دعا کے اثر سے صحت یاب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ نے تاریخ میں بہت سے آدمی پڑھے ہوں گے جو مریض کو ہاتھ لگا کر صحت یاب کر دیتے تھے۔ ایسے شخص کا تصور ہمزاد واضح ترین ہوتا ہے۔ اور انہیں اس بارے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہوتا کہ مریض کو آرام آئے گا یا نہیں۔

اب میں آپ کو دعا کے لئے بہترین پوزیشن بتاتا ہوں۔ آپ کا پرائیویٹ کمرہ دعا کے لئے بہترین جگہ ہے۔ تنہائی اولین شرط ہے ہر شخص کا آرام کرنے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ دعا کرتے وقت آپ کی جسمانی حالت وہ ہونی چاہیے جو آپ کے لئے سب سے زیادہ آرام دہ ہو۔ ضروری ہے کہ آپ کے دونوں پاؤں جڑے ہوئے ہوں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بھی جڑی ہوئی ہوں اس طرح جسم میں برقی رو پوری رفتار پر چلتی ہے اور ہالہ زیادہ چیخ اور مؤثر ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں دودھیائی دھاگے کی وساطت سے جانے والے پیغامات بھی انتہائی فیصلہ کن اور مؤثر ہوتے ہیں دعا کرنے کے لئے یہ جسم کی بہترین حالت ہوتی ہے۔

اس بارے میں چند اور چھوٹی چھوٹی لیکن اہم باتیں بھی ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ جب آپ کسی بیمار شخص کے لئے دعا کرنا چاہیں اور اپنے ہمزاد کے ہیولے کو تصور میں اس بیمار شخص تک پہنچتا دیکھ لیں تو اب تصور میں اس ہیولے کو اپنا بازو اور ہاتھ بیمار شخص کی طرف بڑھاتا دیکھیں۔ ہیولے کا ایک ہاتھ بیمار کی گردن پر ہو اور دوسرا بیماری کی جگہ پر اگر بیماری یا تکلیف کسی خاص جگہ پر نہ ہو تو ہیولے کا دوسرا ہاتھ مریض کے جڑے ہوئے پاؤں پر ہونا

چاہیے اس مرحلے پر آپ کو پہلے سے تیار کیے ہوئے دعا کے الفاظ بھی کہنے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی تصور کرنا ہے کہ ہیولے کے ہاتھ سے نیلی روشنی کی صورت میں طاقت کی لہریں نکل کر مریض کے جسم میں داخل ہورہی ہیں۔ ایسا ہر روز باقاعدگی سے دن میں کئی بار کیا جانا چاہیے انشاءاللہ پہلے ہی روز سے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے یہ بہرحال طے ہے کہ اگر بیماری زیادہ شدید ہے تو زیادہ عرصہ درکار ہوگا۔

دعا کے بارے میں آخری بات...... آپ خود اپنے مفاد کے لئے دعا نہیں کر سکتے۔ یہ ایک قدیم قانون ہے۔ ایسی دعا جس میں آپ کو اپنا مفاد بھی ہو صرف اس صورت میں قبول ہو سکتی ہے اگر اس میں دوسروں کا بھی فائدہ ہو۔ اگر آپ دعا کی طاقت کا صحیح استعمال کریں یعنی ذاتی مفاد کو بیچ میں نہ لائیں تو گویا آپ نے زمین پر سب سے بڑی طاقت کو قابو کر لیا ہے۔ اتنی بڑی اور عظیم کہ اگر دعا کو سمجھنے والے چند لوگ اکٹھے مل بیٹھیں تو دنیا میں جنگیں بالکل ختم ہو جائیں اور پائیدار امن قائم ہو جائے۔

میں اپنی بات ختم کر چکا تو خاموشی چھا گئی جیسے سب لوگ میری کہی ہوئی باتوں کو ہضم کرنا چاہتے ہوں۔ پھر عورت بولی کاش آپ یہاں ٹھہر کر ہمیں مزید علم سکھائیں۔ ہم نے تو عجیب معجزہ دیکھا ہے لیکن ہمیں اس کے متعلق بات کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

میں نے چند گھنٹے آرام کرنے ے بعد شنگھائی میں اپنے دوستوں کو خط لکھا کہ میرے نئے کاغذات بنا کر بھیج دیں۔ میں نے انہیں تفصیلاً لکھ دیا کہ کس طرح ایک برطانوی بندرگاہ پر ایک احمق انگریز نے میرا پاسپورٹ خواہ مخواہ ہی پھاڑ دیا تھا چند ہی روز میں میرے دوستوں نے ہوائی ڈاک سے نیا پاسپورٹ بھیج دیا...... ہوائی ڈاک سے ہی مجھے ایک امیر عورت کا خط ملا لکھا تھا۔

> ''آپ کا پتہ مجھے بڑی جدوجہد کے بعد ملا ہے۔ آپ نے میری جس بچی کو جاپانیوں کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔ وہ اب صحت یاب ہو چکی ہے اور میرے پاس ہے۔ آپ کی نیکی کا بدلہ تو میں نہیں اتار سکتی۔ پھر بھی میں آپ کی کچھ نہ کچھ خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ برائے مہربانی مجھے لکھئے کہ میں آپ کے لیے کیا کروں۔''

میں نے اسے جواب میں لکھا۔ میں مرنے کے لئے تبت جانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس ہندوستان تک کے لئے تو کرایہ وغیرہ ہے لیکن ہندوستان کو عبور کر کے تبت پہنچنے کے لئے روپیہ نہیں ہے اگر آپ واقعی میرے لئے کچھ کرنا چاہتی ہیں تو میرے لئے بمبئی سے کالمپونگ تک کا ٹکٹ خرید دیں۔

میں نے اس عورت کے خط کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ لیکن دو ہفتے بعد مجھے امریکہ سے بمبئی تک کا بحری اور پھر بمبئی سے کالمپونگ تک کا ریل کا اول درجے کا ٹکٹ موصول ہوا۔ جونہی یہ ٹکٹ مجھے ملے میں نے وہ تمام روپیہ جو میرے پاس جمع تھا۔ حبشی گھرانے کو دے دیا اور اگلے چند روز سفر کی تیاریوں میں لگ گئے...... ویزا حاصل کرنے کے علاوہ تمام سامان چیک کر کے شنگھائی کے دوستوں کو روانہ کیا۔ اپنے پاس ایک چھوٹا سا بریف کیس رکھ لیا جس میں صرف دو بنیان اور ایک جوڑا کپڑوں کا تھا۔ یہی مختصر سامانی ایک بار پھر باعث پریشانی بنی لیکن دستاویزات کے متعلق اب مجھے کسی کا اعتبار نہ تھا۔ میں نے پاسپورٹ ٹکٹ، ڈاکٹری سٹرفکیٹ ہر چیز کی فوٹو کاپیاں بنوا کر دو علیحدہ سیٹ تیار کر لیے تھے۔

جہاز پر سوار ہوتے وقت جب میں نے اپنا ٹکٹ دکھایا تو ایک بار پھر مجھے عجیب و غریب صورت حال کا سامنا ہو گیا۔ بریف کیس میں محض ایک جوڑا اور دو بنیانیں دیکھ کر مجھ سے پوچھا گیا کہ بقایا سامان کدھر ہے؟

میں نے انہیں بتایا ''میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لے جا رہا۔ یہی میرا سامان ہے۔''

بحری افسر پریشان سا ہو گیا اور مجھے شک کی نظر سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں وہیں کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا چند منٹ بعد وہ ایک بڑے افسر کو ساتھ لے کر آیا جس نے آتے ہی پوچھا، ''کیا آپ کا سارا سامان یہی ہے؟''

''بالکل یہی ہے بس......'' میں نے جواب دیا۔

اس نے ماتھے پر تیوری لاتے ہوئے میرے ٹکٹ کا ایک ایک لفظ دوبارہ چیک کیا اور

اپنی جیب سے ایک کتاب نکال کر اس کے اندراجات سے مقابلہ کیا۔ پھر ٹکٹ اور کتاب لے کر پھرتی سے باہر نکل گیا۔ دس منٹ بعد بہت حیران و پریشان واپس آیا۔ میرا ٹکٹ واپس کرتے ہوئے بولا ''یہ بڑی غیر معمولی بات ہے۔ ہندوستان کا لمبا سفر اور اتنا تھوڑا سامان!'' یہ کہہ کر پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ میں اپنے کیبن کی طرف چل دیا۔ ابھی جہاز کے روانہ ہونے میں کافی دیر تھی۔

کوئی دو گھنٹے بعد میرے کیبن میں دو اور بحری افسر آئے، اور مجھے پوچھا کہ میرے پاس اتنا تھوڑا سا سامان کیوں ہے؟

میں نے بھر کر کہا ''میرا خیال تھا کہ یہ ایک آزاد ملک ہے۔ کسی کو اس سے کیا غرض کہ میں تھوڑے سامان سے سفر کر رہا ہوں یا زیادہ سے۔ زیادہ سامان تو گدھوں پر لادا جاتا ہے۔ مجھے اس سے زیادہ سامان کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

افسر بڑبڑایا ''ہمیں شک تھا کہ کوئی اور بات نہ ہو۔''

میں نے چیختے ہوئے کہا ''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری اور کوئی بات مجھے جو کچھ چاہیے وہ اس بریف کیس میں ہے۔ اس سے میں ہندوستان پہنچ جاؤں گا۔ وہاں جا کر میں مزید سامان حاصل کر سکتا ہوں۔''

میرے اس جواب سے گویا اسے اطمینان ہو گیا۔ بڑے دانشور کی طرح بولا ''اچھا اچھا۔ گویا آپ کا باقی سامان ہندوستان میں پڑا ہے۔ پھر ٹھیک ہے۔ یہ بات پہلے بتا دی ہوتی۔''

میں نے مسکرا کر دل میں سوچا کہ جب بھی قانونی طور پر تمام کاغذات مکمل ہوتے ہیں قدم قدم پر رکاوٹیں پڑتی ہیں۔ سفر عذاب جان بن جاتا ہے اور جب سب کی نظر بچا کر نکلنا ہوتا ہے تو کتنی آسانی رہتی ہے۔

نیویارک سے جبرالٹر، سکندریہ، نہر سویز، بحیرۂ احمر، بحیرۂ عرب ہوتے ہوئے میں بمبئی پہنچا۔ اور پھر بذریعہ ریل کالمپونگ کالمپونگ کمیونسٹ جاسوسوں اور اخبار نویسوں سے بھرا پڑا

تھا۔ نئے آنے والوں کو طویل، بیہودہ اور فضول قسم کے سوالات سے تنگ کیا جا رہا تھا۔ مغرب کا تجربہ رکھنے والے ایسے حالات سے آسانی سے نپٹ لیتے ہیں اور میں ان سے جلد ہی فارغ ہو گیا۔ یہاں سے تبت کے لئے روانہ ہوتے وقت میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جان لیوا سفروں اور حادثات کے بعد بالآخر اپنے وطن واپس پہنچ رہا ہوں۔

صحت تیزی سے بگڑ رہی تھی اور میں راستے میں کئی مقامات پر آرام کے لئے قیام کرتا ہوا بالآخر ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر ایک ایسی معبد گاہ میں پہنچا جہاں سے وادی لاسہ صاف نظر آ رہی تھی اس معبد گاہ تک کمیونسٹ نہیں پہنچے تھے، اس لئے یہاں امن و سکون تھا۔ سفر کی تھکان دور کرنے اور کسی حد تک صحت بحال کرنے کے لئے میں نے یہاں چند روز مزید قیام کیا مغربی لوگوں کی دھوکہ بازیاں اور عیاریاں یاد آئیں تو میں مسکرا کر رہ جاتا۔ یہ سب تکلیف دہ باتیں جو میرے لئے اکثر آتش زیر پا ثابت ہوتی تھیں اب خواب و خیال ہو چکی تھیں۔ ویسے بھی قدرت کی گود میں انسان کو جس قدر سکون ملتا ہے، اور کہیں نہیں ملتا۔

میں یہاں کے معصوم و سادہ لوح لوگوں کے ساتھ عبادات میں شریک ہوتا تو بڑا لطف آتا۔ یہ لوگ جن کو بیرونی دنیا کی ہوا تک نہ لگی تھی، مجھ سے یورپ و امریکہ کے متعلق سوالات کرتے اور جب میں انہیں بتاتا کہ انسان جتنا مہذب ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی ظالم و سفاک ہوتا جاتا ہے، تو وہ حیران رہ جاتے۔

بظاہر میں انہی لوگوں میں سے تھا۔ انہی میں رہتا تھا۔ لیکن مجھ میں اور ان میں ایک بہت بڑا فرق تھا۔ میں ایک ایسا آدمی تھا جس کی موت قریب تھی۔ جو تھوڑے ہی دنوں میں مر کر پھر جی اٹھنے والا تھا۔ ایک ایسا انسان جو دنیا کے عجیب ترین تجربے میں سے گزرنے والا تھا۔ جسے اپنا جسم چھوڑ کر اسی دنیا کے ایک دوسرے آدمی کے جسم میں داخل ہونا تھا۔ جو کسی وجہ سے زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔

تبت میں ہمارے اسلاف صدیوں سے ایسا کرتے چلے آئے تھے۔ خود دلائی لامہ ایک عمر پوری کرنے کے بعد کسی نومولود بچے کے جسم میں سرایت کر جاتے تھے لیکن فرق یہ تھا

کہ مجھے ایک بڑے آدمی کا جسم اختیار کرنا تھا۔ اور یہی سب سے مشکل بات تھی۔ نومولود کے جسم میں داخل ہونے سے یہ آسانی رہتی ہے کہ اس کی چال ڈھال عادت واطوار، لب ولہجہ شروع سے بننا ہوتا ہے۔ جبکہ جس جسم میں مجھے داخل ہونا تھا۔ وہ بڑی عمر کے آدمی کا جسم تھا جس کی چال ڈھال، لب ولہجہ سب کچھ پختہ ہو چکا تھا اور اس کے سابقہ ماحول میں زندگی گزارنے کے لئے مجھے ہر چیز اسی طرح اپنانی تھی۔

میں معبد میں اپنے کمرے میں بیٹھا انہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ ایک بوڑھا، چھڑی کا سہارا لیتے ہوئے میرے کمرے می داخل ہوا، وہ اتنا کمزور تھا کہ اس کے جسم کی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں۔ جب میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں نہیں ہیں تو میں اسے سہارا دینے کے لئے اٹھا۔ اس کی آنکھوں کی جگہ سرخ سرخ گوشت کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ گویا اسے حال ہی میں اندھا کیا گیا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، اس علاقے میں جس پر کمیونسٹوں نے حملہ کر دیا تھا، اس مظلوم کی بینائی بحال کرنے کا اب کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس مرحلے پر مجھے یہ احساس شدت سے ہوا کہ تخریب کتنی آسان اور تعمیر کتنی مشکل ہوتی ہے۔ آنکھیں نکال ڈالنا کتنا آسان کام ہے۔ چند لمحوں میں ہو جانے والا۔ لیکن بینائی بحال کرنا؟...... تقریباً ناممکن۔

بوڑھا جو صبر وتحمل کا مجسمہ تھا۔ مسکرا کر بولا ”میرے بھائی تم میری آنکھوں کو دیکھ کر پریشان ہو رہے ہو۔ میں ایک معبد سے عبادت کر کے نکالا۔ اچانک میری نظر میں پوٹالہ کی طرف اٹھ گئیں۔ میرے اور پوٹالہ کے درمیان ایک کمیونسٹ فوجی کھڑا تھا۔ اسے شک ہو گیا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ ایک مضبوط رسے سے باندھے اور رسے کا دوسرا سرا اپنی جیپ کے پچھلے کنڈے سے باندھ کر جیپ چلا دی اور مجھے اسی طرح گھسیٹتا ہوا ایک کھلے میدان میں لے آیا جہاں ہر طرف فوجیوں کا ہجوم تھا اور عام لوگ بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ یہاں میری آنکھیں نکال کر میرے ہی منہ پر ماری گئیں۔ تمہیں میرے جسم پر بیشمار زخم نظر آ رہے ہوں گے۔ یہ سب جیپ کے ساتھ گھسٹنے

سے آئے تھے۔ تم سے تو مجھے بہت ضروری کام تھا۔ اس لئے مجھے ہر حال میں یہاں آنا تھا۔ چند ہمدرد مجھے سہارا دے کر یہاں تک لائے ہیں مجھے خوشی ہے کہ مرنے سے پہلے تم سے ملاقات ہو گئی۔ اسی مقصد کے لئے میں اب تک جی رہا ہوں...... مجھے یہ کام سونپا گیا ہے کہ میں تمہیں آکاش ریکارڈ کے ذریعے اس انگریزی کی زندگی کی کچھ جھلکیاں دکھاؤں جو اپنے جسم کو چھوڑنے کے لئے بے چین ہے اور جس میں تمہیں داخل ہونا ہے۔ میں تمہیں اس کی گزشتہ زندگی تفصیل سے نہیں دکھا سکتا۔ محض چند جھلکیاں دکھا سکتا ہوں۔ کیونکہ اس کام میں بہت طاقت خرچ ہوتی ہے اور میں کافی کمزور ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا۔ سانس بحال ہوا تو پھر بولا میرے جسم میں جو تھوڑی بہت طاقت باقی رہ گئی ہے، وہ اس کام میں ختم ہو جائے گی۔ یہ کام کر کے میرا مقصد زندگی پورا ہو جائے گا۔ میں خوش ہوں اور تمہارا مشکور بھی کہ تمہاری وجہ سے مجھے اس کا موقع مل رہا ہے۔ جب تم یہ جھلکیاں دیکھ کر آسمانی سیر سے واپس آؤ گے تو میرا مردہ جسم یہاں تمہارے پاس پڑا ہوگا۔“

یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ لوگ بے شمار روپیہ مہلک سے مہلک تر ہتھیار بنانے اور ان پر تحقیقات کرنے میں بے دریغ خرچ کرتے بلکہ لٹاتے ہیں۔ اگر یہ ساری محنت آکاش ریکارڈ کی تحقیقات پر لگائی جائے تو انسانیت کے بڑے مسئلے حل ہو جائیں۔

آکاش ریکارڈ کیا ہے:

جب سے کائنات عالم وجود میں آئی ہے، اس وقت سے لے کر اب تک ہر چھوٹی بڑی حرکت جو کسی چیز میں ہوئی ہے۔ ہر ہلکی پھلکی آواز خواہ وہ سرگوشی کی ہو یا تیز وتند طوفان کی خواہ وہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز ہو یا ایٹم بم پھٹنے کی۔ آکاش میں باقاعدہ ریکارڈ ہو رہی ہے، جمع ہو رہی ہے، ذخیرہ ہو رہی ہے۔ اہل جنت اسے آکاش ریکارڈ کہتے ہیں۔ سنا ہے، کہ اس صدی کے خاتمے تک سائنسدان ایسے آلات ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ وہ جس آواز یا جس حرکت کو بھی انتخاب کریں گے، ان آلات کے ذریعے آکاش ریکارڈ سے حاصل کر لیں گے۔

ریڈیو کی مثال لے لیں۔ ریڈیو سٹیشن سے نشر ہونے والی آواز فضا میں ہر جگہ موجود ہوتی ہے لیکن پکڑی وہیں جائے گی جہاں ریڈیو ہوگا کسی کمرے میں مختلف جگہوں پر بیس ریڈیو رکھ لیں بیس ہی جگہ آواز پکڑی جائے گی۔ گویا ریکارڈ فضا میں موجود ہے صرف آلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ تو تھی آواز کی بات۔ مختلف حرکات وسکنات کے لیے ٹی وی کی مثال لے لیں: جس طرح ٹی وی فضا میں ٹیلی کاسٹ شدہ چیزوں کو پکڑتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں ہونے والی ہر حرکت بھی آکاش ریکارڈ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ ضرورت صرف آلے کی ہے۔

کتنی دلچسپ بات ہوگی کہ ہم لیلےٰ کو مجنوں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ اور سن سکیں گے۔ ہیر بیلے میں کیسے قلانچیں بھرتی پھرتی تھی، یہ نظارہ کتنا دلچسپ ہوگا۔

دوسری جنگ عظیم کو روکنے کی کوشش میں برطانیہ کے وزیر اعظم چیمبرلین کی ہٹلر سے گفتگو...... ان سب چیزوں کو ان کی اصلی حالت میں دیکھنا اور سننا کتنا حیران کن ہوگا۔

ان چیزوں پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ دنیا ہے ہی علم کا حیرت کدہ۔ آپ میں سے اکثر جانتے ہوں گے کہ روشنی ایک خاص رفتار پر سفر کرتی ہے۔ یعنی ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ۔ رات کو آسمان پر ہمیں جو ستارے نظر آتے ہیں ان میں سے اکثر دراصل اب موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر ستارے اتنی بے شمار دوری پر ہیں کہ وہ روشنی جو ہمیں اب پہنچ رہی ہے، ہماری زمین کی پیدائش سے بھی بہت پہلے وہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ کوئی پتہ نہیں ان نظر آنے والے ستاروں میں کونسا ستارہ ایک لاکھ سال پہلے ختم ہو چکا ہو اور ابھی مزید ایک لاکھ سال تک یہ ستارہ ہم کو نظر آتا رہے کیونکہ اس کا وجود ختم ہونے تک جو روشنی وہاں سے روانہ ہوئی تھی، اسے زمین تک پہنچنے میں ایک لاکھ سال مزید لگیں گے۔

آکاش ریکارڈ میں جمع شدہ آوازوں کو ہم کس طرح سن سکتے ہیں اور ماضی میں پیش آئے واقعات کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت ایک بہت دلچسپ مثال سے کی جاسکتی ہے۔

انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور یہ ایسی انہونی ہوگئی تھی جس کا اب تک بہت سے لوگوں کو یقین نہیں اور یہ بات تو اب عام ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے طیارے میزائل، راکٹ اور دیگر سائنسی آلات آواز سے زیادہ تیز رفتار پر اڑتے ہیں جنہیں سائنس کی اصطلاح میں سپر سانک کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب انسان کے بنائے ہوئے انسان بردار آلات روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز اڑیں گے۔

اس مثال کو سمجھنے کے لئے آپ نوری سال کی اصطلاح کو ذہن نشین کرلیں۔ نوری سال وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے اب آپ فرض کریں کہ آپ کسی ایسے ستارے پر ایک ہی دن میں پہنچ جاتے ہیں جو زمین سے ایک نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ جب آپ اتنی بے پناہ رفتار پر اڑنے کے قابل ہو چکے ہوں گ تو ظاہر ہے آپ کے پاس ایسی کمال کی دوربین بھی ہوسکتی ہے کہ آپ اس ستارے پر سے زمین پر ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ سکیں گے۔

جب ہم اس ستارے پر سے زمین کے کسی حصے کو دیکھیں گے تو ہمیں زمین کے اس حصے پر ہونے والے وہ واقعات دکھائی دیں گے جو ایک سال پہلے پیش آئے تھے اور جو واقعات زمین کے اس حصے پر اس وقت پیش آرہے ہیں وہ ایک سال بعد دکھائی دیں گے کیونکہ زمین سے روشنی اس ستارے تک ایک سال میں پہنچے گی اسی بات کو اب اور آگے بڑھائیے۔

مگر آپ کسی ایسے ستارے پر پلک جھپکتے میں پہنچ جائیں جو زمین سے چالیس نوری سال کے فاصلے پر واقع ہو اور اپنی دوربین کو لاہور پر فوکس کریں تو ہمیں اقبال پارک اس وقت کی منٹو پارک میں مسلم لیگ کا وہ اجلاس سرگرم عمل نظر آئے گا جس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ اس میں قائداعظم تشریف فرما ہوں گے اور شیر بنگال اے کے فضل حق قرارداد پاکستان پیش کررہے ہونگے کتنی دلچسپ بات ہوگی۔

اب ایک اور جست لگائیے اور ایسے ستارے پر جائیے جو زمین سے دس لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہو۔ اب آپ زمین کو دیکھیں گے تو وہ واقعات نظر آئیں گے جو زمین پر دس لاکھ سال پہلے پیش آئے تھے۔ گویا آخر کار آپ ایسی جگہ پر بھی پہنچ جائیں گے جہاں سے آپ کو زمین کی پیدائش کا سارا واقعہ نظر آئے گا بلکہ سورج کیوں کر بنا۔ یہ سب کچھ بھی صاف دکھائی دے گا۔

یہ ہے اس آکاش ریکارڈ کی مختصر بات جس کے ذریعے مجھے اس انگریز کا ماضی دکھایا جانا مقصود تھا جس کا جسم مجھے اپنانا تھا۔ لیکن آلات کے ذریعے نہیں۔ اہل تبت کو ان آلات کی ضرورت نہیں وہ مختلف تربیتیں حاصل کر کے چلے کاٹ کر، روحانیت میں اس قدر بلند ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ اس مادی جسم کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر آسمانی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں زمان و مکان کا کوئی وجود نہیں۔

روح کا سفر اس قدر تیز ہوتا ہے کہ وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ ہمارا حساب اور فزکس وہاں فیل ہو جاتے ہیں اوپر نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے کا کوئی وجود نہیں اس کی ایک سادہ سی مثال ایک لمبی رسی کی ہے۔ فرض کریں ایک رسی کی لمبائی ایک میل ہے۔ اس دنیا کے قواعد و ضوابط کے مطابق آپ اس رسی میں سے نہیں گزر سکتے۔ آپ کو اس رسی کے پار جانے کے لئے رسی کے ساتھ ساتھ پورا ایک میل چلنا ہوگا پھر ایک اور میل واپس آنا ہوگا۔ گویا رسی کے پار اسی نقطے پر پہنچنے کے لئے دو میل سفر کرنا ہوگا لیکن جب آپ جسم چھوڑ کر کائناتی اڑان پر نکلتے ہیں تو ایسی صورت میں رسی پار جانے کے لئے رسی کے ساتھ ساتھ دو میل چلنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بس رسی میں سے گزر جانا ہے کیونکہ جسم ساتھ نہیں ہوتا۔ آکاش ریکارڈ میں سے بھی بس اسی طرح گزرنا ہوتا ہے۔ مہینوں سالوں اور صدیوں کے واقعات میں سے انسان بجلی کی سی تیزی سے گزر جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس میں تربیت یافتہ ہو۔

اب مجھے ایک دوسرے شخص کے ماضی کی جھلکیاں دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کیا میں اس کا جسم اپنا سکوں گا؟ میرا اپنا جسم تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور مجھے دوسرے بہتر جسم کی ضرورت تھی تا کہ میرے ذمے جو کام لگایا گیا تھا اسے پورا کرسکوں۔ میں ٹھیک ہو کر بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ بوڑھا بات شروع کرے۔

☆☆☆

بوڑھا لامہ بولا ”کیوں بھائی چلیں؟“

میں نے کہا ”میں بالکل تیار ہوں۔“

ہم دونوں آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ گئے۔ رات کی نرم نرم ہوا کمرے کے ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکل رہی تھی۔ موسم بہت سہانا تھا۔ ہم نے اپنے جسموں کو وہی جانا پہچانا جھٹکا دیا۔ اور دونوں اپنے مادی جسموں کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں داخل ہو گئے ایسی حالت میں تمام باتیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہوتی ہیں کیونکہ زبان اور گفتگو کا تعلق مادی جسم سے ہوتا ہے جو پیچھے رہ گیا ہوتا ہے۔ بوڑھا لامہ اب اندھا نہیں تھا کیونکہ اندھی آنکھوں والا مادی جسم اب دنیا میں رہ گیا تھا۔ ہم اکٹھے کائنات کی وسعتوں میں سفر کرتے ہوئے اس ہال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جسے کائنات کی یادداشتوں کا ہال کہا جاتا ہے۔ ہم کائنات کی اس سطح پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ یہاں متعدد دوسرے لوگ کائناتی ریکارڈ میں اپنی اپنی دلچسپی کی تحقیقات کر رہے تھے۔ لیکن ہم ان کی اور وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔

بوڑھا لامہ بولا ”اس انگریز کی زندگی کا مطالعہ کہاں سے شروع کریں؟“

میں نے کہا ”کہیں سے بھی شروع کر دیں۔ مجھے تو صرف یہ اندازہ لگانا ہے کہ جس شخص کے جسم کو میں نے اپنانا ہے وہ کس قسم کا شخص ہے۔“

ہم کچھ دیر کے لئے خاموش ہوئے تو ایک نظارہ ہمارے سامنے آیا جسے دیکھتے ہی میں چلایا ”ارے ارے یہ کیا؟ یہ شخص تو شادی شدہ ہے اور میں کنوارا۔ یہ بات تو نہ نبھ سکے گی۔ نہ بابا۔ میں باز آیا اس سودے سے۔“

بوڑھے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ”لو با...... کیسی بات کر رہے ہو...... جو لوگ اس بارے میں ہمیں گائیڈ کر رہے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہیں جس شخص کا

جسم اپنانا ہے، وہ شادی شدہ ہے اور اس کی بیوی زندہ ہے۔ تم اس خاتون کے ساتھ ایک ساتھی کے طور پر رہ سکتے ہو۔ تم نے مغربی سوسائٹی کے متعلق جو باتیں مجھے بتائی ہیں ان کے پیش نظر یہ کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے کیا معبدوں میں راہب اور راہبائیں اکٹھے نہیں رہتے۔''

کائناتی ریکارڈ کی زندہ تصویریں پھر ہمارے سامنے سے گزرنے لگیں مجھے ایک جھلک اس انگریز کی نظر آئی۔ میں نے نہایت دلچسپی سے دیکھا کہ وہ سرجری کے آلات بنا رہا تھا اور نہایت پھرتی سے کام کر رہا تھا۔ یہ غالباً اس کا موجودہ پیشہ تھا۔

سیلن بدل گیا۔ ہم لندن کی سڑکوں پر ہجوم میں کھلے ملے ہوئے تھے۔ لوگوں سے بھری ہوئی رنگین بسیں اِدھر اُدھر آ جا رہی تھیں کہ اچانک ایک شور برپا ہو گیا۔ ایک افراتفری سی مچ گئی۔ لوگ پناہ گاہوں کی طرف بھاگے۔ لڑاکا طیارے فضا میں نمودار ہوئے اور طیارہ شکن توپوں کے گولوں کی ''کرمپ کرمپ'' کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک طیارے میں سے بم نیچے گرتے نظر آئے۔ ایک لمحے کے لیے جیسے خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر ایک زوردار آواز آئی اور بڑی بڑی عمارتیں ہوا میں بکھر کر زمین پر آ رہیں۔

کائناتی ریکارڈ دیکھتے وقت، دیکھنے والے کو ایسا نظر آتا ہے گویا وہ بھی اس نظارے کا ایک حصہ ہے اور اونچی جگہ سے سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہی انگریز جس کے جسم میں مجھے داخل ہونا تھا سر پر فولادی ٹوپی لیے اِدھر اُدھر بھاگا پھر رہا تھا۔ ہوائی حملے کے بعد جو تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ اس میں سے زندوں کو نکالنے اور لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے جو عملہ بھاگا دوڑا پھر رہا تھا، یہ انگریز اسی عملے کا رکن تھا۔

گنجان بستیوں میں بمباری کے بعد بڑی بڑی عمارتوں کے گارے چرنے اور فولادی شہتیروں، بجلی کی تاروں، پانی کے پائپوں کو دیکھیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بلی کے بچے اون کے گولے سے کھیلتے رہے ہوں۔ یہاں بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ ہم کائناتی ریکارڈ میں ماضی کے اس حصے میں چلے گئے تھے جس کا تعلق دوسری جنگ عظیم سے تھا اور یہ تباہی جرمن بمبار طیاروں نے کی تھی۔ میں اس انگریز کو اس تباہی میں بنی نوع انسان کی خدمت میں مگن دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔

یہی پیغام بوڑھے لاما نے دہرایا۔ ''آؤ۔ آؤ۔ چلے آؤ۔''

نہایت آہستہ سے، جیسے بہت ہی ہچکچاہٹ ہو۔ انگریز کا روحانی خاکہ اس کے جسم سے الگ ہو کر تھوڑا سا بلند ہوا لیکن ابھی یہ الٹی حالت میں تھا یعنی روحانی خاکے کا سر مادی جسم کے پاؤں کی طرف تھا۔ خاکہ تھوڑی دیر کے لئے ادھر ادھر بادل کی طرح چلا۔ اچانک ٹرین کے انجن کی تیز وسل کی آواز گونجی اور روحانی خاکہ تیزی سے واپس مادی جسم میں جذب ہو گیا۔

ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ خاکہ پھر ظاہر ہوا۔ اب کی بار یہ صحیح حالت میں تھا اور آنکھیں ملتا ہوا ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا۔

میں نے پوچھا تو گویا تم اپنا جسم چھوڑنا چاہتے ہو!

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''بالکل چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ مجھے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے زندگی بھر کسی نے سمجھا ہی نہ ہو۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ مغرب کا آدمی نہیں ہے۔ اسے تبت جیسے مشرقی علاقے میں ہونا چاہیے تھا۔

اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آئی اور وہ بڑے تیکھے لہجے میں بولا۔ ''تم میرا جسم اپنانا چاہتے ہو! تمہیں اپنی غلطی کا جلد ہی احساس ہو جائے گا۔ اس ملک میں یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی کہ کوئی کتنا پڑھا لکھا ہے۔ کتنا علم رکھتا ہے۔ کتنا شریف الطبع ہے۔ بلکہ یہاں صرف اور صرف اس بات کی اہمیت ہے کہ آپ کی واقفیت کتنی ہے۔ آپ کی رسائی کہاں تک ہے۔ آپ کے وسائل کتنے ہیں آپ کوشش کر دیکھیں۔ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہو سکیں۔''

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''سنو تم میری طرح ڈاڑھی رکھ لو۔ میرا جبڑا ٹوٹا ہوا ہے اور میں یہ نقص ڈاڑھی سے چھپاتا ہوں۔ میں ایک ماہ کے بعد واپس آؤں گا۔ تمہیں آزادی نصیب ہو گی اور میں تمہارا جسم اپناؤں گا اور ہاں جانے سے پہلے میں

یہ جاننا چاہوں گا کہ میرے آدمیوں کا تمہارے ساتھ اولین رابطہ کیوں کر قائم ہوا۔''

''تفصیلی واقعہ عرض کرنے سے پہلے میں یہ ضرور بتا دوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ میں انگلستان کی زندگی سے نفرت کرتا ہوں۔ یہاں قدم قدم پر اقربا پروری، دھوکے بازی اور عیاری سے میں ہمیشہ سے بیزار ہوں۔ میرے تصور میں ہمیشہ تبت اور مشرق بعید کے دوسرے ممالک گھومتے رہتے تھے اور میں اکثر خیال ہی خیال میں ان ممالک میں گھومتا رہا ہوں۔

''شاید آپ کو میرے ماضی کے متعلق کچھ آئیڈیا ہو کہ میں نے اپنی متجسس اور بے چین طبیعت کے زیر اثر کبھی کسی اور جگہ جم کر کام نہیں کیا۔ کام کے ساتھ ساتھ اپنی رہائش بھی تبدیل کرتے رہنا میری عادت رہی ہے۔ ایک دفعہ میں نے روز کرافٹ میں ایک نیا مکان کرائے پر لیا۔ میں اپنے کام سے فارغ ہو کر سارا وقت گھر پر ہی گزارا کرتا ہوں اور اپنے ذوق کے مطابق گھر کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ یہ نیا مکان تھا تو خوبصورت لیکن بڑی توجہ اور محبت چاہتا تھا۔ اس کے عقب میں بہت بڑا لان تھا اور مدتوں مکان خالی رہنے کی وجہ سے اس کے لان میں کئی کئی فٹ اونچی گھاس اگ آئی تھی۔''

''میں نے اس گھاس کو کاٹنا شروع کیا۔ روزانہ کئی گھنٹے اس پر لگ جاتے۔ اسی لان میں صنوبر کا ایک پرانا درخت تھا۔ گھاس صاف کرتے ہوئے ایک دن میں نے دیکھا کہ اس درخت کی کھوہ میں ایک الو نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ فوٹو گرافی میری خصوصی ہابی رہی ہے۔ میری خواہش تھی کہ کھوہ سے باہر بیٹھے ہوئے الو کی ایک عمدہ تصویر اتاروں، صنوبر کے اس درخت پر عشق پیچاں کی بیل چڑھی ہوئی تھی اور تصویر کے لئے بہت عمدہ پس منظر پیش کر رہی تھی۔

''ایک دن گھاس صاف کرتے کرتے میں نے نے محسوس کیا کہ صنوبر کی جو ٹہنی عین میرے سر کے اوپر تھی اس پر پھڑ پھڑاہٹ ہو رہی ہے۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو الو کو کھوہ سے باہر ٹہنی پر آرام سے بیٹھے ہوئے پر جھاڑتے ہوئے پایا۔ یہ میرے لئے بہت پرکشش نظارہ تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو میں منظر کی خوبصورتی میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ پھر میں نے درانتی پھینکی اور بھاگ کر کیمرہ لے آیا کہ منظر کی خوبصورتی کو ہمیشہ کے لئے تصویر میں محفوظ کر لوں۔''

کیمرہ ہاتھ میں لئے میں درخت کی ایک اور شاخ پر چڑھ گیا۔ جہاں سے تصویر بہت عمدہ بنتی تھی۔ میں نے پوری کوشش کی کہ میرے ہلنے جلنے سے آواز نہ پیدا ہو۔ الو کو دن کی روشنی میں دکھائی تو نہیں دیتا لیکن قدرت بظاہر ایک خاص پیدا کرتی ہے تو اس کے مقابلے میں کئی دوسری صفات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ الو کو میری موجودگی کا اندازہ ہو گیا تھا اور اس نے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ اتنا پیچھے ہٹ گیا کہ جس شاخ پر میں کھڑا تھا وہاں سے اس کی اچھی تصویر بنانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں بھی اسی شاخ پر چلا گیا جس پر الو بیٹھا تھا۔ اب اسے اس شاخ پر بھی میری موجودگی کا احساس تھا اور وہ مزید پیچھے ہٹنے لگا۔ مجھے کسی قسم کے خطرے کا کوئی احساس نہ تھا اور جونہی میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ٹہنی تڑاخ سے ٹوٹ اور لکڑی کے برادے کی بو فضا میں پھیل گئی محویت میں میں نے یہ خیال ہی نہ کیا تھا کہ ٹہنی عین اس حصے سے گلی ہوئی تھی جو میرے پاؤں کے نیچے تھا۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ جس شخص کے جسم میں مجھے داخل ہونا ہے اسے بنی نوع انسان سے ہمدردی ہے۔

آکاش ریکارڈ کی جھلکیاں میں کافی دیکھ چکا تھا۔ اب میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس شخص سے کچھ باتیں کی جائیں۔ بوڑھے لاما نے میری نیت بھانپ کر کہا۔ ''زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اسے آسمانی اڑان پر لے آئیں۔''

''ہاں یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے کہا'' لیکن اس کے لئے ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ اس وقت لامہ میں صبح کے دو بجے ہیں۔ انگلینڈ میں اس وقت شام کے آٹھ بجے ہیں۔ ہمیں تین گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ پھر اسے اوپر لائیں گے۔''

بوڑھا بولا۔ ''ہمیں اور بھی آسانی ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ شخص علیحدہ کمرے میں اکیلا ہی سوتا ہے۔ آؤ اب ذرا واپس چل کر آرام کریں۔ تھکاوٹ بہت زیادہ ہو گئی۔

ہم اپنے جسموں میں واپس آ گئے۔ رات کے سناٹے اور اندھیرے میں ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی روشنی بہت ہی بھلی لگتی تھی۔ دور نیچے شہر لامہ کی روشنیاں بھی بجھ چکی تھیں۔

کائنات جو خواب تھی ہمارے معبد کے باہر بہنے والی پہاڑی ندی کی مدہم آواز اس سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ دن کی گہما گہمی میں یہ آواز بھی سنائی نہیں دی۔ لیکن اس وقت یوں لگتا تھا جیسے ندی نے شور مچا رکھا ہو۔

دنیا میں چیزیں تقابل سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔ آسمانوں کو بلند کون کہے اگر زمین اتنی پست نہ ہو۔ روشنی نہ ہو تو لوگ اندھیرے ہی کو سب کچھ سمجھیں اور اسی میں دیکھنے کے عادی ہو جائیں۔ چنانچہ دریا کے بہاؤ کی آواز کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب اردگرد مکمل خاموشی طاری ہو۔ پہاڑی ندی کی مدھم آواز نے ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ رکھی تھی۔ ایسے میں ان چھوٹے چھوٹے پتھروں اور کنکروں کی آواز بھی نہایت واضح طور پر سنائی دیتی۔ جنہیں پانی کا بہاؤ ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ جما دیتا۔

شاید ایک یا دو بڑے پتھر پانی کے بہاؤ سے اکھڑ گئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو اکھاڑتے بہاتے تیزی سے نیچے گئے۔ شور کچھ زیادہ بڑھ گیا۔ جب یہ پتھر گرتے گراتے نیچے لامہ شہر کے پاس پہنچے تو ترڑ......ترڑ......گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ شاید کمیونسٹ گارڈ یہ سمجھے کہ بدھ راہب ان پر حملہ کر رہے ہیں۔ انسان کی تباہ کن حس کس قدر بدذوق ہوتی ہے۔ انہیں پہاڑی ندی کی موسیقی میں بھی خطرے کا راگ سنائی دیتا ہے۔

یہ مختصر ہنگامہ ختم ہوا۔ پھر سے سکون ہوا تو بوڑھا لاما بولا ''میرے لئے یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ ہمارے علاقے سے باہر کے لوگ جسم چھوڑ کر آسمانی اڑان پر جانے کی بات کو محض ڈھکوسلا سمجھتے ہیں اتنی سادہ سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی! کیا ان کو یہ بات نہیں سمجھائی جا سکتی کہ ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے میں داخل ہو جانا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی ڈرائیور ایک گاڑی چھوڑ کر دوسری چلانے لگ جائے۔ اتنی تکنیکی ترقی کے بعد بھی یہ لوگ روحانیت کے بارے میں اتنے کورے ہیں؟''

بوڑھے لامہ کی بات پر میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی اور میں نے کہا۔ ''مغربی لوگوں میں روحانی چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ انہیں دوسروں کے ذاتی

معاملات میں ٹانگ اڑانے کے شغل سے اگر فرصت مل بھی جائے تو انہیں سب سے زیادہ دلچسپی اغوا، چوری، لوٹ مار اور زناء کی وارداتوں میں ہوتی ہے۔''

ہم نے مکمل آرام کیا۔ باتوں باتوں میں رات گزر گئی ہمارے عقبی پہاڑوں پر صبح صادق کے آثار ظاہر ہوتے۔ دور نیچے وادی ابھی تک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تبت میں اس وقت صبح کے پانچ بجے ہوں گے اور انگلینڈ میں رات کے گیارہ۔ اب وقت تھا کہ ہم نے اس انگریز کو جسم سے باہر آسمانی اڑان پر لاتے میں نے اپنے ساتھی بوڑھے لاما سے کہا۔

''میرا خیال ہے اب وقت ہے کہ ہم روانہ ہوں۔''

بوڑھا لاما بولا۔ ''یہ میری آخری آسمانی اڑان ہو گی۔ اب میں واپس نہیں آؤں گا۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ہم اپنے جسموں کو چھوڑ چکے تھے اور اگلے ہی لمحے ہم اس انگریز کے کمرے میں تھے۔ وہ گہری نیند میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کے ہالے سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ شخص زندگی سے تنگ آیا ہوا ہے۔ اس کے جسم کا روحانی خاکہ ابھی اس کے مادی جسم کو لپیٹے ہوئے نظر آ رہا تھا۔ یہ ایسی صورت ہوتی ہے کہ اگر کوئی چاہے تو جسم کو چھوڑ کر آسمانی اڑان اڑ سکتا ہے۔

میں نے ٹیلی پیتھی میں پیغام دیا ''آؤ، چلے آؤ۔''

''اب مجھے زندگی کا وہ عجیب ترین تجربہ ہوا جو میں آپ سے خصوصی طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ شاخ ٹوٹتے ہی میں سر کے بل زمین کے طرف گرا لیکن یہ چند فٹ کا فاصلہ، جو ٹہنی اور زمین کے درمیان تھا میرے لئے میلوں کا فاصلہ بن گیا۔ گھاس کو اتنا زیادہ غور سے دیکھنے کا موقع ملا کہ اس سے پہلے گویا احساس ہی نہ تھا کہ گھاس کتنی سبز ہوتی ہے۔ گھاس کی پتیوں کی چوڑائی معمول سے بہت زیادہ تھی یہاں تک کہ ان پر بیٹھے ہوئے ننھے منے کیڑے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ پیشتر اس کے کہ میرا سر زمین سے ٹکراتا، ڈر کے مارے ایک پرندہ گھاس میں سے نکل کر اڑا تھا۔ اس کے فوراً بعد مجھے یاد ہے کہ جیسے رنگین بجلیاں کوند گئی ہوں اور سر میں بینائی ضائع کر دینے والا شدید درد ہوا اور پھر ہر طرف

تاریکی چھاگئی۔

''خدا جانے میں کتنی دیر تک درخت کے نیچے گوشت کے ڈھیر کی طرح پڑا رہا لیکن پھر اچانک مجھے کچھ ایسا احساس ہوا جیسے میں اپنے جسم سے الگ ہو رہا ہوں۔ مجھے چیزیں یوں دکھائی دے رہی تھیں جیسے میں صرف ان کی سطح پر ہی نہیں بلکہ ان کے اندر دیکھ رہا ہوں۔ نیز تمام رنگ بالکل نیا تاثر لیے ہوئے تھے جیسے پہلے سے زیادہ واضح ہو گئے ہوں۔''

''آہستہ آہستہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا۔ اردگرد نظر دوڑائی تو میں یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا کہ میرا جسم اوندھے منہ زمین پر پڑا تھا۔ خون کا نشان دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا البتہ دائیں کنپٹی نیلی ہو رہی تھی جیسے شدید چوٹ لگنے سے ہوتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر مزید الجھن ہوئی کہ میرا جسم مردہ نہیں تھا بلکہ خرخراہٹ کی ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی شدید تکلیف میں سانس لے رہا ہوں۔''

''تو کیا میں مر چکا ہوں؟'' میں نے سوچا۔

لیکن نہیں یہ موت یقیناً نہیں تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی کیفیت تھی...... کیونکہ میں نے ایک دودھیا سی، دھوئیں دار لکیر دیکھی جو میرے اور میرے مادی جسم کے درمیان رابطہ قائم کیے ہوئے تھی۔ یہ لکیر جو ریشمی دھاگے سے مشابہ تھی بالکل ساکن تھی۔ اس میں نبض کے چلنے کی کوئی حرکت نہ تھی جس سے پتہ چلتا کہ مادی جسم کا دل دھڑک رہا ہے۔ میں اس غیر معمولی نظارے سے خوفزدہ ہو گیا اور میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔

''خوف سے میرے پاؤں منجمد ہو گئے تھے کہ اچانک ایک حرکت ہوئی۔ میری اس نئی عجیب و غریب دنیا میں یہ واحد حرکت تھی جو مجھے نظر آئی اور اگر میری آواز کام کر رہی ہوتی تو خوف سے میری چیخ نکل جاتی...... میں نے دیکھا کہ ایک تبّتی لامہ جوگیا کپڑوں میں ملبوس میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے کئی انچ اونچے تھے اور وہ نہایت دھیمی رفتار سے ہوا کے دوش پر میری طرف بڑھا آ رہا تھا۔ میں منہ کھولے، تصویر حیرت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، میرے پاس پہنچ کر وہ مسکرا کر بولا۔ ''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ڈرومت......''

یہ الفاظ خدا جانے کس زبان میں کہے گئے۔ شاید تبتی زبان ہو لیکن میں انہیں پوری طرح سمجھ رہا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ جب اس نے یہ الفاظ کہے، کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہوئی۔ آواز نہ صرف اس کے الفاظ نہیں تھی بلکہ آواز کا وجود ہی نہ تھا۔ نہ پرندوں کی چہچہاہٹ نہ درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ۔

میرے خیالات کو بھانپتے ہوئے اس نے کہا۔ ''تمہاری حیرانی اور الجھن کسی حد تک بجا ہے۔ ہم اس وقت اپنے مادی جسموں میں نہیں ہیں زبان و بیان کا تعلق مادی جسم سے ہوتا ہے۔ اظہار مدعا کے لیے زبان و آواز کی ضرورت مادی جسم کے لئے ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے بات چیت کرتے ہیں۔''

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر درخت کے نیچے پڑے ہوئے میرے جسم کو دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کی طرف نظر اٹھی تو لامہ نے مسکرا کر کہا۔ ''تم یہاں میری آمد اور موجودگی پر حیران ہو رہے ہو۔ میں ابھی اپنا جسم تبت میں چھوڑ کر تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ مجھے یہاں اس لیے آنا پڑا کہ ہمارے ایک ساتھی کو تمہارے جسم کی ضرورت ہے ہمارے پاس بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے ایک ایسا مشن ہے جو ہمارے ایک ساتھی کو انجام دینا ہے۔ اس کا اپنا جسم شدید محنت و مشقت دکھ اور مصائب سے ناکارہ ہو چکا ہے۔ ہم ایک ایسے جسم کی تلاش میں تھے جو زیادہ سے زیادہ ممکنہ حد تک اس کے جسم و حالات سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہم نے اپنے وسائل سے کام لیتے ہوئے تمہاری دریافت کی۔ اب میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔''

میں حیران پریشان اس کی طرف دیکھنے لگا مجھے یہ شخص سر پھرا اور پاگل نظر آیا۔ انہیں میرے جسم کی ضرورت تھی؟ تو کیا مجھے اپنے جسم کی ضرورت نہیں؟ کیا مضحکہ خیز بات ہے یہ؟ اس پر ستم یہ کہ ان لوگوں نے زبردستی مجھے میرے جسم سے الگ کر کے یہاں بلایا ہوا ہے میں جاتا ہوں واپس......''

لیکن لامہ میرے خیالات کو بھانپ چکا تھا۔ اس نے میری سوچ کو منقطع کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں اب زندگی سے کیا توقعات ہیں۔ کس لئے زندہ رہنا چاہتے ہو؟ بیمار رہنے کے لئے؟ ہر وقت غمین واداس رہنے کے لئے؟ اور یہ سب کچھ جھیل کر پھر مر جانے کے لئے؟ کیا دیا تمہیں زندگی نے؟ ذرا غور تو کرو!“

میں نے لمحہ بھر کے لئے اپنی گزشتہ زندگی پر غور کیا، مجھے ناکامیوں نامرادیوں کے سوا کچھ نہ ملا تھا۔ قدم قدم پر غلط فہمیاں الجھنیں...... واقعی مجھے زندگی نے کچھ نہ دیا تھا۔ لامہ جو میرے خیالات پڑھ چکا تھا پھر بولا۔ ”کیا تمہارے لئے یہ اطمینان باعث سکون نہ ہوگا کہ تم نے انسانیت کی بہتری کے لئے ایک بڑے مقصد کے لئے اپنا جسم دیا ہے۔ اور تم دنیا کے کام آئے ہو۔“

میں نے جھلا کر کہا۔ ”دنیا میرے کب کام آئی ہے جو میں اس کے کام آؤں؟“

لامہ مسکرا کر بولا۔ ”اس دنیا میں رہتے ہوئے اس محدود جسم میں پھنسے ہوئے تمہیں یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط جزو کو چھوڑ کر کل میں جذب ہو گئے تو پھر تمہیں حقائق واضح ہو کر نظر آئیں گے۔ تمہیں احساس ہوگا کہ تمہیں دنیا میں کیا کرنا چاہیے تھا اور تم کیا کرتے رہے۔ مجھے تمہارا جسم اپنے لئے نہیں چاہئے بلکہ ہم ایک ٹیم کی طرح کام کر رہے ہیں۔“

میں نے کہا ”تو پھر میں کیا کروں؟ یوں آسیب کی طرح تو میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔“

اس لامہ کی شخصیت میں کچھ ایسا اثر تھا۔ ایسی معقولیت تھی کہ مجھے اس کی ہر بات پر یقین تھا مجھے اس کی ہر بات میں ذرا بھی شبہ نہ تھا کہ وہ مجھ سے میرا جسم لے سکتا تھا اور مجھے کائنات کے سی اور گوشے میں بھیج سکتا تھا لیکن اس ساری بات کے متعلق میں ابھی بہت کچھ چاہتا تھا، اتنا بڑا اقدام کرنے سے پلے میں مزید جاننا چاہتا تھا کہ میں جو کچھ کرنے لگا ہوں۔ یہ کوئی عقل کا کام بھی ہے۔

”میرے بھائی...... لامہ پھر مسکرا کر بولا...... قدرت تمہیں اس کا بہت بڑا اجر دے گی۔ تمہارے وہ اعمال جو قابل سزا ہیں اس بڑے کام کے بدلے میں دھو دیئے جائیں گے

اور تمہیں کائنات کے ایسے حصے میں بھیج دیا جائے گا۔ جہاں تمہاری سرگرمیوں کے لئے میدان عمل بالکل مختلف ہوگا، تمہاری پسند کا...... بہت دلچسپ لیکن تمہاری رضامندی اور ارادے کے بغیر تمہارا جسم نہیں لیا جا سکتا۔ یہ خوشی کا کام ہے۔ زبردستی کا نہیں۔“

سچی بات یہ ہے کہ یہ سارا چکر مجھے پسند نہ تھا۔ یہ جسم جس میں میں چالیس سال سے تھا میں کیوں چھوڑ دوں۔ کیوں کسی کو دے دوں۔ بڑی ہی عجیب سی بات معلوم ہو رہی تھی یہ۔ پھر مجھے اس تصور سے وحشت سی ہو رہی تھی کہ میری بیوی کسی اور ہی شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوگی لیکن اسے بالکل پتہ نہ چلے گا کہ وہ میں نہیں ہوں بلکہ میرے جسم میں کوئی اور شخص ہے۔

اب لامہ نے میری طرف خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں بنی نوع انسان کے لئے کوئی بڑا کام کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں؟ کیا تم اپنی اس بیکار زندگی کو کسی بڑے مقصد کے لئے قربان کر کے اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی نہیں کرنا چاہتے؟ یقین جانو تم فائدے میں رہو گے۔ اور ہمارا جو ساتھی تمہارے جسم کو اپنائے گا تمہارے تمام دکھ تکلیف اور کشمکش اس کو منتقل ہو جائیں گے۔“

میں نے پہلے اردگرد دیکھا، پھر درخت کے نیچے پڑے ہوئے اپنے جسم کو دیکھا پھر مجھے خیال آیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کتنی تلخ زندگی گزاری ہے میں نے۔ اب میں اس زندگی سے پرے ہوں۔ کیوں نہ اس دکھ بھری دنیا کو چھوڑ دوں۔ میں نے لامہ سے کہا۔ ”ٹھیک ہے پہلے آپ مجھے اس مقام کی یا اس زندگی کی ذرا سی جھلک تو دکھائیں جہاں آپ مجھے بھیجنا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آسمان سے گرا کھجور اٹکا۔ اگر وہ جگہ مجھے پسند ہوئی تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔“

میری بات ختم نہ ہوئی تھی کہ میں نے اپنے آپ کو ایک سنہری فضا میں پایا۔ اتنی خوبصورت جگہ تھی کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا اس دنیا میں جو تاثرات ہم برسوں کے مشاہدے کے بعد لیتے ہیں وہ یہاں میں چند لمحوں میں اخذ کر چکا تھا۔ میں نے یہاں اتنا سکون قلب حاصل کیا کہ میں نے لامہ سے کہہ دیا کہ میں جلد از جلد اپنا دنیاوی جسم چھوڑ دینے کو تیار ہوں!!

میں اور بڈھا نابینا لامہ اپنا کام ختم کر چکے تھے۔ آسمانی اڑان سے واپس آنے سے بیشتر میں نے اس انگریز سے کہا۔ ''میں ایک مہینے کے بعد واپس آؤں گا۔ تمہیں چاہیے کہ اس وقت تک اپنی ڈاڑھی کم از کم میرے جتنی بڑھا لو اور اس سارے معاملے پر دوبارہ غور کر لو۔ اگر تم نے جسم چھوڑنے کے حق میں آخری فیصلہ کر لیا تو پھر میں تمہیں تمہارے جسم سے فارغ کر کے کائنات کے اس حصے میں بھجوا دوں گا جس کی ایک جھلک ابھی تم نے دیکھی تھی۔

میرے جواب پر اس انگریز نے سکھ کا سانس لیا۔ جب وہ آسمانی اڑان سے واپسی پر اپنے مادی جسم میں واپس جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر اطمینان و سکون تھا۔ میں اور بڈھا لامہ بھی آسمانی اڑان سے واپس ہوتے ہوئے اپنے مادی جسموں میں داخل ہونے کے لئے تبت کو چل دیئے۔ لیکن اپنے جسم میں داخل ہو کر میں نے جب ارد گرد نظر دوڑائی تو بڈھے لامہ کی لاش میرے پاس پڑی تھی جیسا کہ اس نے آکاش اڑان پر روانہ ہونے سے پہلے کہا تھا وہ اپنے جسم میں واپس نہیں آیا تھا۔ وہ جدوجہد کی کامیاب زندگی گزارنے کے بعد مسرت و انبساط کی دنیا میں مستقل طور پر رہنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ (۸)

* * *

مراقبہ

جسمانی، نفسیاتی اور روحانی عوارض کے لئے اکسیر

اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں کہ مراقبے پر تفصیلی مضمون پیش کروں گا۔ یہ وعدہ ایک تو اس خیال سے کیا تھا کہ پچھلے ماہ کے شمارے والا مضمون طویل ہو گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ مُدیر ''حکایت'' فون پر کئی بار کہہ چکے تھے کہ قارئین مراقبے کے مضمون کی فرمائش کرتے ہیں۔ شعبہ طب و نفسیات کی طرف سے جو خطوط مجھے بھیجے جاتے ہیں، ان میں بھی کئی ایک قارئین نے لکھا ہے کہ انہیں مراقبے کا کوئی سہل طریقہ بتایا جائے۔

میں وعدہ اور فرمائش پوری کرنے سے پہلے ایک بات کہنا چاہوں گا۔ اگر مراقبے کے خواہش مند اور حاجتمند قارئین میری یہ بات سمجھ لیں تو انہی پچاس فیصد افاقہ اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مراقبے کے متعلق اپنے پچھلے مضامین میں ہر بات پیش کر چکا ہوں۔ ہر پہلو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ اپنی کتاب ''مایوسی کیوں؟'' میں پورا ایک باب پیش کیا ہے۔ پھر بھی بعض قارئین تشنگی محسوس کرتے ہیں۔

ایسے قارئین کا اصل مسئلہ میں نے پچھلے شمارے (مئی 1998ء) میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے جو مختصراً یوں ہے کہ یہ لوگ بے ہمت اور شکست خوردہ ہو کر بیٹھ گئے اور ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ان میں جو نفسیاتی اور جسمانی نقائص اور کمزوریاں پیدا ہوئیں، ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ذرا سی بھی کاوش نہیں کی۔ اس کے نتیجے میں ان کی شخصیت کے ڈھانچوں کو دیمک کھاتی رہی۔ ان میں خود اعتمادی، قوت برداشت، قوت حافظ، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور قوت ارادی کمزور ہوتے ہوتے نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔

اس کے نتائج آپ کے سامنے ہیں بلکہ یہ نتائج ان کے لئے ایسا روگ بن گئے جن کا انہیں کوئی علاج نہیں سوجھتا اور وہ چلتی پھرتی لاشیں بن گئے ہیں۔ ان کے لئے مسرت و

شادمانی ناپید ہوگئی ہے، ترقی کے دروازے بند ہو گئے ہیں اور ریاست، مایوسیاں اور ناکامیاں ان کی قسمت میں لکھ دی گئی ہیں۔

یہ مایوس و نامراد لوگ علاج کے لئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ میں نے شمارہ مئی میں یہی تفصیلات پیش کی ہیں کہ اس قسم کے لوگ علاج کے لئے کیسے کیسے جھوٹے سہارے لیتے ہیں۔ مختصراً پھر عرض کر دیتا ہوں۔ ایک ہیں عامل، تعویذ دینے والے اور ''شاہ جی'' دوسرا ذریعہ فرار نشہ ہے، خصوصاً ''ٹرانکولائزر'' گولیاں۔ تیسرا ذریعہ ہے خودفریبی یعنی اپنے آپ کو بڑے ہی حسین خواب وخیال سے بہلاتے رہنا اور بیداری میں خواب دیکھتے رہنا۔ چوتھا ذریعہ تسکین ہے وی سی آر سے فلمیں دیکھتے اور فلمی گانے سنتے رہنا۔

پھر میں نے لکھا تھا کہ یہ لوگ طاقت کی محض بیکار، بے اثر بلکہ بعض کیسوں کے لئے نقصان دہ دوائیوں کے اشتہاروں کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ ان اشتہاروں کے الفاظ انہیں مسحور کر لیتے ہیں اور وہ ایک کے بعد دوسری دوائی کا استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو ان اشتہاری دوائیوں سے مایوس ہو کر اور بعض حضرات نقصان اٹھا کر زندگی سے مایوس ہو گئے ہیں اور خودکشی کی بات کرتے ہیں۔

خودکشی سے یاد آیا کہ کئی ذہنی مریض مجھے لکھتے ہیں کہ وہ خودکشی کا پکا ارادہ کر چکے ہیں اور اگر میں نے بھی انہیں مایوس کر دیا تو وہ خودکشی کر لیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا عارضہ قطعاً لاعلاج نہیں بلکہ علم نفسیات اسے عارضہ سمجھتا ہی نہیں۔ یہ ذہنی خلفشار ہے۔ اگر اسے ذہنی یا نفسیاتی مرض ہی کہنا ہے تو کہہ لیں پھر بھی یہ لاعلاج نہیں۔ ان کا مرض ان کے تخریبی رجحانات نے اور زیادہ بگاڑ دیا ہے۔

یہ تخریبی رجحانات ہیں غصہ، زودرنجی، مزاجی چڑچڑاپن، حسد، کینہ پروری، تنہا پسندی، کسی کے ساتھ بات کرنے سے گھبرانا اور اکتانا، پڑھائی اور دیگر کاموں اور معمولی فرائض سے بیگانگی اور بیزاری اور سوچیں مایوس کن اور Negative یعنی ہر بات، بلکہ خوشگوار بات اور واقعہ کا بھی تاریک پہلو دیکھنا۔ ہنسنے مسکرانے والی بات پر بھی منہ بسور لینا۔

ایک اور بات ذہن میں رکھ لیں جو علاج کے سلسلے میں بہت ضروری ہے۔ اپنے علاج کے خواہشمند ایک غلطی تو یہ کر رہے ہیں کہ اشتہاری دوائیوں کے چکر میں آ گئے اور دوسرے وہ ہیں جو جاتے تو ڈاکٹروں کے پاس ہیں لیکن اصرار یہ کرتے ہیں کہ پہلے انہیں بتایا جائے کہ یہ ہے کیا!

ڈاکٹر انہیں بتاتا ہے کہ یہ ہے کیا تو وہ کہتے ہیں...... ''لیکن ڈاکٹر صاحب! میں نے تو ایسے آدمی دیکھے ہیں جو ایسی ہی محرومیوں اور ایسے ہی احوال وکوائف میں زندگی گزار رہے ہیں لیکن ان کی حالت مجھ جیسی نہیں ہوئی۔ میری بیماری کچھ اور ہی ہے۔''

وہ ایک ڈاکٹر سے مطمئن نہیں ہوتے اور ایک ایک مہینے میں تین تین چار چار ڈاکٹر بدلتے ہیں۔ کسی ایک ڈاکٹر کو علاج کا موقع نہیں دیتے۔ اس طرح وقت بھی ضائع کر رہے ہیں اور پیسے بھی اور جسمانی اور نفسیاتی صحت تباہ کر رہے ہیں۔

انہیں میں یہی کہوں گا کہ اپنے ڈاکٹر خود بننے کی کوشش نہ کریں۔ کسی ایک مستند اور تجربہ کار ڈاکٹر سے ٹک کر علاج کروائیں۔ اس سے زیادہ صحیح مشورہ تو یہ ہے کہ آپ کا علاج آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ضرورت ہے آپ کی اپنی جدوجہد کی، ہمت اور استقلال کی۔

یہ سب ذہن کا فتنہ وفتور ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ اپنے ذہن کو لگام ڈالیں اور اسے اپنے قابو میں لیں۔ یہ کام آسانی نہیں لیکن ایسا ناممکن نہیں کہ آپ کر ہی نہ سکیں۔ وہ لوگ جن کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ آپ جیسے ہی حالات میں خوش وخرم رہتے ہیں اور ہر محفل میں ان کی پذیرائی ہوتی ہے، وہ عقل والے ہیں، اس حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ذہنی فتور ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا رویہ صحت مند اور مثبت Positive اختیار کر رکھا ہے۔ غور کریں، کوئی کہتا ہے مجھے زندگی میں بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے زندگی میں مجھے بڑے خوشگوار تجربات ہوئے ہیں۔ اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ ایک ہی جیسے واقعات کو بعض لوگ تلخ، تجربات اور بعض خوشگوار تجربات کہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ تجربے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو فلاں واقعہ پیش آیا بلکہ یہ کہ آپ اس واقعہ کے ساتھ کس

طرح پیش آئے۔ یوں کہہ لیں کہ تجربہ یہ نہیں کہ حالات وحادثات کا آپ کے ساتھ رویہ کیا رہا بلکہ یہ کہ حالات وحادثات کے ساتھ آپ کا رویہ کیا رہا۔ تجربے کے تلخ یا خوشگوار ہونے کا انحصار آپ کے اپنے رویے پر ہے۔

رویہ ذہن کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے جو آپ کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ آپ کے حالات کیسے ہی ناگوار بلکہ ناقابل برداشت پلٹا کیوں کیوں نہیں کھا جائیں اور آپ کے قابو سے باہر ہو جائیں تو حالات کو قابو میں لانے کی بجائے پہلے اپنے ذہن کو قابو میں لیں۔ اس وقت آپ اپنے جن جسمانی، نفسیاتی یا دیگر مسائل سے دوچار ہیں وہ اتنے پیچیدہ اور لاینحل نہیں جتنا آپ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ آپ کا ذہن ہے جو Magnifying Glass بنا ہوا ہے اور چھوٹی سی چیز بھی اس کے اصل سائز سے بہت بڑی دکھا رہا ہے۔

پھر ضرورت کیا ہے؟ علاج کیا ہے؟ یہ کہ ذہن اپنے کنٹرول میں لائیں۔ اس کا بہترین اور واحد طریقہ مراقبہ ہے۔ اگر میرے مضامین آپ باقاعدگی سے ڑھتے رہے ہیں تو آپ بھولے نہیں ہوں گے کہ میں نے وظائف کی اہمیت اور افادیت پہلے بھی بتائی ہے۔ وظیفہ ذہن کو بھٹکنے اور منتشر ہونے سے روکتا ہے، آپ کا ذہن آپ کے قابو میں آتا ہے اور روحانی قوتیں بیدار ہوتی ہیں بشرطیکہ وظیفہ اس طرح یکسوئی سے کریں جس طرح میں نے بتایا ہے۔

وظیفے سے اگلی سٹیج مراقبہ ہے۔

مراقبے کے بیان سے پہلے یہ بتادوں کہ ذہن کو ہو کیا جاتا ہے، اور یہ بھی کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ بعض لوگ انتہائی برے حالات میں ثابت قدم اور خوش وخرم رہتے ہیں اور بعض لوگ حالات کا ہلکا سا جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ذہن لاشعور آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ اس میں بچپن سے اچھے برے اثرات، محرومیاں، تلخیاں، ناکام خواہشات، ٹوٹے ہوئے ارادے، دوسروں کے ظلم وستم وغیرہ بھرنے شروع ہوتے ہیں۔ اچھی باتیں

بھی ذہن لاشعور میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔

انسان سمجھتا ہے کہ وہ بچپن اور لڑکپن کی اچھی بری باتیں بھول گیا ہے لیکن وہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ اس کے اعمال وافعال، کردار وگفتار، عمل اور ردعمل، حالات وواقعات، ورلوگوں کے متعلق رویہ ذہن لاشعور کے زیر اثر اور تابع ہوتا ہے۔ یہ ایسے جسمانی اور ذہنی عوارض کا باعث بنتا ہے جن کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ دل پر جوانجانا خوف طاری رہنے لگتا ہے، جو ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، غصہ، زودرنجی اور ایسے اور جو نقائص اور جو نقصان دہ عادات پیدا ہو جاتی ہیں، یہ سب ذہن لاشعور کی زمین دوز اور پس پردہ کارستانی ہوتی ہے۔

پھر جو انسان نفسیاتی مریض ہو جاتا ہے یا اپنے آپ کو نفسیاتی مریض سمجھنے لگتا ہے وہ اپنی ذات میں ایک ایسی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے جسے وہ نہیں سمجھ سکتا، اسے محسوس کرتا اور بے چین رہتا ہے۔ اس میں یہ خطرناک اثرات اور رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذات میں کھو جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ اپنی ذات کے خول میں قید ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے تو صرف اپنے متعلق، دلچسپی لیتا ہے تو صرف اپنے آپ سے، اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے، اپنی خرابیوں کو وہ خوبیاں کہتا ہے اور دوسروں کی خوبیاں اسے خرابیاں نظر آتی ہیں۔

وہ بے معنی، بے مقصد، منفی اور غیر تعمیری سوچوں میں الجھا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس میں دنیا بھر کے نقائص پیدا ہو جاتے ہیں جن میں مسلسل بے چینی اور اضطراب، خوف اور خطرے، احساس کمتری اور بدمزاجی، وہم اور خبط اور دل کی تیز دھڑکنیں خاص طور پر قابل ذکر اور بڑے ہی اذیت ناک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایسا انسان اخلاقی قدروں کی پابندیاں ترک کر دیتا ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں وہ بے دھڑک جھوٹ بولتا ہے۔

سب سے بڑا نقصان دہ رجحان یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو روکنے اور باز رکھنے کے باوجود ذہنی جنسی لذت پرستی کی طرف چلا جاتا ہے جس سے جنسی انحراف شروع ہو جاتا ہے۔ اسے خودلدتی کہتے جس کے متعلق میں نے سب سے زیادہ لکھا ہے۔ یہ رجحان جب عملی طور پر عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان

لڑکے بھی لڑکیاں بھی اس سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور پریشان بھی کہ وہ جسمانی توانائی سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

اپنے ہاتھوں سے جسمانی توانائی سے محرومی کا احساس آدمی کو Neurosis جیسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے اثرات یہ ہوتے ہیں کہ آدمی عقلی اور حقیقی سوچوں کو قبول ہی نہیں کرتا۔ بے معنی اور بے بنیاد خیالوں میں الجھا رہتا ہے۔ پریشان ہوتا اور لوگوں سے دور تنہا رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں اس موضوع پر زیادہ نہیں لکھوں گا کیونکہ اپنے مضامین اور کتابوں میں اس پر میں نے بہت زیادہ لکھا ہے، پھر اس لئے بھی زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ جو قارئین اس عارضہ یا اس کیفیت میں مبتلا ہیں وہ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہاں بھی اس ذہنی کیفیت سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتانے چلا ہوں۔

میں ایک بات اور کہہ لوں پھر مراقبے کے موضوع پر آؤں گا۔ کچھ لوگوں میں دین اسلام یعنی مذہب سے بیزاری پیدا ہوگئی۔ وہ اللہ کی ذات سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں سے رسالت کی تعظیم و تکریم بھی نکل گئی ہے۔ صوم و صلوٰۃ کو وہ بے معنی سمجھتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے لئے یہ اذیت پیدا کر رکھی ہے کہ شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ مذہب سے بیزاری اللہ سے مایوسی، رسالت اور صوم و صلوٰۃ پر عدم اعتماد گناہ ہے اور وہ اس گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ نتیجتاً یہ کہ یہ احساس گناہ کبیرہ کا احساس بن کر ان کے ضمیر کو کچل رہا ہے اور ضمیر کا ردعمل یہ ہے کہ انہیں دن کو چین نہیں اور رات کو نیند نہیں آتی۔

کوئی مولوی یہ بات سنے تو کفر کا فتویٰ داغ دے اور قرآن کی کئی ایک آیات اور چند ایک احادیث سنا ڈالے۔ یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے اور یہ ایک خاص پس منظر میں خاص قسم کے عناصر کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے اور اس کا علاج فتویٰ اور وعظ نہیں اس کا علاج علم نفسیات میں ہے۔

ان تمام ذہنی کیفیات کا علاج جو میں نے بیان کی ہیں، سمجھنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ

علاج سے ہم نے کیا نتائج حاصل کرنے ہیں۔ بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ذہنی یا نفسیاتی مریض اپنے آپ کو اپنی ذات کی قید سے آزاد کرے اور وہ توجہ جو وہ ہمہ وقت اپنے آپ پر مرکوز رکھتا ہے، اس کا رخ دوسروں کے مسائل اور دکھ درد بھولتا جائے گا۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ دوسرے لوگ کیسی کیسی اور کتنی زیادہ محرومیوں اور مایوسیوں سے دوچار ہیں تو وہ تسکین محسوس کرے گا کہ لوگوں کے مقابلے میں وہ بہتر پوزیشن میں ہے۔

اس کے علاوہ نفسیاتی مریض میں وہ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے جو مایوسیوں اور ہر لمحہ کے رنج و ملال سے نکال کر مسرت اور مسکراہٹیں عطا کرتے ہیں۔

بہترین اور واحد علاج مراقبہ ہے۔ اس کے لئے ایک کمرہ درکار ہے۔ جس میں آپ کو تنہائی اور خاموشی میسر آ سکے لیکن ہر کسی کو ایسا کمرہ نہیں مل سکتا۔ رات کو چھت پر چلے جائیں یا کہیں باہر ایسی جگہ دیکھ لیں جہاں شور و غل نہ ہو اور کوئی شخص دخل اندازی نہ کر سکے۔ مطلب یہ کہ تنہائی مل جائے تو اچھا ہے۔

تیسرا مشورہ یہ ہے کہ یہ مراقبہ مسجد میں بیٹھ کر کر لیں۔ یہ کوئی عام قسم کی ورزش نہیں جس سے مسجد کی بے ادبی ہوگی، یہ اللہ کے نام کا مراقبہ ہے جسے اولیائے کرام نے ”مراقبہ اسم اعظم“ کا نام دیا ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں۔ بایاں پاؤں ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ران پر رکھ لیں۔ پاؤں کا تلوہ اوپر کو ہو۔ دونوں بازو اس طرح گھٹنوں پر رکھیں کہ کلائیاں گھٹنوں پر ہوں۔ (تصویر دیکھ لیں) ریڑھ کی ہڈی اور گردن ایک سیدھ میں ہوں اور کندھے اپنی قدرتی پوزیشن میں ہوں۔

اگر آپ کا پیٹ اتنا زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ اس پوزیشن میں آرام دہ طریقے سے نہ بیٹھ سکیں تو دوزانو (التحیات کی پوزیشن میں) بیٹھیں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں۔

آنکھیں بند کر لیں۔ جسم کو بالکل ڈھیلا کر دیں۔ سر سے پاؤں تک ذرا سا بھی کھچاؤ نہ ہو۔ ذہن سے تمام تلخیاں اور مایوسیاں نکال دیں۔ کوشش کریں ذہن بالکل خالی ہو جائے۔

ذہن چند سکینڈ سے زیادہ خالی نہیں رہے گا۔ کوشش کریں زیادہ سے زیادہ دیر تک خالی رہے لیکن نہایت ضروری بات نوٹ کرلیں۔ کوشش کے باوجود اِدھر اُدھر کے خیالات ذہن میں آئیں تو ان کے خلاف لڑائی جھگڑا نہ کریں ورنہ آپ پریشان ہوں گے اور مراقبے کی اصل روح مجروح ہوگی۔ صرف یہ کریں کہ ان ناپسندیدہ خیالات کو اہمیت نہ دیں نہ ان کی طرف توجہ کریں۔ آپ ہر روز مشق کریں گے تو ذہن کو خالی رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

منہ بند کر کے ناک کے راستے سانس آہستہ آہستہ اندر کو لیں اور تصور میں دیکھیں کہ فضا سے توانائی کی شعائیں یا شرارے آپ کے جسم میں داخل ہو رہے ہیں...... میں یہ سبق آپ کو سال ہا سال سے دیتا آ رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے قارئین اسے مذاق یا بے مقصد بات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس تصور سے کئی خواتین وحضرات نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ تصور میری اختراع نہیں بلکہ یہ عمل نفسیات کا ایک اصول اور ایک کرشمہ ہے۔ کر کے دیکھیں۔

پھیپھڑے ہوا سے بھر جائیں تو سانس روک لیں۔ جب دیکھیں کہ آپ اس سے زیادہ سانس نہیں روک سکتے تو اپنے ایک ہاتھ کا انگوٹھا دائیں نتھنے پر رکھ کر اتنا دبائیں کہ نتھنا بند ہو جائے۔ آہستہ آہستہ بائیں نتھنے کے رستے سانس باہر نکالیں اور تصور میں دیکھیں کہ آپ کے ذہن سے تمام زہریلا مواد نکل رہا ہے جس نے آپ کی زندگی کو جہنم بنا رکھا تھا۔ یہ بھی کہ جو خوف آپ کے دل پر غالب آیا رہتا ہے وہ بھی نکل رہا ہے۔ اپنے آپ کو یقین دلائیں کہ سانس جو آپ کے اندر جاتا ہے وہ آپ کے ذہن لاشعور سے اور آپ کے وجود کے اندر سے مایوسیاں، شکست کا تاثر اور دیگر تمام تخریبی مواد اکھاڑتا ہے اور یہ سانس کے ساتھ باہر آ جاتا ہے۔

ایک بار آپ نے سانس لے کر بائیں نتھنے سے نکال دیا تو چند سیکنڈ وقفہ دیں۔ اس کے بعد پھر یہ عمل کریں ناک کے راستے سانس لیں اور دایاں نتھنا انگوٹھے سے دبا کر بند کرلیں اور بائیں نتھنے سے سانس باہر نکالیں۔ تصور جو میں نے بتایا ہے یہ لازمی طور پر قائم رہے اور اس پر یقین کریں۔

یہ عمل کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ کریں۔

اب آپ مراقبہ اسم اعظم کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ اس پوزیشن میں تھک گئے ہوں تو اٹھ کھڑے ہوں۔ ٹانگیں سیدھی کرلیں اور ذرا ستالیں لیکن یہ وقفہ ایک اور ڈیڑھ منٹ سے زیادہ لمبا نہ ہو۔

مراقبہ اسم اعظم کے سلسلے میں بتاتا ہوں کہ انسان کا ذہن لاشعور ایک ماہر نفسیات بلکہ علم نفسیات کے ایک سائنس دان سیگمنڈ فرائیڈ کی دریافت ہے۔ اس دریافت سے نفسیاتی طریقہ علاج (سائیکوتھیراپی) شروع ہوا اور نفسیاتی مریض نارمل اور صحت مند ذہنی حالت میں آنے لگے۔

سیگمنڈ فرائیڈ کا ایک ہم عصر جرمنی کا رہنے والا ماہر نفسیات ژنگ تھا۔ اس نے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے یہ کہا کہ بیشتر نفسیاتی امراض کا باعث مذہب سے بیزاری اور بے اعتمادی ہے اور خدا سے مایوسی فرائیڈ نے اس کی پرزور تائید کی تھی۔

میں یہ بات شروع سے کہتا چلا آ رہا ہوں کہ ہمارے نوجوانوں کی نفسیاتی تباہی کی اصل وجہ مذہب سے بیزاری اور احکامات الٰہی سے انحراف ہے۔ میں نے نفسیات کے ان دو عالموں کے حوالے اس لئے دیئے ہیں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ علم نفسیات کی تحقیق ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

مراقبہ اسم اعظم کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا تھا کہ دل کو اللہ کی طرف راغب کرتا ہے اور ذہن و دل میں سکون واطمینان پیدا کرتا ہے اور نفسیاتی عوارض کا بہترین علاج ہے۔ آپ اپنے طلباء سے یہی مراقبہ کرایا کرتے تھے۔

یہ مراقبہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ پھر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں یا التحیات کی پوزیشن میں دو زانو ہو جائیں جیسے پہلے ہوئے تھے اور آپ نے سانس لینے اور چھوڑنے کا عمل کیا تھا۔ ایک بار پھر ذہن کو خالی کر دیں اور پھر ہر وقت جو یاسیت اور نامرادی کی کیفیت طاری رہتی ہے اسے کچھ دیر کے لئے جھٹک دیں۔ اپنی سانسوں کو نارمل حالت میں آنے دیں۔

ناک کے راستے اندر کو لمبا سانس لیں، آہستہ آہستہ پھیپھڑے بھر جائیں تو سانس روک لیں اور توجہ اپنے دل کے مقام پر مرکوز کر لیں۔ تصور میں دیکھیں کہ آپ کے دل کے مقام پر لفظ اللہ لکھا ہوا ہے اور اس سے اس طرح شعاعیں نکال رہی ہیں جس طرح دھوپ میں رکھے ہوئے کانچ کے ٹکڑے سے نکلا کرتی ہے۔ یوں کہہ لیں کہ اللہ کا لفظ چمک رہا ہے۔ اس دوران ذہن میں کوئی خیال آئے تو اس کی طرف توجہ نہ دیں نہ ہی اس کوشش میں الجھ جائیں کہ اس خیال کو ذہن سے نکالنا ہے۔ اپنا پورا دھیان دل پر لکھے ہوئے لفظ اللہ پر مرکوز رکھیں۔ آنکھیں بند رکھیں۔

آپ نے سانس روکا ہوا ہے اور ابھی تین چار سیکنڈ ہی گزرے ہیں۔ سانس منہ کے راستے آہستہ آہستہ باہر نکالیں۔ اب ایک نتھنا بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عمل پانچ یا سات مرتبہ کریں۔ ہر بار توجہ دل پر لکھے اور چمکتے ہوئے لفظ اللہ پر مرکوز رکھیں۔

ذرا ستا لیں۔ ٹانگیں سیدھی کر لیں اور پھر اسی پوزیشن میں بیٹھ جائیں جس میں پہلے بیٹھے تھے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ دل کے مقام پر لکھے ہوئے الفاظ اللہ کو تصور میں لے آئیں۔ تین بار اللہ، اللہ، اللہ کہیں، اور زبان تالو سے لگا دیں۔ اب یوں تصور میں دیکھیں کہ آپ کے دل سے آواز اٹھ رہی ہے ..... ''اللہ، اللہ، اللہ'' کوشش کریں کہ اپنے دل کی یہ آواز آپ کو سنائی دے۔

یہ آواز صرف تین مرتبہ ہی نہ آئے بلکہ آپ کا دل اس ورد یعنی اللہ کو جاری رکھے اور آپ اتنی یکسوئی پیدا کریں کہ یہ ورد آپ کو سنائی دیتا رہے۔ اس دوران قدرتی طریقے سے سانس لیتے رہیں۔ جب تھکن محسوس کرنے لگیں تو یہ عمل ختم کر دیں۔ روز بروز وقفہ دو سیکنڈ بڑھاتے جائیں۔ ضرورت یہ ہے کہ تصور اور یکسوئی نہ ٹوٹے۔

اس مراقبے کے متعلق کچھ ضروری باتیں نوٹ کر لیں۔ ایک یہ کہ ابتدا میں آپ کا ذہن خالی نہیں ہوگا۔ خیالات بار بار یلغار کریں گے۔ کوشش جاری رکھیں۔ گھبرا کر یہ مراقبہ ترک نہ کر دیں۔ اسی طرح تصور بھی زیادہ دیر قائم نہیں رہے گا۔ کچھ دنوں تک آپ اس میں بھی

کامیاب ہو جائیں گے اور آپ کو لفظ اللہ سنائی دے گا۔

اس خوش فہمی میں اپنے آپ کو مبتلا نہیں کرنا کہ یہ کسی عامل کا بتایا ہوا وظیفہ ہے اور اس سے آپ لوگوں کی بگڑی فوراً سنور جائے گی اور معجزہ رونما ہوگا۔ اپنے ذہن میں یہ یقین پیدا کر لیں کہ یہ مراقبہ آپ کے نفسیاتی عوارض کا علاج ہے۔ آپ کو اس ذہنی اذیت سے نجات مل جائے گی جس میں آپ مبتلا رہتے ہیں۔ آپ کی صلاحیتیں اور روحانی قوتیں بیدار ہو جائیں گی پھر آپ کو اپنے مسائل اور پریشانیوں کا حل اپنے آپ نظر آ جائے گا۔ یقین جانیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی بھی کرے گا اور مدد بھی یہ آپ کا روحانی علاج ہے۔

میں ایک بار پھر کہوں گا کہ یہ مراقبہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں الگ تھلک بیٹھ کر کریں۔ اگر آپ کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو کوئی اور موزوں جگہ دیکھ لیں۔

صرف مراقبے پر ہی اکتفا نہ کریں۔ اپنے روزمرہ معمولات میں باقاعدگی پیدا کریں۔ صبح کی ورزش اور سیر بہت ضروری ہے۔ تنہائی سے بچیں۔ دوسروں سے ملیں، ان کی سنیں اور اظہار ہمدردی کریں۔ مطلب یہ کہ اپنی روزمرہ زندگی Regulate کریں۔

آپ کو مراقبے کی سائنسی تحقیق بھی بتا دیتا ہوں۔ انسان جب اپنے آپ کو مختلف خونوں Phobias یا انجانے خوف میں، اینگزائٹی Anxiety اور ٹینشن میں یا ان میں سے کسی ایک میں مبتلا کر لیتا ہے تو جسم میں ایک تیزاب پیدا ہو جاتا ہے جسے Lacticacid کہتے ہیں۔ یہ جسم میں کئی خرابیاں پیدا کرتا ہے اور یہ خرابیاں جسمانی امراض صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ مریض ان امراض کا علاج کرانے لگتا ہے مگر کوئی ڈاکٹر نہیں جان سکتا کہ ان امراض کا اصل باعث کیا ہے۔ لیکٹک ایسڈ کو ختم کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ذہن اور جسم کو مکمل طور پر قدرتی حالت میں پرسکون Relaxed رکھا جائے۔ اس کا طریقہ صرف مراقبہ ہے جو آپ میں جسم کو ریلیکس رکھنے کی عادت پیدا کر دے گا۔

سائنس دانوں نے کچھ آدمیوں کی مراقبے کی حالت میں Eeg کی ہے۔ یہ ایک آلہ ہے جس نے دماغ کی کارکردگی اور دماغ سے نکلنے والی لہریں ناپی جاتی ہیں۔ اس آلے کو

Gram Electroencephalo کہتے ہیں۔ اس کا مخفف Eeg ہے۔ اس آلے سے سائنسدانوں نے معلوم کیا ہے کہ مراقبے کی حالت میں انسان کا جسم سو فیصد قدرتی طور پر ڈھیلا اور پرسکون (ریلیکس) ہو جاتا ہے اور دماغ سے تھیٹا بڑی لہریں Thet awaves نکلنے لگتی ہیں۔

ان لہروں کا نکلنا یہ ثبوت ہونا ہے کہ ذہن اور جسم میں ذرا سا بھی تناؤ، دباؤ اور کھچاؤ نہیں اور جسم میں لیکٹک ایسڈ کی اتنی کمی واقع ہوگئی ہے جو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نفسیاتی امراض اور جسمانی کمزوریوں کا بہتر یا اور تیز علاج مراقبہ بتایا جاتا ہے۔ اس سے جسم میں لیکٹک ایسڈ اتنا کم رہتا ہے کہ انسان نفسیاتی اور جسمانی صحت مندی حاصل کرنے لگتا ہے۔ (۹)

* * * * *

شخصی مقناطیسیت
روحانیت کے نکتہ نظر سے

انسان قدرت کا شاہکار اور خدا کی عظیم تخلیق ہے اسے سمجھنے کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ خدا نے اسے دماغ عطا کیا ہے لیکن دماغ کرا ئیکنگ اتھارٹی بنایا ہے۔ اس کے اوپر ایک کمانڈنگ اتھارٹی ہے جسے ذہن کہتے ہیں۔ دماغ بدن کا حصہ ہے اور ذہن بدنی نہیں۔

انسانی بدن کی حرکات ایک تو ظاہری ہوتی ہیں اور دوسری پوشیدہ۔ ظاہری حرکات از خود ہوتی ہیں۔ یہ حرکات یا حسب الحکم ہوتی ہیں یا حسب منشاء حکم یا منشا ذہن ہی کا ہوتا ہے۔ پوشیدہ حرکات میں شخصی مقناطیسیت کا نظام، وائرلیس سسٹم، پیغام دینے اور وصول کرنے کا نظام اور ریڈیائی لہریں بھی شامل ہیں جنہیں لاسلکی لہریں کہا جا سکتا ہے۔ انسان کے اندر دو قسم کے احساسات پائے جاتے ہیں۔ محبت اور نفرت۔

قدرت نے انسان کو جو ہتھیار عطا کیے ہیں ان کی بھی دو اقسام ہیں۔ باطنی یا پوشیدہ ہتھیاروں میں شخصی مقناطیسیت، فریکوئینسی اور ریڈیائی لہریں ہیں جب کہ ظاہری ہتھیاروں میں ہاتھ، پیر، دانت اور دیگر نظر آنے والے بدنی اعضاء شامل ہیں۔ اپنی پوشیدہ طاقتوں سے نابلد انسان توہمات کا شکار رہتا ہے۔ وہ اپنے بدن کو کتنا ہی طاقتور کیوں نہ بنالے پھر بھی بزدل اور ڈرپوک رہتا ہے۔

اگر حوادث زمانہ کے ہاتھوں بدن میں کوئی نقص نہ پڑ جائے یا باقاعدگی سے ورزش کی جائے اور مضر صحت خوراک سے پرہیز کیا جائے تو اس سے بدن میں طاقت، صحت اور سڈول پن پیدا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح ذہن کے لئے بھی کچھ ورزشیں ہیں اور ذہن کی ایک خوراک ہے جو اسے صحت عطا کرتی ہے، اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جائے یا ان سے

بے اعتنائی برتی جائے تو قوت ارادی، مقناطیسیت اور ٹیلی پیتھی کی طاقت میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ ذہن کمزور ہو تو یہ جسم کو بھی کمزور کرے گا خواہ جسم کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔

انسان اور حیوان میں یہ فرق ہے کہ حیوان کا شعور بہت ہی محدود ہوتا ہے اور اس کی مقناطیسیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوان کا ذہن نہیں ہوتا۔ پرندوں میں اتنا شعور ضرور ہے کہ مرغی خطرہ محسوس ہوتے ہی اپنے بچوں کو پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے اور پرندے اپنے لئے گھونسلے بنا لیتے ہیں۔ بعض پرندوں میں شعور ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً مرغابیاں اور دوسرے پرندے جو ایک ملک سے دوسرے ملک کو نقل مکانی کرتے ہیں، انہیں منزل کی سمت اور فاصلے کا شعور ہوتا ہے۔ اسی طرح پرندے اپنی مقناطیسی قوت کو استعمال کرتے ہیں مگر اپنی ذہنی قوتوں کو اس حد سے زیادہ استعمال نہیں کر سکتے نہ ہی اس طاقت کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے برعکس انسان کی ذہنی قوتوں اور مقناطیسیت کی کوئی حد نہیں۔ انسان جتنی محنت کرے، ان طاقتوں کو اتنا ہی بڑھا سکتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ خدا کی اس عظیم تخلیق کو جسے انسان کہا گیا ہے سمجھنے کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے آپ کو اپنی عقل کا ذرہ ذرہ استعمال کرنا پڑے۔ مگر آپ اپنے آپ کو ہی نہیں سمجھ سکتے تو یہ ایک ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ ایک نامکمل انسان ہیں۔ اگر آپ "نامکمل" ہیں تو آپ کی کمانڈنگ اتھارٹی یعنی ذہن کسی تخریبی قوت یا خیال کے زیر اثر ہے۔ جب آپ انسان کے اسرار پر سے پردہ اٹھا لیں گے تو آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے...... اور تو اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلائے گا!

آپ شاید من و سلویٰ کو، کار اور کوٹھی اور بیش قیمت لباس کو اپنے رب کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے ہوں گے لیکن میرا اشارہ جس نعمت کی طرف ہے وہ انسان کی مقناطیسیت ہے۔ اگر انسان اس کی طاقت کو بحال کر لے تو اس کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ قوت ارادی ایک

اور نعمت ہے جس نے سرکش دریاؤں کے آگے بند باندھے اور پہاڑوں کے جگر چاک کیے ہیں لیکن یہ نعمتیں بیٹھے بیٹھے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ہم جب کہتے ہیں کہ فلاں انسان بڑا کمزور ہے یا اس کی بات میں اور زبان میں کوئی اثر ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہے۔

ان خداداد قوتوں کو بیدار کرنے کے لئے اپنے شعور اور لاشعور کی وسعتوں میں جانا ہوگا، اپنے اندر جستجو، تحقیق، محنت، صبر و تحمل، اعتماد، یقین اور عزم کی پختگی پیدا کرنی ہوگی۔ آپ کو سمجھنا ہوگا کہ آپ کے لاشعور میں کیا ہے کیونکہ یہی کمانڈنگ اتھارٹی ہے۔ یہ کمانڈنگ اتھارٹی، آپ کے شعور کو جو ایکٹنگ اتھارٹی ہے، اپنے راستوں پر چلاتی رہے گی۔ عام طور پر یہ راستے تباہی کی طرف جاتے ہیں۔

شعور کی تین حالتیں ہیں...... ماضی، حال اور مستقبل...... شعور تعلیم و تربیت کا، عقل اور بدن کی صحت مندی کا، احوال کے اظہار کا محتاج ہے۔ بدن پر کوئی بھی اثر ہو چاہے حادثاتی طور پر پڑے یا بیماریوں اور رنج و غم کی وجہ سے شعور کے لئے نقصان دہ ہے۔

لاشعور ہمیشہ ایک حال سے وابستہ ہے۔ نہ اس پر موت آتی ہے نہ اس میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ لاشعور کسی کا محتاج نہیں اور کسی کے ساتھ کوئی وابستگی نہیں رکھتا۔ اکثر اوقات ہماری سوچ اور ہمارا گمان کچھ اور ہوتا ہے لیکن نتیجہ برعکس سامنے آتا ہے۔ اس سے ہمیں شرمندگی اور خجالت ہوتی ہے لیکن اکثر و بیشتر انسان یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ لاشعور کی کرشمہ سازی ہے۔

سب سے پہلے ہمارا بدن ہے۔ جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے روح تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ اپنے بدن پر جبر کریں اور اس کی آسائشوں اور ضروریات سے یکسر غافل ہو جائیں۔ روح تک رسائی کا مطلب اللہ کی قربت کی طرف اور اس کی رضا کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس کا راستہ نہ تو جنگلوں میں سے ہو کر جاتا ہے نہ ویرانوں اور صحراؤں میں سے۔ نہ رہبانیت کی طرف سے اس کا حصول ممکن ہے نہ ظاہری شکل و صورت میں صوفیوں جیسی وضع قطع بنا لینے سے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ "جس نے

اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے گویا اپنے رب کو پہچان لیا'' خدا نے بھی اپنی پہچان اور اپنی جستجو کا راستہ اپنے بندے کی نظروں کے سامنے روشن کر دیا ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ میں تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہوں۔ اپنی تلاش کے لئے اور اپنے رب کی جستجو کے لئے انسان کو کسی پہنچے والے شخص کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنے دل پر نگاہ کرنی چاہئے۔ اس کے اندر جستجو کرنی چاہئے۔ انسان کو اس کے اندر سے جواب ملے گا اور اس کا ذہن اس کے سامنے صحیح راستہ کشادہ کر دے گا۔ یاد رکھئے بدن کے بغیر نہ تو ارادت ہو سکتی ہے نہ بغاوت اور نہ عبادت ہی ممکن ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اپنے اندر کبھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ جب تک ہم خدا کو تلاش نہیں کر لیں گے، ہمارا بدن ہماری روح سے وابستہ نہیں ہو سکتا۔ روح اور بدن کی اسی بیگانگی کا نتیجہ ہے کہ شیطانی اعمال ہمارے اندر سرایت کر چکے ہیں اور ہم دولت، عورت، لمبی عمر، اقتدار اور عیش و آرام کے لالچ میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

میں نے پچھلے انٹرویو میں کہا تھا کہ انسان کی مقناطیسیت کو گندے اور تخریبی خیالات کمزور کرتے ہیں۔ خیالات جس قدر پاکیزہ ہوں گے شخصی مقناطیسیت میں اتنا ہی استحکام پیدا ہوگا۔ یہاں میں وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ پاکیزگی سے مراد کیا ہے۔ روح ہمارے دل پر خدا کا پرتو ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا ہمارے دلوں میں موجود ہے لیکن اسے ہم ایک محاورہ سمجھتے ہیں۔ اگر اسے ہم ایک یقین اور ایک عقیدے کی شکل دے دیں تو ہم خود محسوس کریں گے کہ اگر خدا ہمارے دل میں یا ہماری ذات میں موجود ہے تو اس دل اور اس ذات میں لغو اور فحش خیالات اور رجحانات نہیں آنے چاہئیں۔

پاکیزگی پیدا کرنے کے لئے خدا نے عبادت کا حکم دیا ہے۔ ملا کہتا ہے کہ پانچوں نمازیں پڑھو تو آپ کو جنت ملے گی، حوریں ملیں گی اور شراب طہورہ ملے گی لیکن علم روحانیت کہتا ہے کہ محض رکوع و سجود اور قیام سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر آپ عبادت کا صحیح مفہوم سمجھ لیں تو اگلے جہان جو ملے گا سو ملے گا، آپ کی یہی دنیا جنت بن جائے گی۔ ضرورت یہ ہے کہ عبادت یعنی نماز کے وقت آپ کی نیت صادق ہو، آپ سچے دل سے محسوس کریں کہ آپ خدا کے حضور کھڑے ہیں اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ اپنا رشتہ اس دنیا سے نماز کے وقت تک کے لئے توڑ لیں۔ آپ کے ذہن میں سوائے خدا کے کوئی اور خیال نہ آئے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر خود فراموشی کی یا مراقبے کی کیفیت طاری ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے ایک ایک لفظ کے معنی آپ کو معلوم ہوں اور آپ نماز اس طرح پڑھیں جیسے آپ خدا سے ہم کلام ہوں۔ اگر آپ کوئی ورد وظیفہ کرنا چاہتے ہوں تو اس کے لئے بھی یہی طریقہ کار ہونا چاہیے جو میں نے نماز کے لیے بیان کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے سامنے دنیا بھی روشن ہوگی دین بھی روشن ہوگا اور آپ کا جسم بھی روشن ہو جائے گا۔ آپ کی روح معطر ہوگی۔ اس طرح آپ اپنی اصلیت کو پہچاننے لگیں گے اور ہماری خداداد قوتیں بیدار ہو کر ہم میں شخصی مقناطیسیت پیدا کریں گی۔

خدا نے انسان کو نائب تو بنا دیا، اپنی عبادت کا حکم تو دے دیا لیکن سمجھنے والی بات یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے۔ عبادت وہی ہے جو دل و جان سے اور یقین کامل کے ساتھ کی جائے۔ خدا کا ایک قانون ہے اور وہ قانون اٹل ہے۔ نیکی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اپنی پہچان کر سکتے ہیں۔ جہاں تک بدن کا تعلق ہے یہ تو ایک امتحانی پرچہ ہے، ایک قلم ہے جس میں سیاہی بھری ہوئی ہے۔ یہ روح کو اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اس سے اپنی کارگزاری تحریر کرے۔ یہی روح اور بدن کا رشتہ ہے۔ اگر یہ رشتہ پاک ہے تو آپ کی مقناطیسیت میں استحکام پیدا ہوگا۔ اگر روح اور بدن کے درمیان بے ایمانیاں، دغابازیاں اور نفرتیں حائل ہوں تو نہ روح پاک رہ سکتی ہے نہ بدن کسی کام کا رہتا ہے اور زندگی کا یہ وقفہ ضائع ہو جاتا ہے۔

روز قیامت کو تو خدا یہ ضرور پوچھے گا کہ میں نے تجھے جو قوتیں عطا کی تھیں ان کا تو نے کیسے استعمال کیا لیکن دنیا میں آپ خود اس وسوسے میں پڑے رہیں گے کہ میں اس دنیا میں آیا ہی کیوں تھا۔ اپنے بدن کو آپ اس زمین کا بوجھ سمجھتے رہیں گے۔

یاد رکھئے، جب تک آپ اپنے بدن کو کثافتوں سے صاف نہیں کریں گے تب تک

آپ لاشعور کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ کا گمان صحیح معنوں میں کام نہیں کرے گا اور آپ کو بدگمانی کی طرف لے جائے گا۔ جب تک آپ کا رابطہ حقیقت سے قائم نہیں ہوگا تب تک آپ تاریکی میں بھٹکتے پھریں گے یہاں میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حقیقت سے میری مراد کیا ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ اپنے متعلق خود فریبی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ اگر بد ہیں تو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ نیک ہیں۔ بدصورت ہیں تو خود کو خوبصورت سمجھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ جو کچھ نہیں وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ اس رجحان سے یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی شناخت نہیں کرسکتا۔ اس نے ایک فرضی شکل وصورت بنا رکھی ہے اسے وہ ''میں'' کہتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان کی ذہنی نشو ونما صرف رک جاتی ہے بلکہ ذہن گلنے سڑنا لگتا ہے اور اس کی وہ تمام طاقتیں جو خدا نے اسے اپنے نائب کی حیثیت سے دے رکھی ہیں وہ زنگ آلود ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں۔ ان طاقتوں کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی ''میں'' کو نیست کرے۔ اس کے بعد اپنی طاقتوں کو تلاش کرے اور انہیں پروان چڑھائے۔ خدا کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر ریسرچ کرے۔ اسی صورت سے اسے خدا کا شعور حاصل ہوگا۔

خدا کے نائب کی حیثیت سے انسان کو بڑے اختیارات حاصل ہیں لیکن انسان ان اختیارات تک نہیں پہنچتا۔ ان اختیارات کے احساس کے لیے انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو خالی کر دے ہر اس چیز سے جو اس پر مسلط ہے۔ انسان کے دل میں کئی بت ہیں، حسین عورت کے بت، اپنی ''میں'' کے بت عزیز و اقارب کے بت۔ انسان کو یہ سب بت توڑ کر اپنے دل کا مکان خالی کر لینا چاہئے۔ اس کے بعد مراقبے میں بیٹھے، سجدے میں ہو یا قیام میں خدا کو آواز دے، اس کی جستجو میں نکلے، کسی صحرا میں یا کسی ویرانے میں نہیں بلکہ اپنے دل کی گہرائیوں میں۔

ہم ایمان کی بات بھی کرتے ہیں اور خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں لیکن ایسا کوئی مسلمان نہیں دیکھا جس کی مقناطیسیت مستحکم ہو۔ مقناطیسیت صرف اسی مسلمان کی مستحکم ہوگی جس

کے بدن میں حرص اور لالچ نہ ہو، جو جنسی جذبے پر قابو پانے کی اہلیت رکھتا ہو، جس کے دماغ میں غرور نہ بھرا ہوا ہو، جس کی زبان میں مٹھاس ہو، جس کے ہاتھ ناجائز کی طرف نہ بڑھیں اور جس کے پیر طلب میں نکلے ہوئے ہوں۔ خدا کی طلب اور اس کی جستجو کوئی مشکل نہیں۔ خدا آپ کو آپ کے گھر میں ملے گا، بیوی بچوں میں رہتے ہوئے ملے گا، عزیز و اقارب کے ساتھ ملے گا، دفتروں میں ملے گا، پارکوں میں ملے گا، سڑکوں پر ملے گا۔ خدا آپ کو روزانہ ملتا ہے لیکن انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں اسے شناخت نہیں کرسکتیں۔

میرا موضوع شخصی مقناطیسیت ہے۔ میں اس پر اظہار خیال روحانیت کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ مقناطیسیت میں چونکہ روح کا سب سے زیادہ عمل دخل ہے اس لیے مجھے اس انٹرویو میں وضاحت سے بیان کرنا پڑا کہ روح کو ہم کس حالت اور کس شکل میں رکھیں تو ہماری شخصی مقناطیسیت میں استحکام پیدا کرسکتا ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ روح اور لاشعور کو سمجھے بغیر آپ اس علم میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ میں آگے چل کر جب ٹیلی پیتھی، علم روحانیت اور اس کے مافوق الفطرت مظاہر کا تفصیل سے ذکر کروں گا تو آپ محسوس کریں گے کہ شخصی مقناطیسیت انسان کو کہاں تک لے جاسکتی ہے۔ (۱۰)

* * *

دوسری جنگ عظیم کے خوں آشام دنوں کی ایک ایمان افروز روداد

برما کے جنگلوں میں ایک درویش

میرا رفیق کار زاہد علی بڑے دل گردے کا جوان تھا۔ جنگ کے دوران آزمائش اور ابتلا کے ایسے دور بھی آئے کہ زندگی اور موت میں بہت کم فاصلہ رہ گیا، مگر اس کی فطری شوخی نہ گئی۔ جب بھی کوئی کڑا وقت آیا، زاہد علی نے اسے ہنسی مذاق میں ٹال دیا، مگر آج شہر (مکٹیلا) کی تباہ حالی کا جو منظر ہمارے سامنے تھا، اسے دیکھ کر اس کی مٹی گم ہوگئی۔ بات بات میں ظرافت کا رنگ بھرنے والا زاہد علی یوں معلوم ہوتا تھا اس کے قالب میں دم توڑ چکا ہے اور اس کی جگہ ایک متین اور سنجیدہ زاہد علی نے لے لی ہے۔

آدمی کے ساتھ آدمی کا یہ سلوک اور برتاؤ! جس سے جنگل کے درندے بھی پناہ مانگیں! زاہد علی کو اپنے آدمی ہونے پر حجاب آئے گا۔ وہ کہہ رہا تھا: ”آدمی کی آدمیت رخصت ہو چکی ہے اور جب آدمیت نہ رہے تو یہ نرا دو ٹانگوں کا جانور رہ جاتا ہے۔ شرف آدمیت میں دبی ہوئی درندگی ابھر آتی ہے۔ ہوس اقتدار کا جن اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ عقل و خرد اور شعور و فہم کی جو بے پناہ طاقت اللہ تعالیٰ نے اسے بخشی ہے اس کا غلط استعمال شروع کر دیتا ہے۔ اور...... نتیجہ! آبادیاں برباد ہو جاتی ہیں، شہر کھنڈروں میں بدل جاتے ہیں۔ بچے یتیم ہو جاتے ہیں اور عورتیں بیوگی کے سوگ میں مبتلا۔ ہابیل قابیل نے آپس میں لڑ کر کچھ اچھا نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ایک کی ہلاکت دوسرے کی تباہی کا باعث بنے گی۔ جدال وقتال کی یہ بری مثال تھی جسے اپنا کر ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے! انہوں نے ایک دوسرے کو نوکیلے پتھروں سے زخمی کیا ہوگا اور ہم نے ایٹم بم ایجاد کر لیا۔ پھر جنگ اور اس کے نتائج پر گفتگو کرتے کرتے اس نے جہاد کا فلسفہ بیان کیا۔ جہاد اور جنگ میں اسلام نے جو خط امتیاز کھینچا ہے اس پر روشنی ڈالی اور کہا: زندگی اور زندگی کے مقاصد جب انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو خدا کی قربت حاصل نہیں ہوتی فطرت اس کا انتقام یوں لیتی ہے

کہ آدمی کو سگ دنیا بنا دیتی ہے۔ دنیا کا لاشہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ بلا شرکت غیرے وہ اس پر قابض ہونا چاہتا ہے اور ایک دوسرے پر غراتا ہے، اگر بات جنگ کے بغیر نہیں بنتی۔ کاش! لوگ اسلام کے سیدھے سادے اصولوں پر عمل پیرا ہو سکتے۔ جہاد اس غلبہ کفر و جہالت کے خلاف تلوار سونت لینے کا نام ہے۔ حق اور صرف حق کے لئے امن و سلامتی کی خاطر میدان کارزار میں کود پڑنا جہاد ہے اور یہ جنگ...... دیکھ لیا تم نے اس کا نتیجہ!

ہم پھرتے پھراتے ایک ایسے مقام تک جا پہنچے جہاں اگر ہمیں قبل از وقت بتایا جاتا تو کبھی نہ جاتے۔ یہ ایک چھوٹا سا نالہ تھا جس میں انسان کے منجمد خون کی تہہ دور تک چلی گئی تھی۔ یہاں دست بدست اور دو بدو جنگ ہوئی تھی۔ انسان نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کا گلا کاٹا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے خون کی اس سرخی میں ہندوستانی سپاہ کی سرخی شامل نہ ہوگی...... مگر ہندی اور جاپانی کا امتیاز کہاں گیا؟ دونوں کا خون ایک ہی رنگت کا ہے تو یہ امتیاز کیوں؟

زاہد علی نے ایک درخت سے گز بھر ٹہنی کاٹی اور خون کی اس تہہ میں ڈبو دی اور جب باہر نکالی تو آدھے فٹ کے قریب خون سے آلودہ تھی۔ ہم بہت دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ ششدر، دم بخود اور حیرت زدہ۔

یہ سب کچھ ”ہیرو ہیٹو“ کی پرستش کا نتیجہ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”یہ ہے اس شاہ پرست قوم کا حشر جو شاہ کی ہوس، ملک گیری کی بھینٹ چڑھ گئی۔“

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے

زاہد علی درخت کی ٹہنی ہاتھ میں گھماتا ہوا سامنے ہوائی اڈے کی طرف چل دیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اس اڈے پر ہماری بکی کمپنی مصروف کار تھی جو سکھ جوانوں پر مشتمل تھی۔ کام زیادہ ہونے کی وجہ سے سکھوں کے چہرے ستے ہوئے تھے! تاہم اس کی فطری شوخی اپنی جگہ قائم تھی۔ انگریز کمپنی کمانڈر بھی وہیں کھڑا تھا۔ اس نے اشارے سے ہمیں

اپنے پاس بلایا اور بتایا کہ اس ہوائی اڈے کی حفاظت میں جاپانیوں نے جانیں لڑا دیں۔ سینکڑوں آدمی کھیت رہے۔ جنگ دست بدست اور دو بدو ہوئی، مگر ہماری ٹینگ رجمنٹ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ظالم چھاتیوں پر مائنز (Mines) باندھ کر ابھرتی ہوئی گرد کی چادر وڑھ لیتے اور ٹینکوں کے آگے لیٹ جاتے۔ ہمارے متعدد ٹینک ان کی اس جانفروشی کی نذر ہو گئے مگر ہمارا طوفانی حملہ ایک سیل بلاخیز تھا کہ انہیں بہا لے گیا۔ سامنے کی ان گنت لاشیں اس خوں ریز جھڑپ کا حاصل ہیں۔ انگریز افسر کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر یہ کہہ کر بات ختم کی۔ اس جنگ نے دشمن کی طاقت ختم کر دی ہے اور فتح و کامرانی کی شادکامیاں ہمارا مقدر ہو چکی ہیں۔

بڑا ہی دلدوز منظر تھا۔ ہوائی اڈے کے اطراف میں بے شمار لاشیں پڑی تھیں۔ معدودے چند لاشوں کے سوا ہر لاش کے ہاتھ میں ایک گرنیڈ تھا۔ کچھ ایسی لاشیں جو زخموں سے چور تھیں، مگر رائفل پھر بھی ہاتھ سے نہ چھوڑی تھی۔ مرتے دم تک تحفظ وطن اور دشمن کے مقابلے کا خیال رہا۔ خون کے چھینٹوں سے زمین داغدار ہو رہی تھی۔

اپنے کیمپ کی طرف واپس ہوئے تو غیر ارادی طور پر قدم اس مسجد کی طرف اٹھ گئے جو اس عالم رساخیز میں صحیح سالم حالت میں کھڑی تھی۔

میں تو کٹر قسم کا مذہبی تھا ہی زاہد علی مجھ سے بھی زیادہ مذہب پرست نکلا۔ شاید اسلام میں اعتقاد کی پختگی ہی ہمارے درمیان قدر مشترک تھی اور اسی نے ہمیں دلوں کی قربت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ ’’من دیگرم تو دیگری‘‘ کا امتیاز باقی نہ رہا تھا۔

مسجد جیسے مقناطیسی کشش رکھتی تھی۔ ہم اس کی طرف کھنچے چلے گئے مسجد کے دائیں بائیں بلند عمارات کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں سجدہ ریز تھیں۔ عظمت خداوندی کا یہ اعتراف بہت ہی عبرتناک تھا، مگر انسان اپنی عظمت کے خول میں بند رہ کر ان عبرت خیز احوال و آثار سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتا۔

راستے مسدود تھے، بلکہ تھے ہی نہیں۔ جگہ جگہ ملبے کے ڈھیر اور ٹیلے کھڑے تھے۔ ہم انہیں پھاندتے ہوئے مسجد تک پہنچ ہی گئے۔

مسجد دور سے تو چھوٹی ہی نظر آتی تھی، مگر وہ خاصی وسیع اور کشادہ نکلی۔ دائیں طرف ایک خوبصورت حجرہ تھا جس میں ایک بزرگ جانماز پر تشریف فرما تھے، حالانکہ نماز کا وقت نہ تھا۔ شاید اشراق کے نفل پڑھ کر بیٹھے تھے اور ذکر و فکر میں مصروف تھے۔ مسجد کے صحن میں خوبصورت ٹائلوں کا فرش بچھا تھا۔ حسین و جمیل محراب میں صندل کی لکڑی سے بنا ہوا منقش ممبر رکھا تھا۔ کاریگر نے بڑی چابکدستی سے مرضع دیواروں کی لمبائی کچھ ایسے انداز میں کی تھی کہ ہیرو دیوار آئینہ بن گئی تھی۔ انسان کا عکس صاف اور واضح نظر آتا تھا۔ ہم نے دیوار پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ اندر کے ماحول پر روحانی جمال چھایا ہوا تھا۔ محراب کے قریب پہنچے، تو وجد و حال کی کیفیت طاری ہو گئی۔

’’السلام علیکم۔‘‘ پیچھے سے آواز آئی۔

ہم نے مڑ کر دیکھا، تو دراز قد گندم گوں چہرے اور تنومند جسم کا ایک آدمی ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ یہ وہی ادھیڑ عمر کے بزرگ تھے جنہیں ہم حجرے میں مصلے پر بیٹھے دیکھ چکے تھے۔ لمبی شرعی ڈاڑھی اور بال کھچڑی تھے۔

’’میرے ساتھ حجرے میں تشریف لے چلیے۔‘‘ بزرگ نے کہا۔ ’’چائے تیار ہے۔‘‘

غالباً ہمیں آتا دیکھ کر انہوں نے چائے تیار کر لی تھی۔ ہم ان کی مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے۔ بری طرح تھکے ہارے تھے، چائے ہماری دلی آرزو تھی۔ ان بزرگ کی کشف و کرامات کے قائل ہو گئے۔

’’مگر آپ ہیں کون؟‘‘ زاہد علی نے سوال کیا۔ ’’شناسائی کی اس تمہید کے ساتھ تعارف بھی ہو جائے تو اجنبیت کی دیوار گر جائے گی۔‘‘

’’آپ چلیے تو سہی!‘‘ بزرگ نے نرم لہجے میں کہا۔ ’’آپ چائے نوش فرمایئے گا میں ساتھ ساتھ کتاب حیات کے ورق الٹتا جاؤں گا۔ بزم کا رنگ دوبالا اور چائے کا مزہ دوآتشہ ہو جائے گا۔

ہمارے ہونٹوں پر بیک وقت مسکراہٹ کھیل گئی۔ بزرگ چاہے کوئی بھی تھے، اپنے اندر جینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

جانماز پر قرینے سے چائے کے فنجان رکھے تھے۔ ہمارے منہ سے رال ٹپک پڑی۔ چائے کی فرحت بخش خوشبو حجرے کے مختصر ماحول میں رچی لبی ہوئی تھی۔ ہمارا چائے نوشی کا شوق اور بڑھ گیا۔ ہم فرش پر بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئے اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگے۔ بزرگ نے حسب وعدہ روداد حیات کے اوراق الٹنا شروع کیے۔

''یہ تو ظاہر ہے۔'' بزرگ نے گفتگو کی طرح ڈالی۔ ''میں اس مسجد امام ہوں۔ یہ میرا آبائی پیشہ ہے اصلاً ایرانی ہوں۔ چالیس سال قبل میرے والد یہاں آئے تھے۔ وہ بڑے ہی دیندار آدمی تھے۔ علم و فضل کی سعادت سے بہرہ مند، قرآن کے حافظ۔ حدیث وفقہ پر بھی انہیں مکمل عبور تھا۔ یہاں آکر انہوں نے اس مسجد میں اپنا ڈیرہ اس طرح جمالیا کہ پھر ان کا جنازہ یہیں سے اٹھا۔ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ میں زندگی کاٹ دی۔ دن بھر کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہتے اور شاگردوں کا جمگھٹا ان کے گرد لگا رہتا۔ ان کی ساری کائنات بس یہ حجرہ تھا۔ بہت کم باہر نکلتے اور ہر وقت ذکر وفکر میں مصروف رہتے میں پیدا تو باپ کے زاد بوم شیراز ہی میں ہوا، مگر پروان اسی ماحول میں چڑھا۔ دین کی خدمت کا جذبہ باپ سے ورثے میں ملا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ان کی گدی سنبھالی۔ میری شادی بھی یہیں ایک برمی عورت سے ہوئی جس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ مگر وہ عفیفہ بچے کی پیدائش کے بعد تین مہینے زندہ رہی اور بیٹے کی پرورش کی ذمہ داری مجھ پر ڈال گئی۔ وہ بڑا پیارا اور خوبصورت بچہ تھا۔ ابھی اس کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، عنفوان شباب کی منزل میں تھا مگر ابھرتے قد اور صحت مند جسم کی وجہ سے اچھا خاصا جوان لگتا تھا۔ اس کی موت میری زندگی میں ایک ایسا خلا چھوڑ گئی جو کبھی پر نہ ہوگا تاہم شکایت کا مقام نہیں۔ میرا مقدر یہی تھا۔ میں ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔

ہم ہمہ تن گوش بنے بزرگ کی داستان حیات سن رہے تھے۔ وہ خاموش ہوئے تو ہم

نے دیکھا ان کے چہرے پر غم کے سائے پھیلے ہوئے ہیں اور پھر صبر وضبط کا بند ٹوٹ گیا اور موٹے موٹے آنسو ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح ان کے دامن میں گرنے لگے۔

''بے وقت کی موت!'' زاہد علی نے بے اختیار ہو کر کہا اور پوچھا! ''بابا! بچے کی ناگہانی موت کا سبب کیا تھا؟''

''یہی جنگ اور کیا؟'' بزرگ بول اٹھے۔ ''یہی انسانوں کی آپس کی لڑائی اور باہم سر پھٹول اور جدال میرے جواں سال بیٹے کو مجھ سے چھین کر لے گئے۔ بات یہ ہے آپ لوگوں کے طوفانی حملے سے پہلے ہمیں آگاہ کرایا گیا تھا اور حکم ہوا تھا کہ جہاں سینگ سمائیں چلے جائیں مگر میں نے اس حجرے کو نہ چھوڑا۔ میرا ایمان ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ زندگی اور موت خدائے برتر کے ہاتھوں میں ہے۔ زندگی ہے تو موت نہیں آسکتی اور اگر اس کو آنا ہی ہے، تو بھاگ کر جہاں بھی چلے جائیں آجائے گی۔ میں بس یہیں ڈٹا رہا۔ جس رات آپ لوگوں (ڈویژن نمبر۱۰) نے طوفانی حملہ کیا، میرا بیٹا پہلو میں سو رہا تھا۔ بدقسمتی سے اس کو تپ لرزاں نے آلیا تھا۔ شدید سردی میں اس کا انگ انگ کانپ رہا تھا۔ پھر بخار اتنا تیز ہو گیا کہ جسم سے آگ کی گرم گرم لپٹیں نکلنے لگیں۔ میں حجرے میں بیمار بیٹے کو لیے پڑا تھا، توپیں گولے اگل رہی تھیں رات بے حد تاریک تھی۔ ایسے لگتا تھا ہم کسی گہرے کنویں میں سانس لے رہے ہیں۔ آپ کی طرف سے مسلسل ڈیڑھ گھنٹے گولے برستے رہے۔ بلند عمارتیں دھڑام سے گرتیں، تو بھونچال آجاتا۔ میرا بیٹا بذیان کی شدت میں واہی تباہی بکتا ہوا اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا...... میں نے پوری قوت سے روکا۔ مگر اس کی جواں سال طاقت مجھ پر غالب آگئی۔ وہ میری گرفت سے نکل بھاگا۔ اس کے زوردار قدموں کی چاپ اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے وہ مسجد کے صدر دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ موت نے اسے آلیا۔ توپ کا گولہ قیامت خیز آواز کے ساتھ پھٹا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ اگلی صبح میں نے اس کی لاش کے بکھرے ہوئے اجزا جمع کیے اور اس گڑھے میں دفن کر دیا جو آپ کے بھاری گولے سے پیدا ہوا تھا۔ کاش میرا بیٹا اس عافیت کے حصار کو نہ توڑتا ہو جو میں نے یقین محکم اور قوت ایمان سے اس مسجد کے گرد بنا رکھا تھا، مگر موت کا وقت مقرر ہے

وہ مقررہ وقت آیا، تو میرے بیٹے نے خود ہی موت کے اندھے کنویں میں جھلانگ لگا دی۔

مکٹیلا میں ہم صرف بارہ دن رہے۔ کلرک ہونے کی وجہ سے ہمیں فرصت ہی فرصت تھی۔ اس فرصت کو غنیمت جان کر ہم نے شہر اور اس کا نواحی علاقہ چھان مارا۔ صبح ناشتے کے بعد اسٹین گن کندھے سے لٹکا کر نکل کھڑے ہوتے اور بارہ بجے تک ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ واپس آ کر کھانا کھاتے۔ گھنٹہ بھر آرام کرتے اور پھر تازہ دم ہو کر سیر و سیاحت کا باقی پروگرام پورا کرتے۔

روزانہ جب شام کی مٹرگشت کے بعد اپنے کیمپ میں واپس آتے تو اس تاریخی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرتے۔ یہ مسجد ہمارے راستے میں نہیں پڑتی تھی، بلکہ ہمیں خاصا پھیر کاٹ کر جانا پڑتا، لیکن ہم کبھی اس میں کوتاہی نہ کرتے۔ بزرگ خطیب مسجد کی قرأت سے روحانی کیف حاصل ہوتا۔ نماز مغرب کی قراءت میں وہ عموماً سورہ رحمٰن ہی پڑھتے۔ جب وہ جذبہ عشق الٰہی میں ڈوب کر اس سورۃ کی تلاوت کرتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے قرآن ہم پر نازل ہو رہا ہے۔ ان کی صحبت کا اثر بہت دوررس ثابت ہوا اور یہ ان کے صفائے قلب اور قوت ایمانی کی شہادت تھی۔ ہم کیمپ میں واپس آتے تو پہروں سرمست و بیخود رہتے۔ مکٹیلا کی ویران اور اجڑی ہوئی وادی میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا۔ وہ جنگ کے تیرہ و تار ماحول میں چراغ کی مانند تھے جس کی شعاعوں سے سینہ جگمگا اٹھتا ہم جب بھی ان سے ملتے اقبال کا یہ شعر حافظے میں تازہ ہو جاتا

ہوا ہے تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے!
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

بایں ہم ان کے دل و دماغ اور اعصاب جواں سال بیٹے کی شہادت سے غیر معمولی متاثر تھے وہ کہتے تو تھے: ''میں راضی بہ رضائے الٰہی ہوں۔'' لیکن اس ماحول میں تنہائی انہیں کھائے جا رہی تھی۔ یہ عین تقاضائے فطرت تھا۔ ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ گھڑی دو گھڑی ہماری مجلس میں مرحوم کا ذکر چھیڑ کر دو چار آنسو بہا لیں۔ ہم نے درخواست کی کیا ہی اچھا ہو آپ ہمارے ساتھ ہندوستان تشریف لے چلیں کہ اب اس

ماحول اور فضا میں آپ کا رہنا مناسب نہیں۔

''یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟'' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''باپ، بیٹے اور بیوی کی قبریں تو یہاں ہیں اور میں ہند میں پیوند خاک ہوں۔ میری خاک یہیں کا مقدر ہو چکی ہے۔ شہر دوبارہ آباد ہونے لگے گا، تو میں اپنی چھوڑی ہوئی منزل پر چل نکلوں گا۔ بچوں کے درس و تدریس میں مجھے حیات نو مل سکتی ہے۔ وقت آہستہ آہستہ زخم فرقت بھر دے گا۔ میں زندگی سے فرار کا قائل نہیں۔ اسلام ہمیں مصائب کے آگے سپر انداز ہونا نہیں سکھاتا۔ وہ سبق دیتا ہے کہ مصائب کا صبر و شکر کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ نوجوانوں سے ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ ''نوجوانو! ہر حال میں جینا سیکھو!''

ہم جب تک وہاں رہے ان کے ہاں حاضری دیتے رہے اور ان کی صالح صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ وہ جید عالم تھے۔ جو آدمی اپنے نفس پر قابو پانے میں کامیاب رہا، وہی بڑا آدمی ہے پیغمبروں، ولیوں، رشیوں اور مہا پرشوں کی پاکیزہ زندگی کی طرف یہیں سے راستہ نکلتا ہے۔ یہ انتہائی آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ جو لوگ زندگی کی حقیقت کو پا گئے وہی کامیاب و کامران ہیں ورنہ عام حالت میں انسان سگ دنیا ہو کر رہ جاتا ہے۔ حرص و ہوس کا غلام۔ حصول جاہ و منزلت کے لئے ایک دوسرے کا منہ نوچتا ہے۔ باہم دست و گریباں رہتا ہے۔ اپنی حیات چند روزہ کی کامرانیوں کے لئے دوسروں کی ناکامیوں اور نامرادیوں کو وسیلہ بناتا ہے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد دنیا کی مہمان سرا میں ہمیشہ ہمیش رہنے میں مگن ہوتا ہے کہ طبعی موت اسے آ لیتی ہے بعض حالات میں ناگہانی موت کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ کاش ہم اس نکتے کو سمجھیں کہ یہی فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔

۱۲ اپریل ۴۵ء کو ہم نے مکٹیلا میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ ۱۴ اپریل کو آگے جانے کا حکم ملا۔ ہم ۱۳ تاریخ کی شام کو جانب خطیب سے رخصت ہو آئے تھے۔ انہوں نے بادیدہ نم ہمیں خدا حافظ کہا۔ وہ مسجد کے صدر دروازے میں کھڑے دیر تک ہمیں تکتے رہے۔ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ گردش زمانہ پیچھے کی طرف دوڑ گئی ہے۔ چشم تصور میں ان کا بلند و بالا قد اور پرکشش چہرہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ (۱۱)

قرآن وسنت اور تجربات ومشاہدات کی روشنی میں

جنات کی دنیا

انسانوں کی طرح جنات بھی اس زمین پر آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ: ’’ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔‘‘

اس پوشیدہ مخلوق کے بارے میں کچھ معلومات ہم قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس مخلوق کے بارے میں عام آدمی کی معلومات بہت کم ہیں اور بہت سارے لوگوں نے محض قیاس کی بنیاد پر جنات کے بارے میں مختلف آراء قائم کر رکھی ہیں، اس لئے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ جن اور سورۃ الاحقاف میں نبی اکرمؐ سے جنوں کے قرآن سننے کا ذکر آیا ہے۔ معتبر اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بارگاہ نبوت میں جنوں کی حاضری کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب اللہ کے رسولؐ طائف سے مکہ تشریف لا رہے تھے اور راستے میں وادی نخلہ کے مقام پر آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے کلام الٰہی سنا اور اس سے متاثر ہوئے اور اپنی قوم کے لوگوں کا اجتماع عام بلا کر جو دعوت قرآن پیش کی اس کا ذکر سورۃ الاحقاف آیت نمبر 29 تا 32 میں آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن بہت باشعور اور سمجھدار تھے اور عربی زبان سے واقف تھے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کے دردناک عذاب سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، جس کی دعوت محمدؐ دے رہے ہیں اور یہی سلامتی اور نجات کا راستہ ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنوں کے قرآن سننے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نبی اکرمؐ کی نبوت انسانوں کی طرح تمام جنات کیلئے بھی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرمؐ مکہ میں رات بھر غائب رہے۔ ہم لوگ سخت پریشان تھے کہ آپؐ پر کہیں کوئی حملہ نہ ہو گیا ہو۔

صبح سویرے ہم نے آپؐ کو حرا کی طرف سے آتے دیکھا۔ پوچھنے پر آپؐ نے بتایا کہ ایک جن مجھے بلانے آیا تھا میں اس کے ساتھ جا کر جنوں کو قرآن سنایا۔

(مسلم، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں اللہ کے رسولؐ نے صحابہؓ سے فرمایا آج رات تم میں سے کون ہے جو میرے ساتھ جنوں کی ملاقات کو جائے۔ میں آپؐ کے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو گیا۔ مکہ کے بالائی حصہ پر آپؐ نے ایک جگہ لکیر کھینچ کر فرمایا کہ اس سے آگے نہ بڑھنا۔ پھر آپ آگے تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کی۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے اشخاص ہیں جنہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا ہے، وہ میرے اور آپؐ کے درمیان حائل ہیں۔

مفسر قرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں سورۃ الاحقاف کی تشریح میں لکھا ہے کہ معتبر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کے پے در پے وفود اس کے بعد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپؐ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جو روایات کتب و حدیث میں منقول ہیں، ان کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جنوں کے کم از کم چھ وفود نے آپؐ سے ملاقاتیں کیں۔

سورہ جن کی تفسیر میں اس مخلوق کی حقیقت پر بہت ساری تفصیلات بیان کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن نہ صرف انسانوں کی باتیں سنتے ہیں بلکہ ان کی زبان کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ضروری نہیں کہ تمام جن تمام انسانی زبانیں جانتے ہوں، ممکن ہے کہ ان میں سے جو گروہ زمین کے جس علاقے میں رہتا ہو، اس علاقے میں لوگوں کی زبان سے وہ واقف ہو۔

قرآن مجید میں بہت کثیر تعداد میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات کو بھی مخاطب کیا ہے۔ بار بار ’’اے جماعت جن وانس!‘‘ کہہ کر پکارا ہے اور قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا کہ ہم جن وانس سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس ہمارے

رسول نہیں آئے تھے، جو تمہیں میرے سامنے پیش ہونے کے دن سے ڈراتے تھے؟ تو سب کہیں گے ضرور آئے تھے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے نافرمان اور باغی جن وانس کے بارے میں فرمایا ہے کہ

"میں دوزخ کو جن وانس کی اکثریت سے بھر دوں گا، ان کو آنکھیں دی ہیں مگر یہ دیکھتے نہیں، کان دیئے ہیں مگر سنتے نہیں، دل دیا ہے مگر یہ سوچتے نہیں۔ یہ نرے جانور ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔

سورہ رحمٰن میں تو بار بار جن وانس سے کہا گیا ہے کہ تم ہماری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جب میں نے سورہ رحمٰن جنات کے سامنے تلاوت کی تو اس آیت کے جواب میں "کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔" بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ اور کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! حمد تیرے ہی لئے ہے۔

راقم الحروف کو اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے کہ نہ صرف جن جہاں رہتے ہیں وہاں کی زبان بولتے ہیں بلکہ وہاں کے انسانی رسم ورواج ومزاج اور لب ولہجے بھی اختیار کرتے ہیں۔ سورہ جن کی آیت نمبر 11 اور 14 میں اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ ہم مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ہم میں مسلمان بھی ہیں اور باغی بھی۔ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یعنی انسانوں کی طرح ان میں یہودی، عیسائی، ہندو اور سکھ غرض ہر طرح کے مذہب پائے جاتے ہیں۔ آپ کو یہ جان کو حیرت ہو گی کہ مسلمان جنوں میں بھی بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث سمیت تمام مسلک موجود ہیں۔

ہمارا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ جن جہاں رہتے ہیں وہاں کے انسانوں کے مذہب سے متاثر ہو کر عام طر پر وہی مذہب قبول کرتے ہیں جو انسانوں کی اکثریت کا ہوتا ہے۔ جن

مختلف شکلوں میں اپنے آپ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ صلاحیت وطاقت ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔

سورہ جن میں جنوں کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ ہم میں اچھے بھی ہیں برے بھی، ہم مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ابلیس جو شیاطین کا سردار ہے اس کا تعلق بھی جنوں سے ہے۔ بعض لوگ کم علمی کی بنیاد پر اس کو فرشتہ سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن پاک نے سورۃ کہف میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا، اس لئے اللہ کے حکم سے نکالا گیا۔

قرآن مجید میں ابلیس اور اسکے لشکروں کا ذکر آیا ہے کہ انسانوں اور بالخصوص اللہ کے بندوں کو راہ راست سے بھٹکا دینا، ان کا مشن ہے لیکن ہم اس مضمون میں قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس طرح شیاطین جن انسانوں کو جسمانی اور ذہنی اذیت دیتے ہیں۔ عام طور پر شیاطین جن کا انسانوں کو تنگ کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ تنگ کرنے کی ایک قسم یہ ہے کہ جس کا ذکر سعوری عرب کے نامور عالم دین الشیخ ابوبکر جابر الجزائری نے اپنی کتاب "عقیدۃ المؤمن" میں اس طرح کیا ہے۔ (یہ صاحب آج بھی مسجد نبویؐ میں درس دیتے ہیں)

"سرکش جنوں اور شیاطانوں کی شکل میں درپیش یہ خطرہ چونکہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے، یہ مخلوق آگ کے لطیف جوہر سے بنی ہے، اس لئے نہ صرف نظروں سے اوجھل ہے بلکہ بجلی کی سرعت کے ساتھ چشم زدن میں لمبی سے لمبی مسافت طے کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ آدمی نادانستگی میں گرم پانی ایک طرف ڈال دیتا ہے، یہ پانی کسی جن کے سر پر پڑ جاتا ہے۔ کبھی ان پر پیشاب کر دیتا ہے، کبھی انسان ایسی جگہ پراؤ ڈالتا ہے جہاں پہلے سے یہ بسیرا کئے ہوتے ہیں، اس طرح یہ آپے سے باہر ہو کر لڑنے مرنے اور ستانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یوں تو جنات کی ایذ رسانی کے بے شمار واقعات ہیں لیکن ہم یہاں صرف دو واقعات پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ غزوہ خندق کے موقع پر اس نے اللہ کے رسولؐ سے اجازت لی اور دوپہر کے وقت اپنے گھر گیا۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہتھیار لے کر جاؤ۔ اندیشہ ہے کہ بنوقریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں۔ نوجوان جب گھر آیا تو دیکھا کہ اسکی بیوی دونوں کواڑوں کے درمیان کھڑی ہے۔ اس کو غیرت آئی اور بیوی کو نیزہ مارنے کے لئے جھکا تو بیوی نے کہا کہ گھر کے اندر دیکھو، ایک بڑا سانپ بستر پر بیٹھا ہے۔ نوجوان نے نیزہ سے سانپ پر حملہ کر دیا اور سانپ کو نیزہ ہی میں پرولیا۔ سانپ تڑپنے لگا اور ادھر نوجوان بھی تڑپنے لگا۔ معلوم نہیں سانپ پہلے مرا یا نوجوان۔ یعنی سانپ اور نوجوان دونوں اکٹھے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ (مسلم)

موصوف یعنی شیخ ابوبکر الجزائیری نے اور بھی واقعات لکھے ہیں لیکن ہم نے طوالت مضمون کی وجہ سے یہاں درج نہیں کیا۔ وہ اپنی کتاب میں اپنی بہن سعدیہ، کا واقعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اس المیہ کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس لئے آج تک دل پر اس صدمے کا داغ اٹھایا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ ایک روز ہم چھوٹے چھوٹے بچے کھجور کی خشک لکڑیوں کا گھٹا بنا کر ایک رسی کی مدد سے مکان کی چھت پر اسے چڑھا رہے تھے میری بہن سعدیہ جو عمر میں مجھ سے کچھ ہی بڑی تھی، چھت پر تھی اور اوپر سے رسہ کھینچ کر لکڑیاں ایک طرف رکھتی جاتی تھی، اتفاق سے ایک مرتبہ جب سعدیہ نے رسہ کھینچا تو گٹھا بھاری ہونے کی وجہ سے اس سے کھینچا نہ جا سکا۔ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گٹھا نیچے گر گیا۔ وہاں کوئی جن براجمان تھا، یہ گھٹا اس کے سر پر گر گیا لیکن اس خبیث نے نادانستگی کی اس اذیت کا بدلہ اس طرح لینا شروع کیا کہ رات کو میری بہن سوتی تو اس کا گلہ دباتا۔ وہ بے چاری انتہائی کرب کے عالم میں ذبح کی ہوئی بکری کی طرح تڑپ اٹھتی، زمین پر ایڑیاں رگڑتی۔ اس طرح ہفتہ میں کئی کئی دن ظالم حملے کرتا رہا۔ ایک دن بہن کی زبان سے اس ملعون نے اظہار کیا کہ مجھ پر اس نے گٹھا گرایا تھا اس لئے میں اس کو یہ سزا دیتا ہوں۔ یہ سلسلہ کم و بیش دس سال تک چلتا رہا۔ ایک روز ظالم نے میری بہن کا گلہ اس زور سے دبایا کہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اس کی روح جسم انسانی سے پرواز کر گئی (اللہ اس کی مغفرت فرمائے)

یہ کوئی افسانہ نہیں ہے، اس کی صداقت کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری ان آنکھوں نے ایسا ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ واقعہ پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ کاش ان کو اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا بندہ مل جاتا جو اس شیطان کو قید کر دیتا اور اللہ کی طاقت سے جلا دیتا۔

ہمارے پاس کشمیر اور مری کے پہاڑوں میں ایسے کتنے ہی واقعات آئے کہ جب اسی طرح کے شیطان تنگ کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کے لشکروں نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ان کو گرفتار کیا اور بالآخر جہنم واصل کیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ ''حمزہ کے جن'' کے عنوان سے عرب کے ایک نامور مجاہد الشیخ عبداللہ عزام شہیدؒ نے اپنی کتاب ''میدان پکارتے ہیں'' میں لکھا ہے۔

موصوف نے لکھا ہے کہ حمزہ نامی ایک مجاہد تھا۔ اس کے اندر ایک جن داخل ہوتا اور چیختا چلاتا۔ عبداللہ عزامؒ نے کہا کہ میں نے مجاہدین سے کہا کہ آیت الکرسی اور سورۃ البقرہ کا آخری رکوع تلاوت کرو۔ جتنا زیادہ ہم پڑھتے اتنا ہی زور سے وہ چیختا اور کہتا **حسبی اللہ و نعم النصیر**۔ اور کہتا کہ میں مسلمان ہوں اور اس کی دیگر تفصیلات شہید عبداللہ عزامؒ کی کتاب ''میدان پکارتے ہیں'' میں موجود ہے۔

جن جسم انسانی میں داخل ہو کر کیسے باتیں کرتے ہیں؟ اس سوال کا جواب صوبہ سرحد کے نامور عالم دین شیخ القرآن مولانا گوہر الرحمٰن نے اپنی کتاب تفہیم المسائل جلد اول میں لکھا ہے امام ابوالحسن الاشعری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''جن بہت ہی لطیف جسم کے حامل ہوتے ہیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ ناک، کان اور جسم کے دوسرے اعضاء کے ذریعے انسانی جسم میں اس طرح داخل ہو سکیں جس طرح پانی اور کھانا معدے میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر جب یہ چیزیں جسم انسانی میں داخل ہو سکتی ہیں تو جنات کے داخل ہونے میں کیا قباحت ہے۔

جن انسانی جسم، عقل و خرد کو متاثر کر سکتے ہیں اور انسانوں کو ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ شریر قسم کے جنات انسانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتے ہیں۔ جنات کا انسانی صحت پر اثر انداز ہونا کوئی خلاف اسلام و خلاف عقل چیز نہیں۔

جنات کا اثر معلوم کرنا اور اس کے ازالہ کا عمل اس فن کے ماہرین کا کام ہے۔ اسی کتاب میں ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت درج کی گئی ہے جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر رسول اکرمؐ کے پاس آئی جس پر جنوں کا اثر تھا۔ اللہ کے رسولؐ نے بچے کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی تو اس کے اندر سے جن نکل کر بھاگ گیا۔ اس قسم کا ایک واقعہ ابوداؤد اور مسند احمد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ جن انسانوں کے رزق اور کاروبار اور روپے پیسے میں بھی مداخلت کرتے ہیں۔ ایسے بہت سارے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے گھر سے روپے گم ہو جاتے ہیں یا رزق میں بے برکتی ہوتی ہے۔ اس طرح کا واقعہ ابن کثیرؒ نے صحیح مسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجوروں کی ایک بوری تھی۔ میں نے دیکھا کہ کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں۔ ایک رات میں جاگتا رہا، اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور لڑکے کی شکل میں آیا۔ میں نے اس کو سلام کیا، اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دکھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا، اس کا ہاتھ کتے جیسا تھا، اس پر کتے جیسے بال تھے۔ اس نے کہا میں جنات میں بڑی طاقت والا ہوں۔ میں نے کہا تو میری چیز کیوں چرا کر لے جاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقے کو پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا اس کار خیر سے ہم کیوں محروم رہیں، میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے؟ اس نے کہا ''آیت الکرسی'' صبح کو میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم ﷺ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خبیث نے سچ بات کہی۔

ایک دوسری روایت میں حدیث کے یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ''تھا بڑا جھوٹا مگر بات سچی کر گیا۔''

عرب دنیا کے نامور مورخ امام جلال الدین سیوطیؒ جو کم و بیش سات سو کتابوں کے مصنف ہیں، جنات و شیاطین کو اپنی کتاب ''المرجان فی احکام الجان'' میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا امداد اللہ انور نے ''تاریخ جنات وشیاطین'' کے

نام سے کیا ہے۔ جو حضرات اس مخلوق کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہتے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ انسانوں پر جنات کے حملہ کی دو اہم وجوہات اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''انسان پر جن کا حملہ محبت اور عشق کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی بغض و عداوت یا بدلہ لینے کی خاطر ہوتا ہے۔ اس نے یا تو اس پر پیشاب کیا ہوتا ہے یا اس پر پانی ڈالا ہوتا ہے، یا ان میں سے کسی کو قتل کیا ہوتا ہے۔ یا کبھی خواہ مخواہ تکلیف دینے کیلئے بھی حملہ کرتے ہیں۔ جیسے بیوقوف انسان بھی ایسا کرتے ہیں۔''

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو، اس کی عبادت اور اس کی یاد میں ہمہ وقت مصروف عمل ہو تو وہ اللہ کا ولی بن جاتا ہے اور جب بندہ کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے تو سرکش جن بھی اس کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

''ابوالحسن علی بن احمد بن علی عسکری کے دادا کہتے ہیں۔ میں امام احمد بن جنبلؒ کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ ان کے پاس متوکل (بادشاہ) نے اپنا ایک وزیر بھیجا اور بتایا کہ بادشاہ کی بیٹی شہزادی کو مرگی ہو گئی ہے اور گذارش کی ہے کہ آپ اس کی صحت کی دعا کریں۔ حضرت امام احمد بن جنبلؒ نے وضو کرنے کے لئے کھجور کے پتے کے تسمہ کا لکڑی کا جوتا اتارا اور وزیر سے کہا کہ بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس لڑکی کے سر کے پاس بیٹھو اور اس جن سے کہو کہ کہہ رہے ہیں اس لڑکی سے نکل جائے گا یا ستر جوتے کھائے گا۔ وہ وزیر اس جن کے پاس گیا اور اس کو امام احمد بن حنبلؒ کا پیغام سنایا تو سرکش جن نے لڑکی کی زبان سے کہا کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، امام احمدؒ اگر ہمیں عراق چھوڑنے کا بھی حکم دیں تو ہم قبول کریں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، جو خالق کا فرمانبردار ہوتا ہے، اللہ کی ہر مخلوق اس کی اطاعت کرتی ہے، پھر وہ لڑکی سے نکل گیا اور وہ تندرست ہو گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔

مرگی کا مرض اکثر و بیشتر شیاطین جن کے اثر سے ہوتا ہے جس کا روحانی علاج بہتر

ہوتا ہے۔ جب امام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوگیا تو وہ سرکش جن دوبارہ اس لڑکی کے پاس آ گیا تو متوکل بادشاہ نے اپنے وزیر کو امام احمدؒ کے شاگرد کے پاس بھیجا اور سارا واقعہ سنایا تو سرکش جن نے لڑکی کی زبان سے کہا کہ میں اس لڑکی سے نہیں نکلوں گا وہ جن کی بات ہم مانتے تھے وہ دنیا سے جا چکے ہیں۔

عامل اور اللہ کی دی ہوی طاقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ عامل عملیات کی وجہ سے کچھ جنات پر قابو پالیتا ہے اور اس کی پرواز بڑی محدود ہوتی ہے۔ عامل ہر مذہب میں ہوتے ہیں، ان کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے لیکن اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کے شب و روز اللہ کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کی سنت پر سختی سے پابند ہوتا ہے، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، کثرت عبادت و ریاضت اور ذکر الٰہی کے نتیجے میں جب اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو آسمان سے نور کی ایسی شعائیں اس پر آتی ہیں جن کو شیاطین اور ملائکہ دیکھتے ہیں اور اللہ کے لشکر اس کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کے ذریعے شر کی قوتوں ک مغلوب کرتا ہے، شر کو خیر کے ذریعے سے دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے مسلح ہوکر وہ بڑی سے بڑی شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

شیاطین کے شر کو دور کرنے کے لئے اللہ کے ایسے ہی بندے تلاش کرنے چاہئیں۔

جادو ٹونہ کے ذریعہ جادوگر عامل جو ایمان سے خالی ہوتے ہیں لوگوں پر خبیث عمل کے ذریعے شیطان جن مسلط کرتے ہیں، اس طرح سے انسانوں کو شدید جسمانی تکلیف پہنچائی جاتی ہے، سخت ذہنی اور روحانی اذیت دی جاتی ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہو تو ایسے جادوگروں کی سزا موت ہے۔ حدیث میں جادو کے عمل کو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے۔

قرآن پاک میں کہا گیا ہے کہ: ''جادوگر کبھی فلاح نہیں پایا کرتے''

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن جلد اول میں جادوگروں کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اصطلاح قرآن و سنت میں جادو ہر ایسے کام کو کہتے ہیں جس میں شیاطین کو خوش کرکے ان کی مدد حاصل کی گئی ہے۔ پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں، شیاطین کی تعریف کی گئی ہو یا کواکب و نجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو، جن سے شیطان خوش ہوتے ہیں۔

کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جن سے شیطان خوش ہوتے ہیں۔ کسی کو ناحق قتل کرکے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت یا نجاست کی گندگی کی حالت میں رہنا اور طہارت سے اجتناب کرنا۔

جادو انہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں۔ پاکی اور اللہ کے کاموں سے دور رہیں یا خبیث کاموں کے عادی ہوں۔

''روح المعانی حوالہ معارف القرآن'' اس جادو کے ذریعہ کافر اور شیاطین جن مسلط کئے جاتے ہیں، ان شیاطین کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ جادوگر نے جس کام پر لگایا ہو وہ کام کریں مثلاً میاں بیوی میں جدائی ڈالنا، ہنستے بستے گھر کر برباد کرنا، جادو کے ذریعہ کاروباری بندش، گھر میں رہنے والے افراد معمولی سی بات پر آپس میں جھگڑتے ہیں، رزق میں بے برکتی ہوتی ہے۔ جادو کے ذریعے جو جسمانی تکلیف ہوتی ہے، اعصاب میں بری طرح کھچاؤ محسوس ہوتا ہے، دماغ پر بوجھ محسوس ہوتا ہے، دونوں کندھے بھاری ہوتے ہیں، دل میں گھبراہٹ اور بے چینی محسوس ہوتی ہے چڑچڑاپن اور ڈیپریشن بھی۔ بعض اوقات شیاطین جن بھی دشمنی کی وجہ سے اللہ کے نیک بندوں پر بھی جادو کرتے ہیں۔

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس پر شیاطین جن نے پورے زور اور شیطانی طاقت سے مسلسل کئی سالوں تک جادو کئے۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ کثرت سے اپنے رب کا ذکر کرتا تھا۔ شیاطین کی کوششوں کے باوجود ذکر الٰہی ترک نہیں کیا اور وظائف صبح و شام جاری رہے۔ بالآخر ایک بہت بڑے جن بزرگ جو اللہ کے حکم سے دور دراز سے آئے اور انہوں نے جادو کا توڑ کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو شیطان کے جادو سے نجات دی۔

مجھے دس سالوں سے زیادہ اس مخلوق سے واسطہ ہے۔ جادو کے ذریعے مسلط کئی جنات نے مریض کے اندر داخل ہوکر اس کی زبان سے بول کر بتایا کہ ہمیں اس شخص پر جادو

کے ذریعے مسلط کیا گیا۔ جادو کسی قبر یا درخت یا گھر میں دفن ہے، جب تک جادو نہیں نکلے گا ہم پر کوئی دم یا تعویذ اثر نہ کرے گا۔ عام طور پر جادو کا توڑ کرنے والے عامل مریض کو محض تعویذ دیتے ہیں یا کوئی چیز پلانے کو دیتے ہیں، اس سے وقتی اثر تو ہوسکتا ہے لیکن مریض مستقل صحت یاب نہیں ہوسکتا ہے۔

احادیث کی کتابوں میں یہودیوں کا نبی اکرمؐ پر جادو کا واقعہ موجود ہے۔ جادو کسی کنوئیں میں موجود تھا، جبریلؑ کی نشاندہی پر صحابہ کرامؓ اس جگہ سے جادو نکال لائے تو اس کے بعد آپ کو سکون محسوس ہوا۔

عام جنات کے بس کی بات نہیں کہ وہ جادو نکال سکیں۔ مجھے بارہا جنات جو جادو کے ذریعہ مسلط ہوتے ہیں، بتایا کہ ہم بتا تو سکتے ہیں کہ جادو ہے لیکن نکال نہیں سکتے۔ اس کیلئے مخصوص جنات ہوتے ہیں جنہوں نے اسکی ٹریننگ حاصل کی ہوتی ہے یا جن کے پاس قدرتی طور پر زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ہمارے پاس جو صالح جنات قرآن پاک سننے آتے ہیں اور اللہ کی طرف سے خاص عطا ہیں وہ کشمیر و افغانستان کے پہاڑوں کے عفریت دیو ہیں جو صفیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان میں بعض فوجی وردیوں میں ہوتے ہیں اور بعض سفید کپڑوں میں تلواریں اور بندوقیں اٹھائے ہوتے ہیں جادو نکال کر ان کو ضائع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی طاقت سے جادو کے ذریعے سے جو مؤکلات مسلط ہوتے ہیں یا تو یہ ان کو قید کر دیتے ہیں یا ان کو جلا دیتے ہیں۔ یہ ہمارے جنات ان لوگوں کا کام کرتے ہیں جو نماز کی پابندی کریں، ہمارے بتائے ہوئے وظائف جو قرآنی آیات پر مشتمل ہیں پڑھیں۔ نماز تہجد اور کچھ نفلی روزوں کا بھی اہتمام کریں۔ چونکہ رجوع الی اللہ کے نتیجے میں جسم انسانی سے شیطانی اثرات زائل ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ ارواح خبیثہ کو کیسے دور کیا جائے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے دوسرا روزے رکھے جائیں۔ شیطانی اثرات سے نجات کیلئے یہ بہت اچھا نسخہ ہے۔

جادو ٹونہ اور شیطانی اثر کی وجہ سے مختلف جسمانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا ادارہ معارف اسلامی پنجاب یونیورسٹی لاہور طبع 1971ء جلد 7 میں لکھا ہے کہ جنات کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان میں لقوہ، فالج کی مختلف اقسام، اعضاء کا تشنج، کبھی گھریلو زندگی میں دخل اندازی کر کے ازدواجی تعلقات خراب کرتے ہیں۔

ایک مریض کے اندر ایک جن کو حاضر کیا۔ اس سے ایک سوال یہ پوچھا کہ تم انسانی جسم میں فالج اور دوسری بیماریاں کیسے پیدا کرتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ میں اس کے جسم میں داخل ہو کر اسکی رگوں میں جو خون گردش کر رہا ہے اس گردش کو روک دوں تو مریض فالج زدہ ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ مخلوق لوگوں کو معدہ کا مریض بنا دیتی ہے، پیٹ میں گیس پیدا کرتے ہیں۔

ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کیلئے بتاتے چلیں کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں آج بھی صحابی جنات کی ایک محدود تعداد موجود ہے جن کی عمریں 1500 سال سے 2000 سال تک ہیں۔ وہ دنیا میں مختلف لوگوں سے ملاقاتیں بھی کرتے ہیں۔

آزاد کشمیر کے ایک علاقہ میں ایک مریض پر دم کیا اور قرآن پاک کی تلاوت کی تو ایک چڑیل (جن عورت) بولی کہ میں پچاس سال تک سے اسکے ساتھ ہوں۔ میری اس سے دوستی ہے۔ بہر حال میں نے اس کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہوگئی۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب تک سینکڑوں ہزاروں جنات درس قرآن سن کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ ہمارے جنات نے انکی دینی تربیت کیلئے پہاڑوں میں ایک بڑا دارالعلوم بھی بنایا ہے جہاں نو مسلم جنات کو قرآن مجید اور احادیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا پورا انتظام ہمارے ساتھی جنات کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ چڑیل اس مریض کے اندر داخل ہوگئی اور کہنے لگی میں اسکے اندر سے نہیں نکلوں گی۔ اس کو دریا میں پھینک کر قتل کروں گی کیونکہ میرے بارے میں وہ کہہ رہی تھی کہ راجہ ظہور کے جنات نے میرے پندرہ بچے گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیے ہیں۔ یہاں یہ بتا دوں کہ سرکش اور باغی جنات کیلئے ہمارے

جنات نے پہاڑوں میں قید خانے بنائے ہیں جہاں ایسے باغیوں کو زنجیریں پہنا کر بند کیا جاتا ہے اور جو وعدہ کریں کہ آئندہ ہم کسی کو تنگ نہ کریں گے ان کو رہا کر دیا جاتا ہے، بصورت دیگر بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ بہر حال میں نے جنات کو حکم دیا کہ ان کے بچے رہا کر کے واپس کر دیے جائیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگر تمام بچے اس کے سامنے رہا کر دیے، وہ وعدہ کر رہی تھی کہ میں آئندہ اس کو تنگ نہیں کروں گی۔ ایسے میں وہ چڑیل بڑے غور سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی اور چیخ چیخ کر رو کر کہنے لگی کہ ایک بڑے بزرگ نورانی چہرے والے بہت خوبصورت سواری پر بیٹھ کر آ رہے ہیں۔ یہ صحابی جن تھے جو مدینہ منورہ سے ہمارے پاس آتے ہیں۔ جب عام جنات سے سرکش شیطان قابو نہ آئیں تو یہ بزرگ ان کو قابو کرتے ہیں۔ یہ چڑیل ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ میں آپ کی اطاعت کروں گی اور آئندہ کبھی نافرمانی نہ کروں گی۔

بہر حال یہ عورت اب ان بزرگوں سے مانوس ہوگئی ہے۔ اس چڑیل میں جو غرور و تکبر تھا وہ ختم ہوگیا ہے۔ کئی حضرات جو روحانی قوتوں کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، میں نے ان بزرگ صحابی جن سے ملاقات کرائی ہے ان کا ٹھکانہ مدینہ منورہ ہے اور ہزاروں جنات دنیا بھر سے ان کے پاس دم کرانے آتے ہیں۔ انسانوں کی طرح چونکہ جنات بھی بیمار ہوتے ہیں اس لئے یہ بزرگ ان کا روحانی علاج کرتے ہیں۔ جنوں میں اچھے حکیم اور ڈاکٹر بھی ہوتے ہیں۔

حال ہی میں گلیات ایوبیہ کے نیچے نکر موہڑہ میں ایک جن ڈاکٹر ایک انسان کے اندر داخل ہو کر انسانوں کا علاج کرتا رہا۔ سینکڑوں لوگوں کو اپنے ٹیکے لگائے۔ بہت سارے لوگوں نے بتایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے شفا دی ہے، وہ لوگوں کے رویے سے تنگ آ کر دوبارہ کراچی اپنے سردار کے پاس جا چکا ہے۔ ہمارے پاس وقتاً فوقتاً آ جاتا ہے، اس سے ہمارا رابطہ موجود ہے، کبھی دوبارہ واپس آ جاتا ہے۔

جنوں کی ایک قسم سانپ بھی بن جاتی ہے۔ نبی اکرمؐ ایک سفر میں صحابہ کرامؓ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ راستے میں ایک سانپ کھڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو نہ مارو یہ ان جنات میں سے ہے جنہوں نے مجھ سے قرآن پاک سنا اور مسلمان ہو گئے اور یہ آپ کو سلام کر رہا ہے۔

حال ہی میں تحصیل مری کے ایک گاؤں میں میرے پاس ایک 60 سالہ عورت کو لایا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کچھ جڑی بوٹیوں کی بدبو آتی ہے، پھر جسم میں کپکپی طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد بے ہوشی کا دورہ پڑتا ہے۔ اس عورت کے جسم کا ایک حصہ سن رہتا ہے۔ جب ہم نے اللہ کا کلام تلاوت کیا تو وہ عورت چیخ اٹھی کہ وہ میرے سامنے کالے کپڑوں والی ایک چڑیل عورت کھڑی ہے میں نے اس چڑیل عورت کو دعوت اسلام دی، اس نے فوراً دعوت قبول کر لی اور کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے چھ بچے بھی اس کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ ہمارے ساتھی جنات نے ان کو اپنے دارالعلوم میں داخل کر دیا جہاں ان کو دین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس جن عورت نے کہا کہ اس انسان عورت کے جسم میں بیماریاں میں نے پیدا کی ہیں۔ اب اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ آئندہ میں اس کو تنگ نہ کروں گی۔ اس عورت کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی اور صحت عطا کی۔

راولپنڈی شہر میں ایک گھر کے اندر ایک سایہ اہل خانہ کو گردش کرتے ہوئے نظر آیا۔ رات سوتے وقت گھر والوں کا گلا دبانا۔ اس شیطان نے گھر میں خوف و حراس کی کیفیت پیدا کی ہوئی تھی، گھر میں جس فرد پر زیادہ اثر تھا اس کو میرے پاس لایا گیا۔ جب میں نے مخصوص آیات قرآنی کی تلاوت شروع کی تو اس کی آنکھوں کے سامنے وہ کالے کپڑوں والا شیطان کھڑا ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ میرے سردار نے جو ایک جن ہے، مجھے ضلع سرگودھا سے یہاں بھیجا ہے۔ ان گھر والوں کا آبائی گاؤں وہاں ہے۔ ان لوگوں نے ہمارا ایک جن مارا ہے، ہم اس کا بدلہ لیں گے۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ اللہ کے حکم سے وہ ہماری اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو کہا کہ اپنے سردار کو سامنے لا کر اس سے بات کرائیں۔ فوراً ضلع سرگودھا کا وہ گاؤں آ گیا۔ سردار تخت پر بیٹھا تھا، اس کے نیچے کم و بیش دو سو جنات اس کے

تابع بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سب جنات مذہب کے اعتبار سے ہندو تھے۔ وہ مریض ہوش و حواس میں اس سردار کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے ان گھر والوں پر یہ کالے سائے کیوں مسلط کیے ہیں۔

اس جن نے جواب دیا کہ میرا ایک بندہ ان لوگوں نے قتل کیا ہے، میں ان کے گھر کا ایک آدمی قتل کردوں گا۔ بہرحال میں نے اسکو کہا کہ تو اگر باز نہ آیا تو ہم تمہارے خلاف سخت کارروائی کریں گے۔ میں تمہیں ایک ہفتہ کی مہلت دیتا ہوں۔ میں ہر غیر مسلم جن کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اب تک الحمدللہ ہزاروں غیر مسلم جن اسلام قبول کر چکے ہیں۔

ایک ہفتہ کے بعد اس سردار نے مجھے کہا کہ آپ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کریں اور یہ بتائیں کہ اگر میں اسلام قبول کروں تو مجھے کیا ملے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ اللہ کو رب مانو، حضرت محمدؐ کو اللہ کا رسول مانو، آخرت پر ایمان لاؤ۔ اسلام کی حقیقت اس کو تفصیل سے بتائی اور بتایا کہ تو اگر اسلام قبول کرے گا تو اللہ کے دردناک عذاب سے بچ جائے گا۔

اس کو سورۃ الاحقاف کی آیات سنائیں، جس میں جنوں نے نبی اکرمؐ سے قرآن سنا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔

اس نے اسلام کے بارے میں میری گفتگو سنی اور یہ کہا کہ بے شک تو نے سچ کہا ہے۔ ہم بھی ایمان لاتے ہیں، اسلام قبول کرتے ہیں۔ اس سردار سمیت اس کے 200 ساتھیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ کشمیر کے پہاڑوں میں ہمارے جنات نے نومسلم جنوں کی تربیت کیلئے جو دارالعلوم بنایا ہے اس میں ان کو لے گئے تاکہ اسلامی تعلیمات ان کو سکھائی جاسکیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے کالے کپڑے سفیدی میں بدل گئے۔ رنگ جو سیاہ کالے تھے اب سفید ہو گئے۔ اللہ کی برکت سے اللہ اور رسول اکرمؐ پر ایمان کی برکت سے ان پر نحوست کا اثر ختم ہو گیا۔ اب ان تمام جنوں نے عہد کیا کہ ہم کسی انسان کو تنگ نہیں کریں

گے۔

چند ماہ پہلے کی بات ہے ایوبیہ خانسپور کی ایک خاتون کو ایک چڑیل تنگ کرتی تھی، ہوش و حواس میں دن کی روشنی میں وہ چڑیل اس خاتون کے سامنے اس طرح آتی کہ اس کے کپڑے کالے سیاہ ہوتے ''پاؤں الٹے تھے'' شکل نہایت ڈراؤنی ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی۔ وہ اس عورت کو اذیت دیتی، جس کی وجہ سے وہ چیختی چلاتی تھی۔ اللہ کے فضل وکرم سے جب ہم نے اس پر آیات قرآنی دم کیں تو وہ چڑیل حاضر ہوگئی۔ میں نے اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے بتایا کہ ہمیں ایک عامل نے جادو کے ذریعے اس عورت پر مسلط کیا ہے۔ اس چڑیل نے کہا کہ آپ مجھے نہ جلائیں اور نہ ہی قید کریں میں اسلام قبول کرتی ہوں۔ جب ہم قرآنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے پاس اللہ کے لشکر جو جن بھی ہوتے ہیں اور فرشتے بھی۔ سفید کپڑوں میں بندوقیں اور تلواریں لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر شیطان جنات ان کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔

اگر یہ شیطان جنات ہمارے کہا نہ مانیں تو فوراً ہی مریض کے سامنے سفید کپڑوں والے مسلح بزرگ ان کو پکڑ کر پہاڑوں کے غاروں میں زنجیریں پہنا کر قید کر دیتے ہیں۔ اس طرح کے ہزاروں شیطانوں کو اب تک غاروں میں بند کیا جا چکا ہے۔ بہرحال وہ چڑیل اپنی تین دوسری بہنوں سمیت مسلمان ہوگئی۔ اب اس عورت کے سامنے وہ سفید کپڑوں میں آتی ہے اور تنگ نہیں کرتی۔ اس طرح اس عورت کو اذیت کے عذاب سے چھٹکارا مل گیا۔

راولپنڈی میں ایک ادارہ میں گریڈ 20 کے آفیسر پر جادو کا اثر ہوا۔ عاملوں نے جواب دیا کہ یہ جادو اتارنا ہمارے بس میں نہیں۔ اس جادو کو وہی بندہ اتار کر ختم کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بڑی طاقتیں عطا ہوں۔ وہ شیخ ضلع رحیم یار خان کا رہنے والے تھے، ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی، تکلیف روز بروز بڑھ رہی تھی۔ عاملوں نے اس کو بتایا کہ چند بڑے خوفناک جنات مسلط ہیں جو آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ بہرحال ہم نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ان کا علاج کیا۔ قرآنی آیات دم کیں ان کو وظائف پڑھنے کے لئے

بتائے جوانہوں نے پڑھنے شروع کیے۔ میں قارئین کو یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہمارے طریقہ علاج عام عاملوں سے بہت مختلف ہے۔ ہم جس کا علاج کرتے ہیں اس کے لئے پانچ وقت کی نماز پڑھنالازم ہے اسکے علاوہ تہجد اور نفلی روزوں کا اہتمام بھی کرنا ضروری ہے۔ صبح، دوپہر، شام مخصوص قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کا وظیفہ پڑھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ 3 یا 4 ماہ تک اس طرح مریض پر ہر 15 دن کے بعد دم کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ مؤکلات جو مریض پر مسلط کیے جاتے ہیں ان کو ہمارے جنات قید کرتے ہیں یا پھر بھڑکتی ہوئی آگ میں جلادیتے ہیں اور جادو ضائع کر دیتے ہیں۔

ابھی ابھی ہم جس شخص کا ذکر کر رہے تھے، اس نے ہمارے طریقہ کے مطابق وظائف پڑھے اور باقاعدہ دم کروایا۔ الحمدللہ وہ تہجد گزار آدمی تھا۔ ایک دن انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ جو دو خوفناک بیلوں کو ہانک کر لے جا رہے ہیں، ایک بہت بڑا لوہے کا گیٹ ہے اسکے اندر بند کر کے کہتے ہیں کہ اب انشاءاللہ یہ کبھی نہیں نکل سکیں گے۔ یہ دو بڑے بیل دراصل دو خوفناک شیطان جن تھے جو اس بندے پر مسلط تھے۔ اگر ان کو پکڑ کر قید نہ کیا جاتا تو یہ اس بندے کے لئے جان لیوا بن سکتے تھے۔ اگرچہ یہ طاقتور شیطان جن تھے لیکن اللہ کے لشکروں کے سامنے بے بس تھے۔ یہ صاحب جن پر جادو کے اثرات تھے، جب بیلوں کو بند ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کے بعد انکی صحت مسلسل بہتر ہونا شروع ہو گئی۔ ایک روز جب وہ اپنے دفتر جاتے تو عجیب وغریب مشاہدہ ہوتا ہے کہ دفتر کا سارا کمرہ ایک خاص قسم کی چیونٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بلا مبالغہ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی اور ان میں سے کوئی زندہ نہ تھی جیسے ان پر کوئی زہریلا سپرے کیا گیا ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت دی اور اب وہ اپنی ملازمت بطریق احسن نبھا رہے ہیں۔

ضلع راولپنڈی کے گاؤں کا ایک نوجوان جس کی عمر ئی 25 سال تھی، شیطانی قوتوں کے اثر کی وجہ سے دماغی مریض بن چکا تھا۔ بے ہوشی کے دورے بھی پڑتے تھے۔ ڈاکٹر اسکو مسلسل دماغ کے سکون کی دوائیاں استعمال کرواتے تھے۔ جب ہم نے اس کا علاج

شروع کیا تو اس نے سوتے ہوئے خواب میں ایک خوفناک سانپ دیکھا جس کا رنگ کالا تھا۔ یہ ایک درخت کے اوپر لٹکا ہوا نظر آیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی میری مدد کرے، یہ سانپ مجھ پر حملہ کرے گا۔ ایسے میں سفید کپڑوں میں ملبوس تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے کچھ بزرگ آئے جنہوں نے اس سانپ کو درخت سے اتار کر پے در پے تلوار کے وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اسکے بعد نوجوان بتدریج بہتر ہونا شروع ہو گیا، الحمدللہ اب اس نے دماغ کی گولیاں کھانا چھوڑ دی ہیں اور بالکل بہتر ہو گیا ہے۔ سانپ کی شکل میں وہ شیطان تھا جس کو ہمارے لوگوں نے ختم کر دیا۔ ایسے بیشمار واقعات ہیں جو ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں لیکن یہاں طوالت کے باعث نقل نہیں کیا ورنہ تو کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ جو مریض ہم سے علاج کرواتے ہیں وہ سینکڑوں کلومیٹر دور بھی ہوتے ہوئے جب کبھی ان پر شیطانی قوتوں کا حملہ ہوتا ہے تو ٹیلی فون پر بھی دم کرنے سے اللہ تعالیٰ انکو شفا دیتا ہے۔

میں بعض رسائل اور اخبارات میں یہ بھی پڑھتا ہوں کہ اگر آپ پر جادو یا جنات کا اثر ہے تو خود گھر بیٹھے اپنا علاج کیجئے، پھر چند وظائف لکھے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک سخت غلطی ہے۔ اگر واقعی آپ پر جادو یا شیطانی قوت کے اثرات ہیں تو کسی ماہر روحانی معالج کے زیگر نگرانی علاج ضروری ہے۔ جیسے اگر کسی کو جسمانی مرض لاحق ہو تو وہ بغیر کسی ڈاکٹر کے مشورہ کئے از خود میڈیکل سٹور سے ادویات لے کر کھانا شروع کر دے تو خود سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

شیطان جن اور جادو کے اثرات کی وجہ سے جسم انسانی میں بہت ساری بیماریاں پیدا ہوتیں ہیں جس کا اکثر ہمیں مشاہدہ ہوا ہے۔ مثلاً مریض کے سر پر بوجھ رہتا ہے، کندھے بھاری ہوتے ہیں، بغیر کسی وجہ کے اضطراب اور شدید بے چینی محسوس ہوتی ہے۔ کمر کا درد اور ریڑھ کی ہڈی میں شدید تکلیف بھی ہوتی ہے۔ شدید جادو کی وجہ سے جسم کے مختلف حصوں میں فالج کے حملے بھی ہوتے ہیں اور کتنے ہی لوگوں پر دل کا دورہ ان شیطانی قوتوں کا اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے روحانی علاج کے ذریعہ بہت سارے لوگوں کو جسمانی امراض سے بھی نجات مل چکی ہے۔

بعض اوقات اعصاب میں شدید دباؤ محسوس ہوتا ہے، ڈراؤنے خواب بھی آتے ہیں۔ بہت سارے لوگوں کو رات کو نیند نہیں آتی ہے، جسم انسانی میں جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا سبب معلوم کرنا کسی ماہر روحانی معالج کا کام ہے کہ یہ بیماریاں واقعی جسمانی ہیں یا کسی شیطانی اثر کا نتیجہ ہے۔

میں آخر میں قارئین سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جادو کے اثرات گھر میں موجود ہیں، جن کے گھریلو زندگی اور کاروبار پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں، گھر میں لڑائی جھگڑا معمول بن گیا ہے تو کسی ماہر سے اس کا توڑ کرانا چاہیے۔ اس جادو کے اثرات زائل کرنے کے لئے طاقتور قوتیں درکار ہوتی ہیں جو ان عاملوں کے پاس نہیں ہوتی جو کتابوں میں لکھے ہوئے عملیات پڑھ کر عامل بن جاتے ہیں۔ ان جاہل عاملوں سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے، ان سے خبردار اور ہوشیار رہنا چاہیے۔ شیطانی قوتوں کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے نماز تہجد اور نفلی روزے بھی رکھنے چاہئیں۔ اور ذکر اللہ سے بڑا کوئی ہتھیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنا تکالیف سے نجات کا ذریعہ ہے، صدقہ وخیرات بھی آفتوں کو ٹالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے بندے بن جائیں۔

صحابہ کرامؓ کے واقعات:

حضرت خالد بن ولیدؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ جنات میں سے ایک مکار جن مجھے فریب دے رہا ہے۔ آپؐ نے ان کو چند کلمات بتائے اور پڑھنے سے خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں کہ اس شیطان کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دور کیا۔

ابودجانہؓ کا واقعہ:

حضرت ابو جادنہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میں اپنے بستر پر سوتا ہوں تو اپنے گھر میں چکی چلنے کی آواز سنتا ہوں شہد کی مکھی کی بھنبھاہٹ سنتا ہوں، پس میں گھبراہٹ میں سر اٹھاتا ہوں، مجھے ایک سیاہ سایہ نظر آتا ہے جو بلند ہو کر میرے گھر کے صحن میں پھیل جاتا ہے۔ وہ میری طرف آگ کے شعلے پھینکتا ہے۔ میرا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھے جلا دے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں رہائش رکھنے والا جن برا ہے۔

اے ابودجانہؓ! رب کعبہ کی قسم کیا تیرے جیسا بھی ایذا دینے کے قابل ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ، جب پیش کئے گئے تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے ابوالحسن لکھ۔ پھر آپؐ نے کچھ کلمات لکھوائے۔ ابودجانہؓ اس خط کو لے کر گھر گئے، اپنے سر کے نیچے لکھ کر رات کو سوئے تو چیخنے کی آوازیں آئیں۔ اے ابودجانہ لات وعزیٰ کی قسم ان کلماتؓ نے ہمیں جلا ڈالا۔ تمہیں اپنے نبی کی قسم، یہ نامہ مبارک یہاں سے اٹھالو ہم تیرے گھر میں کبھی نہ آئیں گے۔ ابودجانہؓ نے کہا میں رسول اکرمؐ کی قسم نہیں اٹھاؤں گا جب تک اللہ کے رسولؐ سے مشورہ نہ کرلوں۔ جنات کے رونے اور چیخنے سے وہ رات ابودجانہؓ کیلئے بہت طویل ہوگئی۔ صبح سویرے بارہ گاہ نبوت میں حاضر ہو کر نبی اکرمؐ کو ساری روداد سنائی۔ آپؐ نے فرمایا ابودجانہؓ وہ نامہ مبارک جنات سے اٹھالو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ان جنات کو قیامت تک عذاب کی تکلیف ہوتی رہتی۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرمؐ کے ساتھ ایک صبح کو نکلے۔ بطن روحا کے مقام پر ایک عورت نے اپنا بچہ پیش کیا اور عرض کیا، اے رسول اکرمؐ یہ میرا بیٹا ہے۔ جب سے میں نے اسکو جنا ہے اب تک اس کو افاقہ نہیں ہوا تو اللہ کے رسولؐ نے اس سے بچہ لیا اپنے سینہ اور ٹانگوں کے درمیان رکھ کر اس کے اوپر تھوکا اور فرمایا اے خدا کے دشمن! نکل جا میں اللہ کا رسولؐ ہوں پھر بچہ اس کی والدہ کو دے دیا اور فرمایا!

"لے جاؤ انشاء اللہ بچے کو کبھی تکلیف نہ ہوگی۔"

ایک دوسری روایت ہے کہ جب آپؐ وہاں سے آگئے تو اس عورت نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ وہ بچہ بالکل ٹھیک ہوگیا۔

یہ تمام واقعات عالم عرب کی نامور شخصیت جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ‘‘المرجان فی ااحکام الجان’’ کے اردو ترجمہ سے لئے گئے ہیں۔

حضرت فارجہ کہتے ہیں کہ ان کے چچا نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر جب وہ واپس جانے لگے تو ان کا گذر ایسی بستی سے ہوا جہاں لوگوں نے ایک پاگل کو زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ اس کے لواحقین نے ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارا نبیؐ خیر و بھلائی لے کر آیا ہے تو کیا تم اس مجنوں کا علاج کر سکتے ہو، انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ مریض کو شفا مل گئی۔ اس کے گھر والوں نے انہیں سو بکریاں بطور انعام دیں۔ انہوں نے بعد میں یہ سارا واقعہ اللہ کے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنایا۔ آپؐ نے پوچھا تم نے کچھ اور بھی پڑھا تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ وہ بکریاں قبول کر لو کیونکہ تم نے برحق دم کیا، لوگ تو ناجائز دم کر کے مال لیتے ہیں۔ یہ حدیث سنی تو ابوداؤد میں امام نوری اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ایک دوسرا واقعہ جو نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے چند اصحابؓ کو ایک مہم پر بھیجا جن میں ابوسعید خدریؓ بھی تھے۔ یہ حضرت راستے میں عرب کے ایک قبیلے کی بستی میں جا کر ٹھہرے، انہوں نے قبیلے والوں سے کہا کہ ہماری میزبانی کرو۔ انہوں نے انکار کیا۔ اسی دوران قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، وہ لوگ ان مسافروں کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی ایسا عمل ہے جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کرو۔ ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ ہمارے پاس علاج ہے مگر جب تک تم ہمیں کچھ دینے کا وعدہ نہ کرو۔ اس وقت تک عمل نہ کریں گے۔ انہوں نے 30 بکریاں دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ سردار ٹھیک ہو گیا۔ قبیلے والوں نے خوشی سے 30 بکریاں دے دیں مگر ان اصحابؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تک اللہ کے رسولؐ سے پوچھ نہ لیا جائے بکریوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا۔ اللہ کے رسولؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورۃ جھاڑنے کے کام بھی آسکتی ہے۔ بکریاں لے لو اس سے میرا حصہ بھی نکالو۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے دم کیا اور بکریوں کی صورت میں اجرت لی اور اللہ کے رسولؐ نے اسے جائز قرار دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ دم کرنے کے نتیجے میں اجرت لینا شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ اور جو حضرات قرآنی آیات سے یا خیر کی قوتوں سے شر کا علاج کرتے ہیں، شیاطین اور جادو ٹونے کے اثر کو شرعی طریقے سے دور کرتے ہیں، اگر وہ کوئی اجرت یا ہدیہ لیں تو شریعت کی رو سے وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔

یہاں ہم قارئین کی رہنمائی کیلئے قرآنی آیات اور نبی اکرمؐ کی چند دعائیں نقل کرتے ہیں ان کی تلاوت جہاں لوگوں کیلئے اللہ کے فضل سے نفع بخش ثابت ہوگی وہاں شیاطین اور جادو ٹونے کے اثرات کو زائل کرنے کیلئے انشاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔

تفصیلات:

سورہ فاتحہ	روزانہ کم از کم 101 بار	
یاحی یاقیوم برحمتك استغیث	200بار	
سورہ توبہ کی آخری آیات	100بار	
ماشاء اللّٰه لاقوة الا باللّٰه	200بار	
رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین	200بار	(۱۲)

* * *

جب بدروح دفن ہوگئی

میں نے دیکھا کہ بادل میں لپٹی ہوئی شبیہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ ایک اور وجود کھڑا تھا۔ وہ شاید میری روح یا بدروح تھی

آپ نے مرے ہوئے انسانوں کے بھوتوں اور بدروحوں کی کہانیاں تو سنی ہوں گی۔ میں نے بھی بہت سنی ہیں اور ان پر یقین بھی گیا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بدرحوں کی کہانیوں کو سچ ماننے والوں نے جن میں میں بھی شامل ہوں کبھی کسی مرے ہوئے انسان کی بدروح نہیں دیکھی ہوگی۔ عام طور پر بدروحوں کو رات کے وقت کمروں میں گھومتا دکھایا جاتا ہے یا کسی پرانے میدان جنگ میں یا کسی پرانے فوجی کیمپ میں یا کسی ایسی جگہ جہاں کسی نے خودکشی کی ہو۔ اکثر کسی ایسے آدمی یا عورت کی بدروح کو بھی دکھایا جاتا ہے جو ناکام محبت ہو۔ یا ایسی بیوی جو ظالم خاوند کے ہاتھوں تڑپ تڑپ کر مری ہو۔ ہر بدروح کا گھومنے پھرنے کا انداز ایک جیسا ہوتا ہے۔ جب بدروح کمرے میں آتی ہے تو کمرہ یخ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگر کمرے میں بلی ہو تو وہ ڈر کے مارے باہر بھاگ جاتی ہے اور اگر کتا ہو تو وہ عجیب طریقے سے بھونکتا ہے۔

میں یہ کہانیاں پڑھتا رہا، سنتا بھی رہا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں انہیں سچ ماتا رہا۔ ایک روز میں نے برطانوی نیوی کے ایک جواں سال ملاح کی بدروح کی کہانی سنی جو مجھے دوسری کہانیوں سے الگ تھلگ لگی۔ یہ نوجوان ملاح دوسری جنگ عظیم میں بحیرہ روم میں اپنے بحری جہاز کے ساتھ ڈوب کر مر گیا تھا۔ اس کی بدروح اس کی محبوبہ کو رومانی انداز سے نظر آنے لگی تھی۔ اگر اس کی محبوبہ کی جگہ میں ہوتا تو اس بدروح سے کبھی نہ اکتاتا لیکن سننے میں آیا کہ یہ خوبصورت اور نوجوان لڑکی اپنے چاہنے والے کی بدروح سے بے حد پریشان ہوگئی اور اس نے ایک عورت کی مدد سے اس بدروح سے چھٹکارا حاصل کیا جس

کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ وہ زندہ اور مرے ہوئے لوگوں کے درمیان ٹیلی فون ایکسچینج کا کام کرتی ہے۔

یہ میرے شہر سے تقریباً ایک سو میل دور کے ایک قصبے کی کہانی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک بوڑھی عورت ہے۔ جو بدروحوں پر قابو پالیتی ہے اور مرے ہوؤں کی بدروحوں کو بلا کر ان کے پسماندگان سے ملاقات بھی کرا دیتی ہے۔ میں اس وقت تک نظر آنے والی بدروحوں کے سینکڑوں قصے سن اور پڑھ چکا تھا۔ جب اس بوڑھی عورت کے متعلق سنا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے ایک جواں سال ملاح کی بدروحوں پر قابو پالیا ہے تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس عورت سے ملوں اور بدروحوں کے متعلق تحقیق کروں۔

آخر ایک روز میں اس عورت کے قصبے میں جا پہنچا اور جب قصبے کے پہلے ہی آدمی سے اس عورت کا گھر پوچھا تو اس آدمی نے کہا۔ ’’ہاں، آپ کو فوراً اس کے ہاں پہنچ جانا چاہئے۔ اس کے سوا آپ کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ آپ کو کس کی روح پریشان کرتی ہے؟ بیٹے کی؟...... بیوی کی؟...... یا کسی دوست کی؟...... وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔

’’کسی کی ہی کیوں نہ ہو۔ آپ بوڑھی روزمیری سے بات کریں۔ آپ کی پریشانیوں کا علاج اسی کے پاس ہے۔ لوسی بے چاری تو دق کی مریضہ بن گئی تھی۔ روزمیری نہ ہوتی تو لوسی چند دنوں تک مر جاتی۔‘‘

’’لوسی کون ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’لوسی بڑی پیاری لڑکی ہے۔‘‘ اس نے کہا۔ ’’اسے نیوی کے ایک فوجی ملاح سے بہت محبت تھی......‘‘

’’اچھا، اچھا۔‘‘ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ’’میں یہی قصہ سن کر آیا ہوں۔ آپ مجھے اس بوڑھی عورت کا گھر دکھا دیں۔ کیا نام بتایا ہے اس کا؟‘‘

’’روزمیری۔‘‘ اس نے کہا اور مجھے اس کے گھر تک پہنچا دیا۔

میری دستک کے جواب میں اس نے خود ہی دروازہ کھولا۔ وہ بہت بوڑھی تھی۔ سفید

بال اس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر ستر برسوں کی گہری لکیریں تھیں۔ اس نے مردانہ گاؤن پہن رکھا تھا اور پاؤں میں مردانہ پی ٹی شوز تھے وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ یہ اس کا ڈرائنگ روم تھا۔ وہاں کوئی صوفہ نہیں تھا۔ تین چار آرام کرسیاں اور تین چار دفتری کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک دیوار کے ساتھ بوسیدہ سا دیوان اور تین چھوٹی بڑی میزیں بے ترتیبی سے رکھی تھیں۔ کرسیوں میزوں اور دیوان پر طرح طرح کی بیکار چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ مثلاً خالی ڈبے اور بوتلیں۔ بال پن، فائر کئے ہوئے کارتوسوں کے خالی کھوکھے، بیئر کی خالی بوتلیں، گھونگھے اور سیب، کانچ کے ٹکڑے، اخباریں، رسالے اور ردی کاغذ چمچے اور باہر سے آئے خطوط کے لفافے اور اس قدر چیزیں جو میں ساری کی ساری گنوا نہیں سکتا۔

اس نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم بیٹھ جاؤ۔ ٹھنڈ میں آئے ہو۔ کافی تو ضرور پیو گے۔ میں کافی بنا لاتی ہوں۔ اتنی دیر نہیں اکیلے بیٹھنا پڑے گا۔ میں گھر میں اکیلی ہوں۔'' اور وہ یہی کچھ بڑابڑاتی ہوئی کمرے میں نکل گئی۔ ''میں اکیلی ہوں نا۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں......'' اور مجھے اس کے یہ الفاظ بھی سنائی دیئے۔ ''لوگ کہتے ہیں کہ میں بدرحوں کو قابو کر لیتی ہوں۔ جاہل لوگ، یہ نہیں سمجھتے کہ میں خود بھٹکی ہوئی بدروح ہوں۔''

وہ تو چلی گئی لیکن اس کباڑ خانے جیسے کمرے میں اکیلے بیٹھے ہوئے مجھ پر خوف طاری ہونے لگا۔ دیواروں اور چھت کے پھیکے پھیکے رنگ اور دنیا بھر کی بکھری ہوئی بیکار چیزوں کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے ابھی بدروحیں آ کر اس کمرے میں کھیلیں گی اور مجھے اکیلا دیکھ کر میری کھال اتار لیں گی۔ میری سب سے بڑی کمزوری تو یہ تھی کہ میں بدروحوں پر یقین رکھتا تھا۔ مجھے ہر لمحے توقع تھی کہ ایک بدروح تو یقیناً کمرے میں آ کر ضرور ہی میری مزاج پرسی کرے گی۔

جب بوڑھی روز میری ہاتھ میں کافی کی ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی تو وہ بھی مجھے بدروح نظر آئی۔ اس نے ٹرے...... پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تمہیں بھی کوئی بدروح پریشان کر رہی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے بدروحوں کے قصے پریشان کر رہے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ سے معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔ سنا ہے کہ حال ہی میں آپ نے ایک نوجوان لڑکی کو ایک ملاح کی روح سے نجات دلائی ہے جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کا بدروحوں کے ساتھ رابطہ ضرور ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکیں گی کہ بدروح کی اصلیت کیا ہے اور وہ کون سے لوگ ہیں جن کی بدروحیں لوگوں کو نظر آتی ہیں؟''

''یہ تو بڑی لمبی بات ہے۔'' اس نے کہا۔ ''لوگ مجھے مرے ہوؤں اور زندہ لوگوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میں ان کی مدد کرتی ہوں اور یہی میرا ذریعہ معاش ہے۔'' بوڑھی روز میری نے بدروحوں کے متعلق کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں کہ مجھے جرح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ جب میں نے اس پر الٹے سیدھے سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی تو وہ خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے مجھ سے چند ایک سوال پوچھے۔ میرے جوابوں سے متاثر ہو کر کہنے لگی۔ ''جب سے میں نے یہ پیشہ اختیار کیا ہے تم پہلے انسان ہو جس نے مجھ سے بدروحوں کے متعلق عقل کی باتیں پوچھی اور کہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں تمہیں لوسی اور ملاح کی بدروح کے ملاپ کا قصہ سنا دوں۔ اس قصے میں تمہارے تمام سوالوں کے جواب موجود ہیں۔

وہ اصل کہانی سنانے سے پہلے بولی۔ ''یہ وعدہ کرو کہ میں تمہیں جو باتیں بتاؤں گی، تم انہیں میرے مرنے تک اپنے سینے میں محفوظ رکھو گے۔''

اس نے ایسی باتیں کیں اور ایسے لب و لہجے میں کیں کہ میں نے سچے دل سے وعدہ کیا

کہ اس کے جیتے جی اس کی باتوں کو راز میں رکھوں گا۔ کوئی تین مہینے ہوئے روز میری مرگئی ہے اس لیے میں اس راز سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔

اس نے کہا...... ''لوسی ہمارے قصبے کی بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ اور وہ ملاح جس کا نام فرینک تھا، قصبے کا خوبرو نوجوان تھا۔ قصبے کے سبھی جواں سال مرد لوسی سے محبت کی بھیک مانگتے تھے اور سبھی نوجوان لڑکیاں خوبرو فرینک کی دوستی کی خواہاں تھیں۔ فرینک قصبے کا طاقتور باکسر تھا جس نے کئی اکھاڑوں میں قصبے کا نام بلند رکھا۔ لوسی اور فرینک میں ایک خوبی مشترک تھی، وہ قصبے کے دوسرے نوجوانوں اور لڑکیوں کی طرح چلبلے اور تفتیش پسند نہیں تھے۔ دونوں میں خاص قسم کی سنجیدگی اور خاص قسم کی شگفتگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قصبے کی اس نسل میں مجھے وہ دونوں اپنے بچوں کی طرح عزیز تھے......

''قصبے کا کوئی نوجوان لوسی کو پسند نہ آیا اور فرینک نے قصبے کی کسی لڑکی کی دوستی قبول نہ کی۔ ہوا یہ کہ لوسی اور فرینک ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے میں گھل مل گئے۔ اس دوستی کو نہ لڑکیوں نے پسند کیا نہ غیر شادی شدہ مردوں نے، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے، سب کے دل ٹوٹ گئے تھے......

''دونوں میرے پاس کبھی کبھی آیا کرتے تھے۔ کبھی اکٹھے ہوتے تھے کبھی اکیلے۔ دونوں میں سے کوئی بھی میرے پاس اکیلا آئے تو دوسرے کے متعلق باتیں کرتے تھکتا نہ تھا۔ ہوتے ہوتے میں ان کی راز دان بن گئی۔ وہ بعض اوقات میرے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف باتیں کیا کرتے تھے لیکن ان باتوں میں جو خفگی ہوتی تھی اس میں عشق و محبت کا بڑا ہی پیارا جذبہ موجزن تھا۔ جب وہ اکٹھے میرے پاس آتے تو مجھ سے بھٹکتی ہوئی بدروحوں کی کہانیاں سنا کرتے تھے۔ میں انہیں اکثر ایسی لڑکیوں کی بدروحوں کی کہانیاں سنایا کرتی تھی جو اپنے چاہنے والوں کے ساتھ شادی سے پہلے ہی مرگئی تھیں۔ یا شادی کے فوراً بعد مرگئی تھیں یا چاہنے والے کی بے وفائی سے کڑھ کڑھ کر مری تھیں......

''جب لوسی اور فرینک کی محبت دیوانگی کی حد تک پہنچ گئی تو لوسی کی بدروحوں کی کہانیوں سے دلچسپی بھی بڑھ گئی۔ کبھی کبھی وہ اکیلی ہی میرے پاس آجاتی اور کہتی کہ کسی نئی بدروح کی بات سناؤ۔ پہلے پہل وہ میری کہانیاں اس طرح سنتی رہی جس طرح بچے کہانیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن میں نے خاص طور پر دیکھا کہ جوں جوں اس کے دل میں فرینک کی محبت زیادہ گہری ہوتی چلی گئی، وہ بدروحوں کی کہانیوں کو زیادہ سنجیدگی سے سننے لگی۔ بعض اوقات اس کے بھولے بھالے سے چہرے پر اداسی چھا جاتی۔ اس نے مجھ سے کئی بار پوچھا کہ اگر میں مرجاؤں تو کیا تم مجھے فرینک سے ملایا کرو گی اور اگر فرینک نے میرے مرنے کے بعد کسی دوسری لڑکی سے شادی کرلی تو کیا میری بدروح اس لڑکی کو جان سے مار دے گی؟...... میں ابتدا میں اس کے تجسس کو نہ سمجھ سکی۔ یہ میری غلطی تھی......

''میں اتنا ضرور سمجھ گئی کہ لوسی اب فرینک سے ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہیں رہ سکتی اور فرینک کی محبت اس کی روح میں اتر گئی ہے۔ ایک روز فرینک آگیا۔ اس نے حسب معمول لوسی کی باتیں شروع کردیں۔ میں نے اسے کہا کہ دیکھو بیٹا، تم نے بہت ہنس کھیل لیا۔ اب جوان ہوگئے ہو۔ لوسی سے شادی کرلو۔ زندگی صرف ہنسی کھیل اور رومان پرستی کا نام نہیں۔ تمہارے اب بچے ہونے چاہئیں۔ اب اپنا گھر بساؤ......

''فرینک یک لخت سنجیدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں آج یہی مسئلہ لے کے آیا ہوں...... مسئلہ یہ ہے کہ لوسی میرے ساتھ شادی کرنے کو تیار نہیں۔ میں کوئی دس بار اسے کہہ چکا ہوں لیکن وہ کہتی ہے کہ شادی کسی اور سے کرلو۔ میں تمہارے ساتھ صرف محبت کروں گی......

''فرینک کے کہنے کے مطابق پہلے تو لوسی اسے اس انداز سے ٹالتی رہی جیسے وہ شادی کے تصور سے شرماتی ہو۔ آخر ایک روز فرینک نے اسے خفگی سے کہا کہ وہ شادی کے لیے ہاں کردے ورنہ وہ اس سے قطع تعلق کرلے گا۔ لوسی کے آنسو نکل آئے اور اس نے رو کر فرینک سے التجا کی کہ وہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ شادی کے بعد جب ان کے ہاں بچے پیدا ہوگے تو فرینک کی محبت تقسیم ہوجائے گی۔ وہ کسی کو فرینک کی محبت کا حصے دار نہیں بنانا چاہتی......

’’فرینک نے اسے قائل کرنے کے لئے کیا کیا جتن نہ کیے لیکن وہ شادی سے مسلسل انکار کرتی رہی۔ جب فرینک اسے کہتا کہ میں تو ایسے ساتھی کی تلاش میں ہوں جو میرا تمام عمر کا ساتھی بنے لیکن چونکہ لوسی شادی پہ آمادہ نہیں۔ اس لیے وہ کسی اور سے شادی کرلے گا تو لوسی اس کے ساتھ لپٹ جاتی اور اس قدر روتی کہ فرینک اس کی ہر بات مان لیتا......

’’میں نے ایک روز لوسی سے پوچھا کہ وہ شادی سے گریز کیوں کرتی ہے اور اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ بچے ہو جانے کے صورت میں میاں بیوی کی محبت پختہ اور دائمی ہو جاتی ہے۔ لوسی نے کہا کہ بچوں کے متعلق میں نے یہ جو کہا تھا کہ فرینک کی محبت تقسیم ہو جائے گی۔ محض بہانہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے شادی سے گھن سی آتی ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شادی کے تھوڑے عرصے بعد فرینک کی طبیعت اس سے بھر جائے اور وہ اس سے اکتا جائے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ فرینک اس سے دور ہوتا ہے تو وہ اس کے جسم کے لمس کو ترسنے لگتی ہے۔ مگر جب وہ شادی کی بات کرتا ہے تو میں اپنے آپ سے سکڑنے لگتی ہوں۔ حالانکہ مجھے اس کے جسم سے بھی اتنا ہی پیار ہے جتنا اس کی روح سے عشق ہے......

’’میں نے اسے قائل کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ چپ رہی اور شادی سے نہ انکار کیا نہ اقرار۔ میں نے اسے اپنی زندگی کی واردات سنائی اور بتایا کہ مجھے بھی فرینک جیسے ایک خوبرو نوجوان سے محبت ہوئی تھی۔ میں نے اس سے شادی کر لی تھی مگر شادی کے چھٹے ہی مہینے میرا محبوب شوہر ہر روز کی طرح ہنستا مسکراتا گھر سے نکلا اور ایک گھنٹے بعد اس کی لاش واپس آئی۔ قصبے میں دو آدمیوں کی لڑائی ہوگئی تھی۔ ایک نے پستول نکال کر دوسرے پر فائر کیا۔ میرا خاوند قریب سے گزر رہا تھا کہ گولی اس کے جسم سے پار ہوگئی۔ گولی مارنے والے کو اٹھارہ برس سزائے قید ہوگئی تھی مگر مجھے تو عمر قید ہوگئی۔ قصبے کے کئی نوجوان محبت کا پیغام لے کے آئے لیکن مرنے والا میری امنگیں اپنے ساتھ ہی لے گیا اور دل ایسا ٹوٹا کہ میں نے اپنے آپ کو اس کمرے میں قید کرلیا اور اسی کمرے میں عمر پوری کردی ہے......

’’میرے عزیز مہمان! میں نے لوسی کو بتایا کہ میں اپنے محبوب خاوند کی بدروح سے ہمکلام رہی اور ساری عمر اسی بدروح سے پیار کرتے گزار دی ہے۔ میں کمرے میں اس کی موجودگی کو محسوس کرتی ہوں مگر اس کے جسم کو محسوس نہیں کرسکتی۔ اس کی انگلیوں کو اپنے بالوں میں اور اس کے ہونٹوں کو اپنے گالوں پر محسوس کرتی ہو۔ مگر یہ احاس میرے تصور کی تخلیق ہوتا ہے۔ کبھی تو اس کی سانسوں کو اپنی گردن پر محسوس کرتی ہوں مگر اس کی سانسوں کی بوباس سے نا آشنا رہتی ہوں میں نے ساری عمر اسی تصور میں گزار دی ہے اور یہ تصور میرے خاوند کی بدروح بن گیا ہے۔ میں نے لوسی کو بتایا کہ محبت سے محرومی زندگی کو جہنم بنادیتی ہے......

’’میرا خیال تھا کہ لوسی پر میری ان باتوں کا ایسا اثر ہوگا کہ وہ فرینک سے شادی پر رضا مند ہو جائے گی لیکن اس نے اصل موضوع سے ہٹ کر مجھ سے میرے خاوند کی محبت اور اس کی بدروح سے ملاپ کے متعلق تفصیلات پوچھنی شروع کردیں۔ میں بھی اپنی محبت کی دلفریب بھول بھلیوں میں ایسی الجھی کہ یہ نہ دیکھ سکی کہ لوسی کے ذہن پر میری باتوں کا کیا اثر ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ تصوروں میں کھوگئی تھی اور خلاؤں میں یوں دیکھنے لگی تھی جیسے میرے خاوند کی بدروح کو ڈھونڈ رہی ہو۔‘‘

بوڑھی روزمیری کے لب و لہجے میں کچھ ایسا طلسماتی سا تاثر تھا کہ میں بھی خلاؤں میں اس کے خاوند کی بدروح کو ڈھونڈنے لگا۔ مجھے یوں گم صم بیٹھا دیکھ کر روزمیری نے کہا......

’’میں نے یہ بات کبھی کسی کو نہیں سنائی۔ تمہاری باتوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم صرف قصے کہانیاں سننے نہیں آئے۔ تم کچھ جاننے کے لئے آئے ہو ورنہ میں اتنی لمبی داستان شروع ہی نہ کرتی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ داستان میرے سینے میں زہریلے غبار کی طرح بھری ہوئی تھی۔ تم نے اچھا کیا جو مجھ سے پوچھا اور میں نے یہ غبار نکال کر کچھ اپنے من کو وقتی طور پر ہلکا کرلیا ورنہ مجھ سے ایسی بات کون پوچھتا ہے۔ لوگ مجھے جادوگرنی سمجھتے ہیں جس کے اندر شاید جذبات ہیں ہی نہیں۔‘‘

اس نے کہا۔ ’’میں لوسی کو قائل نہ کرسکی کہ وہ فرینک سے شادی کرلے۔ پھر میں نے

فرینک سے کہا کہ لوسی ابھی کمسن اور نادان ہے۔ وہ جسمانی لحاظ سے جوان ہوگئی ہے لیکن اس کے ذہن نے ابھی بچپن کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ تم جلد بازی میں کہیں اس کا دل نہ توڑ دینا۔ ذرا صبر اور تحمل سے کام لو......

''فرینک مان تو گیا لیکن دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ جرمن فوجیں دیکھتے ہی دیکھتے رودبار انگلستان کے اس ساحل تک آن پہنچیں اور ہٹلر کے ہوائی بیڑے نے انگلستان کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔ نوجوان فوج میں جانے لگے اور ایک روز فرینک بھی نیوی میں بھرتی ہو کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد لوسی کی حالت بگڑنے لگی۔ بعض اوقات وہ رونے لگتی اور کہتی کہ میں فرینک کو خط لکھ رہی ہوں کہ واپس آ جائے میں اس سے شادی کر لوں گی۔ میں اسے تسلیاں دیتی رہی اور اس کا دل بدروحوں کی سنسنی خیز اور دلچسپ کہانیوں سے بہلاتی رہی لیکن وہ اب سوائے اس کے کوئی اور بات نہیں کرتی تھی کہ فرینک صرف ایک رات کے لئے آ جائے۔ میں اُس کے ساتھ شادی کر لوں گی۔ شب عروسی کے بعد وہ چلا جائے......

''فرینک پورا ایک سال نہ آیا۔ سال بعد اس کے ہیڈکوارٹر سے تار آیا کہ فرینک بحرۂ روم میں اپنے جنگی بحری جہاز کے ساتھ ڈوب کر مر گیا ہے۔ اس کے جہاز کو ایک جرمن آبدوز نے ڈبویا تھا۔ اس خبر سے لوسی کا جو حال ہوا تھا اسے تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو میرا خیال تھا کہ وہ رو رو کر پاگل ہو جائے گی لیکن اس کی آنکھیں خشک تھیں اور ہونٹ سلے ہوئے۔ میں نے اسے بلایا، باتیں کیں لیکن وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ میں فرینک کی باتیں کرتے کرتے رو پڑی مجھے توقع تھی کہ وہ بھی رو پڑے گی تو آنسوؤں سے اس کے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے گا لیکن معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس دنیا سے لاتعلق ہو گئی ہو...... پھر وہ چھ مہینے مجھے نظر نہ آئی۔

''ایک صبح وہ آ گئی۔ اس کا حال حلیہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ میں اسے پہلی نظر میں تو پہچان ہی نہ سکی۔ اس کی سپیدی مائل گلابی چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں شب بیداری کا بے نور تاثر تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ بہت ہی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ میں

سمجھی کہ اس نے فرینک کی بے وقت موت کے غم میں یہ حالت بنا رکھی ہے۔ میں اسے تسلی تشفی دینا چاہتی تھی لیکن اسے دیکھ کر مجھے اپنی جوانی یاد آ گئی۔ میرا خاوند مر گیا تھا تو چند دنوں میں میری بھی یہی حالت ہو گئی تھی۔ میرا دل بھر آیا۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا اور میں خوب روئی لیکن لوسی کی آنکھیں خشک تھیں۔ جب اس نے بات کی تو معلوم ہوا کہ وہ اچھی طرح بول بھی نہیں سکتی۔ میں نے اسے کہا۔ لوسی بیٹی! مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا۔ جو مر گئے وہ لوٹ کے نہیں آئیں گے۔ اپنی جوانی کا اپنے حسن کو یوں گھن نہ لگاؤ......

اس نے دکھ سے بوجھل آواز میں کہا...... ''یہی تو رونا ہے کہ مرنے والے لوٹ کے آ جاتے ہیں۔ فرینک مر گیا ہے لیکن ہر روز میرے پاس آتا ہے۔ اس کی بدروح ہر رات میرے کمرے میں آتی ہے اور چار مہینوں سے میں اس کی بیوی کا کردار ادا کر رہا ہوں......''

میں نے چونک کر کہا کہ کھل کر بات کرو، میں کچھ سمجھی نہیں، اس نے کہا...... ''فرینک کے مرنے کی اطلاع ملی تو تین دنوں تک مجھے یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ میں کہاں ہوں زمین پر یا آسمان پر۔ گھر میں ہوں یا سڑکوں پر ماری ماری پھر رہی ہوں۔ مجھے اتنا ضرور احساس ہے کہ میں جنگل کے اس گوشے میں کئی بار گئی اور وہاں تنہا بیٹھ کر فرینک کا انتظار کرتی رہی۔ کچھ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے فرینک مرا نہیں۔ وہ آ جائے گا۔ ہم کھلے بندوں اکٹھے گھوما پھرا کرتے تھے اور کبھی کبھی دنیا کے ہنگاموں سے دور جنگل کے ایک گوشے میں جا بیٹھتے تھے جسے پھولدار جھاڑیوں اور گھنی بیلوں نے دنیا کی نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا۔ وہیں فرینک مجھے شادی کے لیے کہا کرتا تھا اور میں اسی خوبصورت گوشے میں بیٹھ کر فرینک کے جسم کے لمس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بھی شادی کرنے سے انکار کیا کرتی تھی......

''تین چار دنوں بعد میں اپنے آپ میں آنے لگی۔ میں نے اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش شروع کر دی کہ فرینک مر گیا ہے اور کبھی واپس نہیں آئے گا مگر دل نے ایک لمحے کے لیے بھی تسلیم نہ کیا کہ فرینک مر گیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو فریب دینے شروع کیے کہ مجھے فرینک سے محبت نہیں تھی۔ یہ تو رسمی سی دوستی تھی۔ اب محبت اور شادی کسی اور سے کروں

گی مگر میرے یہ فریب بھی نا کام رہے۔ رات اچانک آنکھ کھل جاتی تو میں ایسے محسوس کرتی جیسے فرینک نے مجھے جگا دیا ہو۔ اس وقت میں فرینک کی جدائی سے بے حال ہو جاتی اور باقی رات سسکیاں اور آہیں بھرتے گزر جاتی۔ پھر نیند بھی اڑ گئی اور بھوک بھی۔ میرے ماں باپ مجھے لیکچر دینے لگے اور بڑے پیار سے سمجھانے لگے کہ ابھی تو میں پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئی کہ میں رنج والم سے دق کی مریضہ نظر آنے لگی ہوں......

”ماں نے کچھ ایسے پیار سے مجھے سینے سے لگایا اور میرے مجروح دل کو ایسے الفاظ سے سہلایا کہ اس کی ایک ایک بات مجھے سکون دینے لگی۔ میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا کہ فرینک مر گیا ہے اور مجھے خوش باش زندگی بسر کرنی ہے۔ پھر میں نے اس حقیقت کو بھی قبول کر لیا کہ مجھے شادی کر لینی چاہئے ورنہ میں کڑ کڑھ کر اور تڑپ تڑپ کر مروں گی......

”ایک روز میرا باپ گھر آیا تو اس کے ساتھ جیمز لوہار کا جواں سال بیٹا آسٹر تھا۔ اس کے ہاتھ میں گیٹار تھی۔ میں آسٹر کو جانتی تھی۔ اپنے قصبے کا نوجوان ہے۔ سنا تھا کہ وہ گیٹار بڑی اچھی بجاتا ہے لیکن میں تو فرینک کی محبت کی نغمگی میں کھو گئی تھی۔ اس کی باتوں میں جو ترنم تھا اس نے مجھے ہر ساز کی نغمگی بھلا دی تھی۔ آسٹر کو تم جانتی ہو نا۔ اچھا، شگفتہ مزاج آدمی ہے۔ باپ نے مجھے کہا کہ وہ آسٹر کو گیٹار سننے کی خاطر ساتھ لایا ہے۔ ہم نے اکٹھے چائے پی پھر آسٹر نے گیٹار کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ یوں لگا جیسے یہ پرسوز ساز میرے غم میں رو رہا ہو۔ میں تاروں کی دھیمی دھیمی لے میں گم ہوتی چلی گئی......

مجھے فرینک کے غم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک پناہ مل گئی۔ یہ تو بعد میں مجھے ماں نے بتایا کہ میرا باپ اسی مقصد کے لئے آسٹر کو بلا لایا تھا کہ میں فرینک کو فراموش کر کے آسٹر میں گھل مل جاؤں۔ باپ کی سکیم نا کام نہ ہوئی اور میں اس کی خواہش کے مطابق آسٹر کی ذات میں جذب ہونے لگی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ مجھے آسٹر سے محبت ہو گئی تھی یا اس کے ساز کے پرسوز نغموں سے لیکن یہ ضرور ہوا کہ میں آسٹر سے بے تابانہ ملنے لگی اور ایک روز میں اسے جنگل کے اسی گوشے میں لے گئی جہاں میں اور فرینک پہروں بیٹھا کرتے

تھے...... وہاں جب آسٹر نے گیٹار کا ایک درد انگیز نغمہ چھیڑا تو میں نے بے اختیار ہو کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ میرے گال اس کے گالوں سے مس ہونے لگے۔ گیٹار کے تاروں کی جھنکار اور آسٹر کے گالوں کا لمس مجھے خلاؤں کی بیکراں وسعت میں لے گیا......

میں نے بے اختیار ہو کر آسٹر سے کہا کہ آؤ آسٹر، ہم شادی کر لیں۔ مجھے تنہا راتوں سے ڈر آتا ہے اور میں رونے لگی۔ آسٹر کے پیار کی تپش نے میرے آنسو خشک کر ڈالے اور ہم نے ایک ہو جانے کا عہد کر لیا۔ میں نے گھر آتے ہی ماں کو یہ خبر سنائی کہ میں آسٹر کے ساتھ شادی کروں گی۔ میرے ماں باپ خوشی سے پھولے نہ سمائے......

فرینک کو مرے دو مہینے گزر چکے تھے اور یہ پہلی رات تھی کہ میں شام کا کھانا کھاتے ہی اونگھنے لگی اور مجھے بہت گہری نیند آئی۔ رات جانے کتنی گزر چکی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں نیلے رنگ کا ہلکا بلب جل رہا تھا۔ میں نے یوں محسوس کیا تھا جیسے کسی نے میرے بالوں پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرا تھا جس سے میری آنکھ کھلی ہے لیکن میں نے اس لیے اس وہم کو دل سے نکال دیا کہ شاید کمبل سر سے سرکا تھا۔ میں نے اتنا ضرور محسوس کیا کہ کمرہ جس طرح پہلے گرم تھا اور ہر رات گرم ہوا کرتا تھا اب اتنا گرم نہیں تھا بلکہ کچھ اس طرح سرد تھا جیسے کوئی کھڑکی یا دروازہ کھلا رہ گیا ہو...... میں نے اٹھ کر دیکھا تمام کھڑکیاں اور دونوں دروازے پوری طرح بند تھے۔ میں پھر لیٹ گئی لیکن نیند نہ آئی۔ نیند نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ شاید میں بہت جلدی سو گئی تھی......

مجھے فرینک یاد آنے لگا۔ پھر آسٹر یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ میں نے فرینک کو شادی سے مایوس کر کے اسے کتنا دکھ دیا تھا۔ وہ یہی حسرت لے کے مر گیا۔ میرا دل غم سے بوجھل ہونے لگا لیکن آسٹر کے تصور نے مجھے سنبھالا اور تھوڑی دیر بعد مجھ پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی...... معلوم نہیں آنکھ لگی تھی یا نہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔ میں اکیلی نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مجھے ذرہ بھر ڈر محسوس نہ ہوا۔ ہلکی ہلکی نیلی روشنی میں کمرے کی ہر ایک چیز نظر آ رہی تھی۔ کوئی انسان ہوتا تو وہ بھی نظر آ جاتا۔ میں نے

آنکھیں پھاڑے کمرے میں ہر طرف دیکھا......

میں اپنے آپ کو یقین دلانے لگی کہ شاید نیند نہ آنے کی وجہ سے دماغ میں بے بنیا وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔ میں نے کروٹ بدل کر سو جانے کی کوشش کی لیکن یہ خیال دماغ سے نہ نکلا کہ میں کمرے میں اکیلی نہیں ہوں۔ مجھے اپنے گال پر ایسے محسوس ہوا جیسے پانی کا قطرہ گرا ہو۔ میں نے آنکھوں کو......شاید میں بے خیالی میں روتی رہی تھی لیکن یہ قطر آنکھوں سے نہیں ٹپکا تھا۔ میں نے گال پر ہاتھ پھیرا تو وہاں کوئی قطرہ نہیں تھا......

کچھ نہ کچھ ہو ضرور رہا تھا۔ یہ وہم نہیں تھا۔ میں نے قطرے کو بھی وہم سمجھ لیا لیکن میرے سر اور چہرے پر قطروں کی بارش برسی اور چانک تھم گئی۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ منہ اور سر پر ہاتھ پھیرا تو نمی کا کوئی نشان نہ ملا۔ میں بستر میں بیٹھی چھت کو دیکھ رہی تھی کہ اپنے ہونٹوں پر ایسی یخ ٹھنڈ محسوس کی جیسے کسی نے میرے ہونٹوں کے ساتھ برف لگا کر پیچھے ہٹالی ہو یہ برف سخت نہیں بلکہ روئی کے گالے کی طرح نرم تھی اور اس کے لمس میں گداز سا تھا۔ میرا دل ایسی بری طرح دھڑکنے لگا کہ میں کمرے کی خاموشی میں دھڑکن کی آواز بھی سن سکتی تھی۔ پھر میں نے اپنے بالوں میں برف کی ڈلیاں رینگتی ہوئی محسوس کیں۔ ان کا گداز بھی کسی کی نرم نرم انگلیوں جیسا تھا......

''میرے منہ سے گھبرائی ہوئی سرگوشی نکل گئی۔'' کون ہو! خدا کے لئے سامنے آؤ؟ میں نے کمرے میں نظریں جلائیں تو مجھے کمرے میں کسی انسان کی سسکی سنائی دی میری نظروں نے سسکی کا تعاقب کیا لیکن کوئی انسان نظر نہ آیا۔ میں خوف سے چیخنے ہی لگی تھی کہ مجھے اپنے کالوں میں سرگوشی سنائی دی: میں سمندر کی تہوں کا باسی ہوں۔ میں جل پریوں کے دیس کا ایک راگ ہوں۔ دنیا کا کوئی راگ اور کوئی نغمہ تمہارا دل نہیں بہلا سکے گا۔...... میں نے بولنے والے کو دیکھنا چاہا مگر وہاں کوئی نہ تھا......

دوسرے لمحے مجھے کمرے میں کوئی ایسا ساز نہایت دھیمے سروں میں بجتا سنائی دیا جو میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں اس کی آواز کو بیان نہیں کر سکتی۔ کبھی تو لگتا جیسے کوئی دور جنگل

یں بیٹھا گیٹار بجا رہا تھا اور کبھی یہ آواز بنسری کی سحر آگیں لے بن جاتی۔ آواز دور ہٹنے لگی اور میرے کانوں میں پھر سرگوشی سنائی دی...... ''میری محبت کو اس فانی دنیا کے نغموں کے عوض نہ بیچ لوسی! میرے سوا تمہیں میری محبت کی قیمت کوئی نہیں دے سکتا۔''...... یہ فرینک کی سرگوشی تھی۔ میں اس خیال سے ڈر گئی کہ یہ فرینک کی بدروح ہے لیکن اس خیال سے دل مضبوط ہو گیا کہ یہ فرینک ہے......

میں نے روتے ہوئے کہا...... ''فرینک! سامنے آؤ تجھے میری محبت کا واسطہ، اپنا آپ مجھے دکھا دو۔ کہہ دو میں زندہ ہوں۔'' کمرے میں مجھے فرینک کی مخصوص اور مانوس ہنسی کی سس سس کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے سامنے والی کھڑکی کے سامنے کمرے کے اندر ایک سایہ سا نظر آیا۔ یہ کسی انسان کا سایہ تھا۔ میں اس کے خدوخال کو نہ پہچان سکی۔ اس کے گرد دھندسی چھائی ہوئی تھی یا جیسے وہ بادل کے ایک ٹکڑے کے اندر کھڑا تھا۔ میں نے اتنا ضرور دیکھا کہ اس کے سر اور لباس سے اس طرح پانی ٹپک رہا تھا جیسے وہ ابھی تالاب، ندی یا سمندر سے نکلا ہو......

میری آنکھوں کے سامنے بادل کا یہ ٹکڑا اور اس میں کھڑا انسان کمرے کی فضا میں تحلیل ہو گیا۔ میں بستر میں بیٹھی اس جگہ کو بہت دیر گھورتی رہی جہاں وہ مجھے نظر آیا تھا۔ میں ڈر بھی رہی تھی اور دل میں یہ خواہش بھی تڑپنے لگی کہ اسے ایک بار پھر دیکھوں اور اس سے پہلے جو نغمہ سنا تھا وہ ایک بار پھر سنائی دے۔ لیکن مجھے نہ کچھ نظر آیا نہ نغمہ سنائی دیا اور رات گزر گئی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ مجھے گہری نیند آ گئی......

جب آنکھ کھلی تو سورج نکل آیا تھا۔ دوسرے کمرے میں باپ میری ماں سے کہہ رہا تھا کہ ابھی مت جگاؤ، بہت دنوں بعد سوئی ہے، سو لینے دو۔ میں بستر میں لیٹی رات کی واردات کو یاد کرنے لگی تو اس کے سوا کچھ بھی نہ سمجھ سکی کہ یہ خواب تھا۔ میرے دل و دماغ میں اتنی تبدیلی ضرور آئی کہ میرے تصوروں میں فرینک پھر سے آ گیا اور آسٹر کی اہمیت کم ہو گئی میں نے والدین سے اس انوکھے خواب کے متعلق بالکل ذکر نہ کیا۔ دن کے سہ پہر کو آسٹر آ گیا

اور میں اس کے ساتھ باہر نکل گئی......

دوسری رات بھی مجھے گہری نیند آئی مگر آدھی رات گزری ہو گی کہ آنکھ کھل گئی۔ دل پر کل رات والا تاثر چھا گیا جس میں خوف بھی تھا اور انوکھی سی لذت بھی۔ اچانک کل رات والے ساز کی آواز سنائی دینے لگی جو بہت دور سے آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا شور سنائی دیا جیسے سمندر کی لہریں ایک دوسری سے اور چٹانوں سے ٹکرا رہی ہوں۔ یہ شور بھی دور سے آ رہا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ساز کی پرسوز لے سمندر کے شور سے مل کر اسے بھی نغمے میں ڈھال رہی تھی۔ مجھ پر طلسم کا سا اثر ہوتا گیا جیسے مجھے نشہ پلایا جا رہا ہوں......

میں فوراً اٹھ بیٹھی۔ اچانک میرے سر اور منہ پر کل رات کی طرح پانی کے چھینٹے پڑے۔ میں نے قطروں کو محسوس کیا لیکن ایک بھی قطرہ مجھے نظر نہ آیا۔ کھڑکی کے سامنے، کمرے کے اندر مجھے کل والا بادل کا ٹکڑا نظر آیا پھر اس میں ایک شبیہ نمودار ہونے لگی جو اتنی سی صاف ہو گئی کہ میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ فرینک تھا۔ اس کے سر، منہ اور کپڑوں سے کل کی طرح پانی ٹپک رہا تھا۔ میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ موسیقی اور سمندر کا شور تھم گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ باپ کو آواز دوں مگر میری زبان گنگ تھی۔ میں کسی نہ کسی کو مدد کے لئے بلانا ضرور چاہتی تھی۔ میں نے فرینک کی بدروح سے ہی پناہ کی التجا کی۔ باپ کو بلاتے وقت میری زبان ساکن اور مفلوج ہو گئی تھی لیکن میں نے فرینک سے بات کرنا چاہی تو زبان رواں ہو گئی۔ میں نے بچوں کی طرح روتے ہوئے کہا۔ "فرینک" زندہ ہو تو میرے قریب آ جاؤ۔ مجھے یوں نہ ڈراؤ فرینک۔ مجھے تم سے محبت ہے...... بادل میں لپٹی ہوئی شبیہ کے ہونٹ بند تھے۔ مجھے کمرے میں سرگوشی سنائی دی۔ "تم نے جھوٹے نغموں سے میری روحانی محبت کو دھوکا دیا ہے۔ میں ڈوب گیا تو تم نے میری محبت کو بھی ڈبو دیا ہے۔"

......"نہیں فرینک! یوں نہ کہو۔ میں نے تمہارے غم سے شکست کھا کر اپنے آپ کو فریب دیا ہے۔" میں نے کہا۔

تمہاری محبت میری روح میں نہ اتر گئی ہوتی تو میں سمندر کی خوبصورت تہہ میں ابدی

نیند سویا رہتا۔ "فرینک کی سرگوشی سنائی دی۔" "تم نے میرا پیار ایک اور مرد کو دے کر مجھے بے چین کیا ہے۔ لوسی! تم کسی دوسرے مرد کے کمرۂ عروسی میں داخل نہ ہو سکو گی۔ داخل ہو جاؤں گی تو وہاں مجھے موجود پاؤں گی۔"

بوڑھی روز میری کہانی سنا رہی تھی اور میں بت کی طرح ساکت و جامد بیٹھا سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ لوسی نے سنایا...... "میں دو قدم آگے بڑھی تو ٹھٹھک کے رک گئی۔ میں نے دیکھا کہ بادل میں لپٹی ہوئی شبیہ اب اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور وجود کھڑا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا۔ وہ میرا وجود تھا یا شاید میری روح یا بدروح تھی۔ فرینک کی شبیہ اور میرا وجود گھوم کے ایک دوسرے کی باہوں میں لپٹ گئے اور اچانک وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ایک ہی ثانیے بعد میں نے اپنی پیٹھ کے ساتھ مردانہ سینہ لگا ہوا محسوس کیا۔ پھر دو بازو میرے گرد لپٹ گئے۔ میں خوف کے مارے چیخنا چاہتی تھی مگر آواز نہ نکلتی تھی۔ میری آواز جبھی نکلتی تھی جب میں فرینک سے ہمکلام ہوتی تھی۔ جب اس کے بازو میرے گرد لپٹے تو میں نے اپنے بالوں پر کسی کے رخساروں کا لمس محسوس کیا میرا جسم تھر تھر کانپا لیکن میں نے بے بس ہو کر اپنے آپ کو بدروح کے حوالے کر دیا...... فرینک زندہ تھا تو اکثر مجھے اسی طرح بدروح میں سمیٹ لیا کرتا تھا......

مجھے اسی کی سرگوش سنائی دی...... "تم میری بیوی ہو کل رات ہماری شب عروسی ہو گی۔ کہو لوسی، اب تو انکار نہیں کرو گی مجھ میں انکار کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے مجھے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ بڑے پیار سے میرے بالوں پہ گال رکھ کر التجا کی تھی۔ میں نے کہہ دیا...... "ہاں فرینک، تمام عمر تمہاری رہوں گی۔"...... اس نے کہا...... "نہیں، کہو، میں تمہاری بیوی ہوں......" میں نے کہہ دیا...... "ہاں فرینک میں تمہاری بیوی ہوں"...... مجھے کمرے میں فرینک کی ہنسی کی سس سس کی آواز سنائی دی۔ میں نے گھوم کے دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ مجھے دور سے آتی ہوئی اور دور ہٹتی ہوئی ایک آواز سنائی دی...... "میں جل پریوں کے دیس کا ایک راگ ہوں۔ دنیا کا کوئی راگ اور کوئی نغمہ تمہارا دل نہیں بہلا سکے گا......" "میں نیلے بلب

کی ہلکی ہلکی روشنی میں کھڑی خلاؤں میں دیکھتی رہی اور رات بے چینی میں گزر گئی۔

دوسرے دن میرے ماں باپ نے میری گھبراہٹ اور بے چینی کو بھانپ لیا۔ لیکن میں نے انہیں جھوٹی مسکراہٹوں اور ہنسی سے ٹال دیا۔ کل تو میں نے اپنے آپ کو یقین دلایا تھا کہ جو کچھ دیکھا وہ خواب تھا مگر اب صورت حال اس قدر واضح تھی کہ میں اپنے آپ کو خواب کا دھوکا نہ دے سکی۔ دن گزر گیا اور رات آ گئی۔ بہت دیر بعد نیند آئی اور تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل گئی میں اپنے بالوں میں کسی کی انگلیوں کو رینگتا ہوا اور اپنے گالوں کے ساتھ کسی کے گالوں کو محسوس کر رہی تھی۔ میں ڈری تو ضرور لیکن اس خیال سے کہ یہ فرینک کی بدروح ہے، میرا دل کچھ مضبوط نہ بھی ہوتا تو بھی میں بدروح سے بھاگ کر کہاں جاتی؟

مجھے سرگوشی سنائی دی...... ''تم میری رفیقہ حیات ہو۔ .... میں انکار تو نہیں؟''

میں نے کہا...... ''نہیں فرینک، میری روح بھی تمہاری ہے اور میرا جسم بھی تمہارا ہے......'' میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہ جسم تھا یا کیا تھا۔ اب میں سراپا احساس بن چکی تھی۔ فرینک نے میرے ساتھ دیوانہ وار پیار کیا اور میں اس کی ملکیت بن گئی میں اب اس کی بیوی تھی۔ سحر طلوع ہو رہی تھی جب اس انوکھے اور سحر آگیں نغمے نے مجھے سلا دیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں ایک نئے بڑے مخمور تھی لیکن دل پر خوف بھی طاری تھا......

پھر فرینک کی روح ہر رات آنے لگی۔ ہر رات میں اپنے بالوں میں اس کی انگلیوں کو رینگتا ہوا اور اس کے گالوں کو اپنے گالوں سے لگا ہوا محسوس کرتی ہوں تو آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ ہر رات تین ساڑھے تین گھنٹے میرے ساتھ رہتا ہے۔ گزشتہ ایک مہینے میں اس کے جسم کو محسوس بھی کرنے لگی ہوں جیسے وہ گوشت پوست کا مجسمہ بنتا جا رہا ہو۔ رات تو عشق و محبت کے خمار میں گزر جاتی ہے اور اب چار مہینے گزر گئے لیکن میری جسمانی قوتیں جواب دیتی جا رہی ہیں۔ میں نے ماں باپ کو ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مجھے کوئی روگ لگ گیا ہے۔ آسٹراب بھی آتا ہے لیکن میں اسے یہ کہہ کر ٹال دیتی ہوں کہ میں صحت یاب ہو جاؤں تو شادی کر لوں گی۔ میں کیسے بتاؤں کہ میں نے فرینک کی بدروح سے شادی کر لی ہے۔''

بوڑھی روز میری نے سنایا کہ لوسی یہ بات سنا کر رونے لگیں اور کہنے لگی...... خدا کے لیے مجھے فرینک کی بدروح سے نجات دلاؤ۔ تم بدروحوں کو قابو کر لیتی ہو۔ ورنہ میں زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکوں گی۔ ......روز میری نے مجھے بتایا...... ''میں اس کے متعلق بہت فکر مند ہوئی اور اسے تسلی دی کہ میں فرینک کی بدروح کو بلا کر اسے کہوں گی کہ وہ تم سے دستبردار ہو جائے ورنہ میں اس کے پیچھے بہت ظالم قسم کی بدروحوں کو لگا دوں گی جو اسے آسمانوں میں بھی چین سے نہ رہنے دیں گی......

ایک روز لوسی کی ماں میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے بڑی پریشانی کے عالم میں کہا کہ لوسی پر کسی بدروح کا اثر ہے۔ لوسی کی ماں نے ایک رات لوسی کو بے چینی کے عالم میں دیکھ لیا تھا۔ اس نے وجہ پوچھی تو لوسی نے ماں کو سب کچھ بتا دیا۔ اس وقت تک میں قصبے کے چار پانچ ایسے مریضوں کا علاج کر چکی تھی۔ انہیں بھی بدروحیں نظر آتی تھیں۔ ہر کیس مختلف نوعیت کا تھا۔ میں تمہیں ہر ایک کی کہانی نہیں سناؤں گی ورنہ بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ تم طرف لوسی کا قصہ سن لو۔ اسی سے تم پر واضح ہو جائے گا کہ بدروحوں کی حقیقت کیا اور اس کا علاج کیا ہے......

لوسی کے متعلق قصبے میں بھی مشہور ہو گیا کہ اس پر بدروح قابض ہے اور وہ مجھ سے علاج کرا رہی ہے۔ لوگ ایک عرصے سے مجھے عامل اور جادوگرانی سمجھنے لگے تھے۔ میں نے لوسی کا کیس بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ میں نے اگلے ہی روز لوسی کے باپ اور فرینک کے باپ کو بلا کر انہیں ایک سکیم بتائی۔ انہوں نے ایک ترکھان کو اعتماد میں لیا اور میری ہدایت کے مطابق ایک تابوت بنوایا۔ پھر قصبے میں یہ خبر مشہور کرائی کہ فرینک کی لاش چھ ماہ بعد سمندر سے نکال لی گئی ہے اور تابوت میں بند کر کے اس کے والدین کے حوالے کی جائے گی۔ میری سکیم کے مطابق فرینک کا باپ رات کے وقت تابوت لے کر کہیں چلا گیا اور دو روز بعد وہ تابوت میں انسانی لاش جتنی وزنی مٹی بھر کر لے آیا۔ ہم نے قصبے میں مشہور کیا کہ فرینک کا والد اس کی لاش لے آیا ہے لیکن تابوت کھولا نہیں جائے گا۔ کیونکہ لاش کی

حالت بہت خراب ہے......

''قبرستان میں قبر کھودی گئی۔ قصبے کے لوگوں نے فرینک کی آخری رسوم ادا کیں اور اسے دفن کر کے نہایت اچھی قبر بنائی گئی۔ قبر کے سرہانے اس کے نام کا پتھر نصب کر دیا گیا اور اس پر اس کے مرنے کی تاریخ اور مرنے کی جگہ بھی لکھ دی گئی۔ میں فرینک کے تابوت کی تدفین کے وقت لوسی کو بھی ساتھ لے گئی تھی اور اسے کہا کہ دیکھو۔ فرینک دفن ہو گیا ہے پھر اسے یقین دلایا کہ میں نے گزشتہ رات اس کی بدروح کو حاضر کر کے سختی سے کہہ دیا ہے کہ تمہیں پریشان نہ کرے...... میں نے لوسی کو کہا کہ وہ ہر روز پھول لے کر میرے پاس آیا کرے اور ہم دونوں فرینک کی قبر پر پھول چڑھانے جایا کریں گی۔ چنانچہ گزشتہ دو مہینوں سے میں اسے ہر صبح فرینک کی قبر پر لے جاتی ہوں اور لوسی قبر پر پھول چڑھاتی ہے۔ میں نے اسے یقین دلا دیا ہے کہ فرینک مر کر دفن ہو گیا ہے اور اب کبھی لوٹ کے نہیں آئے گا۔

''میری سکیم کامیاب رہی اور فرینک کے تابوت کو دفن کرنے کے
تیسرے دن کے بعد سے لوسی کو اس کی بدروح نظر نہیں آئی۔''

''کیا آپ نے فرینک کی بدروح کو حاضر کر کے تنبیہ کی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل نہیں۔'' بوڑھی روزمیری نے جواب دیا۔ ''میں نے کبھی کسی بدروح کو نہیں دیکھا نہ کبھی بدروح نظر آتی ہے۔ نہ اپنے تصوروں اور اپنے ذہن لاشعور کی تصویریں ہوتی ہیں جو کمزور دل و دماغ کے لوگوں کو نظر آنے لگتی ہیں۔''

''پھر لوسی کو کیا نظر آتا رہا؟'' میں نے پوچھا: ''وہ ٹھیک کس طرح ہوئی؟''

''وہ اس طرح کہ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ فرینک مر گیا ہے۔'' بڑھیا نے کہا۔ ''اس نے اسے مرتے ہوئے اور دفن ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ محبت کی شدت کی انتہا تھی کہ وہ اسے اپنی روح سے جدا نہ کر سکی۔ وہ فرینک کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرتی رہی تھی لیکن لاشعوری طور پر اس کے جسم کے لمس کے لیے بھی ترستی رہی۔ فرینک مر گیا تو وہ اندر ہی اندر پچھتانے لگی کہ اس سے فرینک کا جسم چھن گیا ہے۔ بچپن سے وہ مجھ سے بدروحوں کے قصے

سنتی رہی تھی۔ میں تو اس کا دل بہلانے کے لئے جھوٹ موٹ کے قصے سناتی رہی تھی لیکن یہ قصے اس کے دل و ذہن میں جڑ پکڑ گئے تھے۔ اب فرینک مر گیا تو میرے وہ سنائے ہوئے قصوں کا ایک کردار بن گیا۔ فرینک دراصل سمندر سے ابھر کر نہیں آیا تھا بلکہ مرنے کے بعد وہ لوسی کے ذہن لاشعور سے ابھرا تھا۔ لوسی اس کی بیوی بننا چاہتی تھی۔ اس فطری خوف کو اس نے اپنے اندر دبا لیا تھا۔ مگر فرینک کی موت کے غم نے اس کے ذہن لاشعور کے پٹ کھول دیئے اور لوسی کو...... محسوس پیکر کی طرح نظر آنے لگا پھر وہ اس کی بیوی بن گئی۔

بوڑھی روزمیری نے کہا۔ ''میں نے تابوت میں مٹی بھر کر اس لیے مشہور کرایا تھا کہ اس میں فرینک کی لاش ہے تاکہ لوسی کو یقین ہو جائے کہ فرینک واقعی مر گیا ہے اور یہاں دفن ہے۔ میں نے اسے دو مہینے اس کی قبر پر لے جا کر ایسی باتیں کیں کہ اس کے ذہن نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ فرینک واقعی مر گیا ہے۔ میں نے اس کے شعور کو بیدار کرایا۔ اور اس کی صحت بھی اچھی ہو گئی ہے۔''

روزمیری نے کہا۔ ''ہمیں بدروحیں صرف اس لیے نظر آتی ہیں کہ ہم انہیں مانتے ہیں اور ان پر یقین رکھتے ہیں۔ میں نے شروع شروع میں لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی نہ مانا۔ آخر میں بھی ان کی ہم خیال بن گئی اور بدروحوں کے قصبے میں آئے ہوئے مریضوں کا علاج شروع کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بدروحیں میری حکمرانی میں ہیں۔ یہی میرا ذریعہ معاش ہے۔ میں خود بدروح ہوں۔ اپنے محبوب خاوند کی بھٹکتی ہوئی بدروح۔

میں جب وہاں سے اٹھا تو بڑھیا نے ایک بار پھر مجھ سے وعدہ لیا کہ میں یہ راز اس کے مرنے تک اپنے سینے میں رکھوں گا۔ میں نے اس کا ہاتھ چوم کر کہا کہ میں راز لوگوں کو بتاؤں گا ضرور لیکن اس کے مرنے کے بعد۔ (۱۳)

* * *

پودگھر کا آسیب

۱۲، اکتوبر، گیارہ بجے شب:

آج کا دن بہت اچھا گزرا۔ میں نے دو کارنامے انجام دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ میں نے اپنی بدمزاج بیوی سے نجات حاصل کر لی ہے۔ گون کے تسمے سے گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہے اور اس کی لاش اپنے سب سے بڑے پودگھر میں چھپا دی ہے۔ میں نے یہ کارنامہ بڑی مہارت سے انجام دیا ہے۔ میرے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔ میری بیوی کو یقیناً تکلیف نہیں ہوئی ہوگی۔ کچھ دیر اس کا جسم تڑپا ضرور تھا...... کس قدر لطف آیا تھا مجھے اسے اس طرح تڑپتا دیکھ کر...... کتنا اچھا ہوتا کہ وہ یونہی تڑپتی رہتی اور میں اسے دیکھتا رہتا۔ اس عورت کے ساتھ میری زندگی بڑی ناخوشگوار گذر رہی تھی۔ اب اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ میں آرام سے رہ سکوں گا۔ اس کی روز روز کی فرمائشوں سے بھی نجات مل چکی ہے۔ میرے کاموں میں بھی اب مداخلت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ اب میں بڑے آرام سے نباتاتی ریسرچ میں خود کو محو رکھ سکوں گا۔

آج دوسرا بڑا کام یہ کیا ہے کہ میں نے آرمینڈ سے ایک عجیب و غریب بیل کے ان دو بیجوں میں سے ایک کو حاصل کر لیا ہے جنہیں وہ پچھلی جولائی میں ایمیزن بیسن سے لایا تھا۔ انگلینڈ پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے یہ بیج مجھ ہی کو دکھائے تھے۔ یہ بیج کالے رنگ کے ہیں اور وزن میں بادام کے برابر ہیں۔ اس کے کہنے کے مطابق نباتات کی دنیا میں یہ بیل عجوبے کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ آرمینڈ نے ایک بیج کسی شخص کے ہاتھ پچاس پونڈ میں بیچا ہے۔ اس نے دوسرے بیج کے لیے مجھ سے بھی اتنی ہی رقم طلب کی ہے۔ اس وقت میرے پاس اتنی رقم موجود نہ تھی لہٰذا میں چپ ہو گیا تھا۔ کل ایک موٹی رقم میرے ہاتھ لگی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ آرمینڈ سے مل کر سودا کر لوں۔ مگر وہ کم بخت میری بیوی روپیہ دیکھتے ہی جان کو آ گئی۔ پھر مجبوراً مجھے وہ سب کچھ کرنا پڑا جس کا تذکرہ میں اوپر کر چکا ہوں۔

چھ بجے صبح میں نے اس کی لاش دفن کر دی تھی پھر میں گاڑی لے کر آرمینڈ سے ملنے چل پڑا تھا۔ ایک تو میں آرمینڈ سے ملنا چاہتا تھا، اور دوسرے میں یہ بھی چاہتا تھا کہ لوگ اچھی طرح جان لیں کہ میری بیوی میرے ساتھ نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ لوگوں کو پچھلے تین دنوں سے بتاتی رہی تھی کہ وہ تفریح کے لیے ریویرا جا رہی ہے۔ نوکر کو اس نے پہلے ہی سے چھٹی دے رکھی ہے...... غرضیکہ اب کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ ہفتے کے بعد میں خود ہی پولیس کو اطلاع دے دوں گا۔ پھر ہوتی رہے گی تفتیش میرا تو کچھ بگڑتا نہیں۔

آرمینڈ کے گھر پہنچتے ہی میں نے اس کے ہاتھوں میں پچاس پاؤنڈ دیئے اور بیج طلب کیا جواب میں اس نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا: ”میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اسے تمہارے ہاتھ فروخت کروں؟“

”کیوں؟“

”دوسرا بیج...... جسے میں نے پہلے بیچا تھا۔ بو دیا گیا تھا وہ اگا بھی تھا!!“ آرمینڈ نے ہکلاتے ہوئے پریشانی سی ظاہر کی۔

”ظاہر ہے کہ وہ اُگا ہوگا...... بھلا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا: ”مگر...... یہی تو مصیبت ہے۔ وہ اُگا نہیں تھا بلکہ یوں کہو کہ بے تحاشہ اگا تھا۔ بیج سے پھوٹنے والی بیل اس طرح بڑھی تھی کہ اس نے تمام پودگھر کو ڈھک لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ پودگھر کے شیشے تک توڑ کر باہر نکل گئی تھی۔ جتنا اسے کاٹا جاتا اتنا ہی وہ بڑھتی تھی۔ اس کی جڑ زمین کے اندر بھی خدا جانے کہاں تک جا پہنچی تھی۔ آخر کار اس پودے کو سلفیورک ایسڈ سے ختم کرنا پڑا۔“

”مگر اسے ختم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے پوچھا۔

میرے اس سوال پر آرمینڈ جیسے پیلا پڑ گیا۔ لیکن میں نے پھر اصرار کیا کہ بیج مجھے

دے دے۔ مجبوراً وہ سیف سے بیج نکال کر آتشدان کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھا۔ چند لمحے جیسے وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے بیج والا ہاتھ یوں اٹھایا جیسے وہ بیج کو آگ میں پھینک دینا چاہتا ہے۔ میں اسے روکنے کے لئے اپنی جگہ سے اچھلا۔

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ خدا جانے کہاں سے ایک ہاتھ ابھرا۔ بالکل کسی عورت کا سا ہاتھ۔ پھر اس نے بیج کو روک کر میری پھیلی ہوئی ہتھیلی میں ڈال دیا۔ دوسرے لمحے وہ ہاتھ غائب ہو گیا۔ میں اسے نظر کا واہمہ سمجھا۔

''سمجھ میں نہیں آتا میں نے یہ بیج تمہیں کیوں دے دیا ہے؟'' آرمینڈ نے کہا۔

میں نے جواب میں چپکے سے اسے پچاس پونڈ دیئے اور جانے کے لیے اٹھا میں دراصل کچھ الجھن اور خوف سا محسوس کر رہا تھا۔

''تمہارے مکان میں پڑوس کے بچے وغیرہ تو نہیں آتے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں......''

''اگر آئیں بھی تو نہ آنے دینا......'' اس نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا ''کتے بھی ہوں گے تمہارے پاس؟''

''ہاں......دو ہیں......''

بیوی کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ بدمزاج ہے اس نے مجھ سے ہمدردی ظاہر کی پھر بولا...... ''دیکھو جہاں یہ بیج بوؤ وہاں کتوں کو بھی مت جانے دینا۔ سمجھے؟''

۱۳، اکتوبر ۳ بجے شب:

نیند نہیں آ رہی۔ رات میں ڈائری لکھنے کے بعد سو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اچھی طرح نیند آئے گی لیکن ابھی ڈیڑھ بجے نہ جانے کیا ہوا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے کچھ ایسے لگا جیسے کوئی شے میرے بستر میں گھس آئی ہو اور بری طرح مچل رہی ہو۔ میرے کانوں میں کسی کے کراہنے کی سی آواز بھی آئی تھی۔ میں نے آنکھ کھلتے ہی اٹھ کر بجلی جلا دی تھی۔ اس وقت ٹھیک ڈیڑھ بجا تھا۔ تمام بستر پر شکن تھے۔ غالباً میں نیند میں کروٹیں لیتا رہا ہوں گا میں نے

دوبارہ بستر پر گر کر سونے کی کوشش کی تھی لیکن نیند غائب تھی میں پسینے میں ڈوبا ہوا ہوں اور ڈائری لکھنے بیٹھ گیا، ہوں۔ لیکن لکھ نہیں سکتا۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ صبح ہوتے ہی کام پر لگ جاؤں گا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں آرمینڈ سے خریدے ہوئے بیج کو اپنی سب سے بڑے ''پودگھر'' میں لگاؤں گا تاکہ پودے کو اگنے کے لیے خاصی جگہ مل سکے، پتہ نہیں اس پودے کے لیے کس قسم کی مٹی درکار ہو گی۔ اچھا ہوتا کہ میں آرمینڈ سے یہ بات بھی چلتے وقت پوچھ لیتا۔ مگر خیر...... میرے پاس ایک کتاب موجود ہے۔ ضروری معلومات مجھے اس میں مل ہی جائیں گی۔

۱۴، اکتوبر ساڑھے چار بجے شب:

پچھلے تین گھنٹوں سے میں برابر خوابگاہ میں ٹہل ٹہل کر شراب پی رہا ہوں۔ جسم کانپ رہا ہے۔ خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے دماغی سکون کی ہی خاطر رات ڈائری بھی نہیں لکھی تھی اور سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ بجے تک تو میں سویا بھی نہیں اس کے بعد پھر وہی کچھ ہوا جو میرے ساتھ پچھلی رات ہوا تھا۔ وہی کراہنے کی آواز اور کسی کا لمس، بالکل ایسے ہی لگا تھا جیسے کوئی ٹھنڈا ٹھنڈا جسم میرے جسم سے مس ہو رہا ہو۔ بجلی کی روشنی میں مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ خدا جانے کیا معاملہ ہے؟

میں نے کل صبح بیج کو اپنے سب سے بڑے پودگھر میں بو دیا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت میں اسے بونے میں مصروف تھا مجھے نزدیک ہی جیسے کسی عورت کے ہنسنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔ شاید واہمہ ہو گا کیونکہ دور و نزدیک کوئی انسان نہیں تھا۔ میں اپنے توہمات سے پیچھا چھڑا لینا چاہتا ہوں لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

۱۸، اکتوبر:

بستر پر لیٹنا بے سود ہو گا میں کرسی پر آ بیٹھا ہوں ایک کتاب سامنے کھلی ہوئی ہے۔ نیند محسوس ہو گی تو یہیں سو جاؤں گا۔ ذہنی کیفیت عجیب سی ہو رہی ہے۔ نیند نہ آنے کے سبب دماغی کیفیت اور بھی نازک ہوتی جا رہی ہے۔ ہر وقت غنودگی سی طاری رہتی ہے ذرا سی آواز مجھے چونکا دیتی ہے۔ میرا دل بری طرح دھڑکنے لگتا ہے نہ جانے میرے کتوں کو کیا ہو گیا

ہے۔ وہ اب میرے ہاتھوں سے کھانا لینا پسند نہیں کرتے۔ دن بدن ان کی آنکھیں خوفناک ہوتی جا رہی ہیں۔ میرے لئے وہ پریشانی کا باعث بنتے جا رہے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ اس طرح بھونکتے ہیں جیسے ان کے سامنے کوئی غیر مرئی مخلوق کھڑی ہوئی ہو۔

میں پریشان ہوں لیکن تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ بالکل تنہا میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے اس حالت میں دیکھے۔

۱۹، اکتوبر وقت گیارہ بجے شب:

خدا کا شکر ہے کہ کوئی چیز تو میری توجہ ہٹانے کے لئے سامنے آئی۔ میرے لگائے ہوئے بیج میں سے آج ایک پودے نے سر ابھارا ہے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی نکل آئے گا۔ یہ گہرے سرخ و سبز رنگ کا ہے اور صورت میں پان کی بیل سے ملتا جلتا ہے۔

بے خوابی کے باعث میں دن بدن بیوقوف سا ہوتا جا رہا ہوں۔ آج ٹھوکر لگنے سے میرا ایک بہترین پودا بری طرح کچلا گیا ہے۔ میرے پاؤں میں اس وقت سے خاص تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ وہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا کہ سارا دن میں جوتے کو غلط طرح پہنے رہا تھا۔ ہر طرف عجیب قسم کی پراسرار سی بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔ کتوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ غالباً وہ مرنے والے ہیں۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔ میں جلد سے جلد اپنے دماغ کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کر دینا چاہتا ہوں۔

۲۰، اکتوبر ۲ بجے شب:

میری حالت زیادہ خراب ہے، رات ڈیڑھ بجے میں پھر جاگ اٹھا تھا۔ مجھے پہلے واقعات کا تجربہ پھر ہوا ہے۔ خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے میں سوچتا ہوں کہ کسی ماہر نفسیات سے مل لوں۔ لیکن یہ صورت خطرناک ہوگی۔ یہی سنا ہے یہ لوگ انسان کے تمام راز منٹوں میں اگلوا لیتے ہیں۔

آج جب میں بستر پر لیٹا تھا تو میں نے بتی جلتی چھوڑ دی تھی۔ میں جلد ہی سو بھی گیا تھا۔ پھر میری نیند کچھ عجیب حالات میں ٹوٹی تھی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی شے مجھے

لپٹ گئی ہو جیسے کسی نے اپنی باہیں میری گردن میں الجھا دی ہوں۔ اوہ میرے خدا۔ وہ میری بیوی تھی۔ اس کی آنکھیں خون کی مانند سرخ تھیں۔ میں نے اسے دیکھتے ہی دھکا دیا۔ اور وہ غائب ہوگئی۔ اونچا سا پودا چند سیکنڈوں کے لئے میری آنکھوں کے سامنے ضرور لرزتا رہا تھا پھر وہ جیسے تحلیل ہو گیا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے میں اب سو نہیں سکتا ذہنی کیفیت بگڑتی جا رہی ہے۔

۲۰، اکتوبر وقت گیارہ بجے دن:

آج صبح جب میں پودگھر میں گیا تو ایک عجیب چیز دیکھی بیج میں سے نکلنے والا پودا ایک ہی دن میں تقریباً بیس انچ بڑھ گیا ہے۔ پودے میں تین جوڑے پتیاں بھی لگ گئی ہیں۔ وہ زمین پر پنج شاخے کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ اس وقت تک تقریباً آٹھ انچ مزید بڑھ چکا ہے۔ میں اسے دن میں دو بار ضرور ناپوں گا تاکہ اس کے بڑھنے کی رفتار کا صحیح اندازہ کر سکوں۔

۲۴، اکتوبر دوپہر:

اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ آرمینڈ کیوں یہ بیج دیتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ یہ نیا پودا تو ایک مصیبت کی طرح بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اب تک تقریباً آدھے ''پودگھر'' پر یہ قابض ہو چکا ہے۔ میرے کئی قیمتی پودے اس کی زد میں تباہ ہو چکے ہیں۔ کئی ایک گملے بھی اس نے توڑ دیئے ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید میں نے پودگھر میں کسی بلی کو بند کر دیا تھا جس نے یہ تباہی مچائی ہے لیکن جلد ہی میرا خیال غلط ثابت ہو گیا۔ یہ سارا کارنامہ دراصل اسی بیل کا ہے۔

مجبوراً مجھے اسے جگہ جگہ سے کاٹ کر دوسرے پودوں کو آزاد کرنا پڑا۔ جونہی میں نے اسے کاٹا ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ساری بیل کاٹنے سے یوں کانپی تھی جیسے یہ پودا نہیں کسی جاندار کا جسم ہو۔ اس کی کٹنے والی شاخوں سے بھی جو مادہ نکلا تھا وہ بھی حیرت انگیز تھا۔ بالکل گہرے سرخ رنگ کے خون کی مانند تھا۔

میں نے دوسرے تمام پودے وہاں سے ہٹا دیئے ہیں اور انہیں دوسرے پودگھر میں پہنچا

دیا ہے۔ اب اس پودے کو پھیلنے کے لئے خاصی جگہ مل گئی ہے۔ آسانی سے پھیل سکتا ہے۔

میری کتیا: ''ٹرکسی'' بہت اور لاغر ہوگئی ہے۔ دن بھر وہ منہ ڈالے پڑی رہتی ہے اور جو چیز بھی اسے دکھائی دیتی ہے وہ اس پر بھونکنے لگتی ہے۔ شاید اس کی زندگی کے دن اب تھوڑے رہ گئے ہیں۔

۲۹، اکتوبر:

پراسرار بیل نے تھوڑے سے دنوں میں پودگھر کا سارا علاقہ گھیر لیا ہے۔ اور اب دیواروں کا سہارا لے کر اوپر چڑھنے لگی ہے۔ اس کا رنگ گہرا سیاہ ہو چکا ہے۔ جا بجا اس میں کونپلیں اور کلیاں بھی پھوٹ رہی ہیں۔ لیکن میرے دل میں اس بیل کے خلاف نفرت سی پیدا ہوگئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس سے کس طرح چھٹکارا حاصل کروں۔ نفرت کے ساتھ خوف بھی ہے۔

۳۱، اکتوبر:

آج پودے کی کلیاں پھول بن گئی ہیں۔ پھول بالکل سفید رنگ کے ہیں اور پلیٹ کی مانند بڑے بڑے ہیں۔ اندر کی جانب ان پر سیاہ دھبے ہیں اور جھانکنے پر ایسا لگتا ہے جیسے کجلائی ہوئی آنکھیں گھور رہی ہوں۔

۲، نومبر وقت دو بجے دن:

آج صبح میں اس پودے کو پانی دینے کے لئے گیا تو ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ پانی پڑتے ہی پودا لرزا اور پھر وہ آنکھوں کی مانند پھول، جواب درجنوں کی تعداد میں کھل چکے ہیں۔ میری جانب یوں مڑے جیسے وہ مجھے دیکھنا چاہتے ہوں۔ میں بیل کو پھلانگتا ہوا جڑ کے نزدیک پہنچا تو ابھری ہوئی کونپلیں جیسے میرے گلے سے لپٹنے کے لیے لپکیں۔ ان کا لمس اتنا عجیب سا تھا کہ میں پیچھے ہٹ گیا اور ایک پھول میرے پیروں تلے کچلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسے لگا جیسے سارے پودے میں غصے کی لہر سی دوڑ گئی ہو۔ ہر طرف سے کونپلیں یوں ابھریں جیسے وہ مجھے لپٹ جانا چاہتی ہوں پھولوں کی آنکھوں میں مجھے بے پناہ نفرت محسوس

ہوئی۔ میں اچھل کر ایک طرف جا کھڑا ہوا۔ قریب کی دیوار سے ایک کونپل میری جانب لپکی۔ میں ڈر کر باہر نکل گیا۔

۲، نومبر۔ وقت گیارہ بجے شب:

میں اپنے گھر میں قید ہو کر رہ گیا ہوں آج سہ پہر کو مجھے چائے پیتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے کہیں سے شیشے کے ٹوٹنے کی آواز آئی ہو۔ پتہ چلا کہ یہ اسی بیل کی کارستانی ہے۔ بیل کی ایک کونپل سر اٹھائے کھڑی تھی اور اس میں وہی بالٹی ٹنگی ہوئی تھی جو میں اندر چھوڑ آیا تھا۔ شاید یہی بالٹی تھی جو دروازے کے شیشوں سے بار بار ٹکراتی رہی تھی۔ میں بیل کو روکنے کے لئے اٹھا لیکن بیل باہر نکل کر باغیچے کی سمت چلی گئی تھی۔

اس لمحے کتوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ پودا انہیں بری طرح جکڑ چکا تھا۔ میں نے انہیں چھڑانا چاہا تو وہ مجھے کاٹنے لگے۔ میرے ہاتھوں پر بہت زخم آئے ہیں۔ آخر کار پودے نے کتوں کو مار ہی ڈالا پھر وہ قاتل بیل میری طرف بھی لپکی۔ وہاں سے بھاگنا پڑا۔ تب سے میں دروازہ بند کیے اندر بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ پودا مجھے جان سے مار دے گا۔ میں گھر میں اکیلا ہوں۔ نوکر بھی کوئی نہیں۔

۳، نومبر، وقت ۳ بجے شب:

میں بالائی منزل کے ایک کمرے میں ابھی ابھی آیا ہوں کچھ دیر قبل میں سٹڈی میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ کچھ یاد نہیں کہ وہ کون سی کتاب تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی کھڑکیوں پر کوئی آہستہ آہستہ دستک دے رہا ہو۔ میں نے اٹھ کر پردہ ہٹایا اور باہر جھانکنے لگا۔ تقریباً درجن بھر بڑے بڑے آنکھوں جیسے پھول کھڑکی کے شیشے سے مجھے گھور رہے تھے۔ اس وقت دروازے کی ایک دراڑ میں سے پودے کی ایک لمبی سی کونپل نے جھانکا اور یوں لپکی جیسے مجھے پکڑنا چاہتی ہو۔

میں اوپر آ کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا ہوں۔ اس کمرے کے دروازے پر بھی دستک سنائی دے رہی ہے۔ آہستہ آہستہ ایسی آوازیں بھی آ رہی ہیں جیسے باہر بڑے بڑے

سانپ رینگ رہے ہوں۔

ابھی دروازے کے نیچے سے ایک کونپل نے سر نکالا تھا جسے میں نے پاؤں تلے کچل دیا ہے لیکن وہ دوبارہ نمودار ہو رہی ہے شاید وہ چند ہی لحموں میں مجھے آلے گی۔ بیل کی گھنیری شاخیں کھڑکیوں کے ادھر بھی دستک دے رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ دروازے کے اندر سے آنے والی کونپل لمبی ہو کر سارے کمرے میں پھیل رہی ہے۔ ان میں سے ایک شاخ تو اب میرے جسم سے مس بھی ہونے لگی ہے میرے خدا کتنا ٹھنڈا ہے اس کا لمس!!

اوہ......اوہ......وہ میری گردن سے لپٹ رہی ہے۔ پودے کی لاتعداد کونپلیں مجھ سے لپٹ گئی ہیں۔ میرا دم جیسے گھٹتا جا رہا ہے......

(ڈائری یہاں ختم ہو جاتی ہے......اس کے آگے آرمینڈ کی تحریر میں ایک نوٹ درج ہے)

برسلز سے انگلینڈ واپس ہوتے ہی میں ٹریز بانڈ کو دیکھنے کے لئے چل پڑا تھا۔ دراصل میں برسلز میں ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ چلتے ہوئے ٹریز بانڈ سے میری ملاقات ہوئی تھی وہ اس وقت خاصا بیمار لگ رہا تھا۔ مجھے تشویش ہوئی۔ لہٰذا میں لندن پہنچتے ہی اس سے ملنے چل پڑا تھا۔

نومبر کی تیسری تاریخ تھی۔ میں صبح ہی صبح ٹریز بانڈ کے گھر جا پہنچا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میری دستک پر فوراً ہی میرے استقبال کے لیے آ موجود ہو گا۔ لیکن میری ساری دستکیں بیکار ثابت ہوئیں۔ میں مکان کی پشت کی سمت چل پڑا۔ شیشوں میں سے یہ دیکھ کر مجھے بے حد تعجب ہوا کہ بانڈ کا سب سے بڑا باغیچہ بری طرح اجڑا ہوا تھا۔ سٹڈی کے کمرے کی ایک کھڑکی تھی وہ ٹوٹی ہوئی تھی۔

میرا پاؤں کسی نرم شے سے ٹکرایا دیکھا۔ یہ بانڈ کے ایک کتے کی لاش تھی۔ اس کی زبان اور آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے گلے میں رسی وغیرہ ڈال کر مارا گیا ہو......دوسری جانب دوسرا کتا بھی تقریباً اسی حالت میں مرا پڑا تھا۔

ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے راستے سے میں اندر داخل ہو گیا اور سیڑھیوں پر رک کر میں نے

زور زور سے بانڈ کو آوازیں دیں۔ مجھے پتہ تھا کہ اس کی بیوی اور نوکر گھر میں نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ بات وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا۔ دراصل یہ ساری باتیں مجھے اس کے ایک خط سے معلوم ہوئی تھیں۔ اس خط میں بانڈ نے ان بیجوں کو خریدنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی جنہیں میں ایمیزن بیسن سے لے کر آیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ مجھے جلدی ملنے آئے گا۔ میں نے اسے سیڑھیوں پر رک کر کئی بار پکارا آخر کار مجھے جواب میں ایک تیز قسم کی چیخ سنائی دی یہ چیخ یقیناً بانڈ ہی کی تھی۔ وہ چلا رہا تھا۔ ”بچاؤ......خدا کے لئے اس پودے سے بچاو......“

میں تیزی سے ادھر دوڑا۔ اس کا شب خوابی کا کمرہ اندر سے مقفل تھا۔ میں نے اسے دھکے مار مار کر توڑ ڈالا اور اندھا جا گھسا۔

بے چارا بانڈ اس وقت اپنے آپ میں نہ تھا۔ وہ ایک کونے میں منہ چھپائے دبکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے خوف کے مارے باہر آ رہی تھیں۔

ٹریز بانڈ ان دنوں پاگل خانے میں ہے۔ اس کے عجیب وغریب بیانات کی روشنی میں پولیس نے باغیچے کی کھدائی کے بعد اس کی بیوی کی لاش برآمد کر لی تھی۔ لاش کے گلے میں گون کو ڈوری اس وقت بھی لپٹی ہوئی تھی۔ عدالت میں بانڈ پر مقدمہ بھی چلا تھا اور اسے قتل کا مجرم قرار دیا جا چکا ہے۔

اس کی ڈائری میں درج بیشتر واقعات بالکل غلط ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی بیج حاصل کیا تھا۔ جس بیج کا اس نے تذکرہ کیا ہے۔ وہ آج بھی میرے پاس موجود ہے، ایک خط میں اس نے اسے خریدنے کی خواہش ضرور ظاہر کی تھی لیکن وہ اس سلسلے میں کبھی مجھ سے ملا نہیں۔ ملتا بھی کیسے جب کہ میں برسلز میں تھا۔ اس نے دوسری جو باتیں لکھی ہیں وہ بھی قطعی ناقابل فہم ہیں۔ کتوں کو یقیناً اسی نے پاگل پن میں مار دیا ہو گا باغیچے کی تباہی کی ذمہ داری بھی کسی اور شے پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ حرکت بھی یقیناً خود اسی نے کی تھی۔ وہ غالباً بیوی کے قتل کو ہضم نہیں کر سکا اور قتل کے بعد خون اس کے دماغ پر سوار ہو گیا۔ جس کے زیر اثر وہ پاگل پن میں سب کچھ خود ہی کرتا رہا۔ (۱۴)

میں نے بدروح سے شادی کی

تعارف

مغربی دنیا والے بدروحوں میں یقین رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھٹکتی رہتی ہیں اور بعض اوقات نظر بھی آتی ہیں۔ یہ کہانی

"I tell you, I married a ghost"

”میں بتاتی ہوں، میں نے ایک بدروح کے ساتھ شادی کی تھی۔“

ایک بدرح اور ایک زندہ عورت کی محبت کی کہانی ہے۔

مصنفہ: رونگ لیری کا دعویٰ ہے کہ یہ اس کی سچی آپ بیتی ہے۔ نفسیات کے ایک ڈاکٹر نے اس جواں سال عورت کا نفسیاتی تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ محض واہمہ تھا۔ لیکن مصنفہ حقیقت اور واہموں کے درمیان بھٹک رہی ہے۔ بہر حال اس کہانی میں بھی ندرت ہے کہ اس میں علم نفسیات اور بدروحیں متصادم ہیں۔

نفسیات کے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ یہ واہمہ تھا لیکن میں اسے واہمہ کیوں کر کہوں؟ میں کمرے میں اکیلی تھی اور کسی مرد کی انگلیاں میرے بالوں کو سہلا رہی تھیں۔ وہ مرد مجھے نظر نہیں آسکتا تھا۔ کیونکہ وہ بدروح تھا۔ اسے مرے ہوئے ایک سو برس گذر گئے تھے۔ اس کی روح آئی تو میرا کمرہ سرد ہو گیا تھا۔ کواڑ ہلے تھے اور میں نے اس کی ہنسی کی دبی دبی آواز سنی تھی۔ میں گنوار اور ان پڑھ تو نہیں۔ ڈگری یافتہ استانی ہوں۔ میں یہ واقعہ لکھنے سے اس لیے گریز کرتی رہی کہ پڑھنے والے مجھے پاگل نہ سمجھ لیں۔ مگر اب یہ راز گل دینا چاہتی ہوں کہ میں نے اس بدروح سے شادی کرلی تھی۔

میرا جیتا جاگتا منگیتر فوج میں تھا اور تین برسوں سے جرمنی میں تھا۔ اس کا نام لیری ہے اور اب میں اس کی بیوی ہوں میں اس کی غیر حاضری میں اس کی منگنی کی انگوٹھی پہنے رکھتی تھی۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ بے لوث، پاک اور والہانہ محبت میں ایک سکول میں پڑھایا کرتی تھی اور شادی کے لئے خاصے پیسے جمع کر لیے تھے۔ لیری کے خط آتے رہتے تھے۔ اس کے واپس آنے میں ابھی کچھ عرصہ باقی تھا۔ میں اس انتظار میں تھی کہ وہ آئے اور ہم شادی کرلیں۔ دنیا میں لیری کے سوا میرا کوئی نہ تھا۔ ماں باپ بچپن میں مر چکے تھے۔

میں نے شہر سے دور دیہاتی علاقے میں کرائے کا مکان لینے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ شہر کے شور وشر اور مصنوعی زندگی سے طبیعت اکتا گئی تھی۔ کرائے کے مکانوں کے ایک ایجنٹ نے شہر سے دس میل دور میرے لیے پرانا سا ایک مکان دیکھ لیا اور مجھ سے بات کر کے مالک مکان سے معاملہ طے کرلیا۔ میں مکان دیکھنے کے لئے وہاں پہنچی۔ مالک مکان مکان کو فروخت بھی کرنا چاہتا تھا لیکن میں ابھی کرائے پر رہنا چاہتی تھی۔ مکان کا جو کرایہ بتایا گیا وہ مضحکہ خیز حد تک کم تھا۔ میں نے سنا تو ہنسی نکل گئی۔ ایجنٹ نے کہا کہ گاؤں کے مکانوں کے کرائے اس سے بھی کم ہوا کرتے ہیں۔ شہر کو چھوڑ کر یہاں کون رہنے آتا ہے؟ لیکن ایجنٹ کو معلوم نہ تھا کہ میں شہر سے بھاگ کر اس چپ چاپ سی فضا اور معصوم سے ماحول میں پناہ لینے آئی ہوں۔ اس مکان کے قریب تر جو مکان تھا وہ سوڈیڑھ سو گز دور تھا۔ میں یہ مکان لیری کے لئے لے رہی تھی۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی ہم شادی کر کے تصنع اور ہنگاموں سے بہت دور رہنا چاہتے تھے۔

لیری دیہات میں ہی جنا پلا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اس ماحول کو بہت پسند کرے گا۔ میں نے تو عمر شہر میں گذاری تھی۔ وہ شہر کا ایک تاریک گوشہ تھا۔ میری عمر تین برس کی تھی جب ماں مرگئی اور باپ کہیں لاپتہ ہو گیا اور میں ماں باپ کے پیار سے محروم ہو گئی۔ مجھے خالہ نے گودی لے لیا تھا۔ خالہ خاموشی پسند عورت تھی۔ مجھے بھی زیادہ بولنے نہیں دیا کرتی

تھی۔ اس نے مجھے بڑے پیار سے پالا تعلیم دلائی اور مجھ میں کتابیں پڑھتے رہنے کی عادت ڈال دی۔ مجھے قدیم زمانے کی پراسرار کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے ایک کتاب میں اسی قسم کے مکان کے متعلق ایک کہانی پڑھی تھی جو مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ یہ کہانی بھی پراسرار تھی۔ مجھے جب ایجنٹ نے یہ مکان دکھایا تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہانی اسی مکان کے متعلق تھی۔ شاید اس کہانی کا اثر تھا کہ مجھے یہ مکان جانا پہچانا لگا۔ جیسے میں اس مکان میں کبھی رہ چکی ہوں۔

ایجنٹ نے مکان کا تالا کھولا اور چابی مجھے دے کر جانے کہاں چلا گیا میں اندر چلی گئی۔ باہر سے یہ مکان جس قدر اچھا لگا تھا اندر سے دیکھ کر اتنی ہی مایوسی ہوئی۔ دیواریں اور فرش نم آلود تھے۔ فرنیچر بوسیدہ اور در و دیوار زمانہ قدیم کی اداس اداس کہانیاں سنا رہے تھے۔ میں نے بلند آواز سے کہا...... ”ان میں سے کوئی بھی چیز یہاں کی ملکیت نہیں ہے جانے کون رکھ گیا ہے۔“

میں چونک اٹھی اور سہم گئی۔ کیوں کہ میں نے کمرے میں کسی مرد کی دبی دبی ہنسی کی آواز سنی اور ساتھ ہی مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سوچا ایجنٹ ہوگا لیکن وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ہنسی کی گونج ابھی تک کمرے میں بھٹک رہی تھی۔ یہ واہمہ نہیں تھا۔ تاہم میں نے اپنے دل کو تسلی دے کر سنبھال لیا کہ قدیم مکانوں میں ایسی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں جو دراصل انسانی نہیں ہوتیں ہو سکتا ہے کسی کونے کھدرے میں کوئی بلی یا کتیا بچوں سے کھیل رہی ہو۔ برآمدے میں لکڑی کا زینہ تھا۔ میں بالائی کمرے میں چلی گئی۔ اوپر دو بڑے کمرے اور ایک سٹور روم تھا جس میں کچھ کوڑا کباڑ بکھرا ہوا تھا میں نیچے اتر آئی۔ تب میں نے مکان کو غور سے دیکھا۔ فرش پرانے زمانے کی خوبصورت ٹائلوں کا تھا۔ انگیٹھی نہایت خوبصورت اور دروازوں اور کھڑکیوں کے کواڑوں پر بیل بوٹے کھدے ہوئے تھے۔ چھت پر بھی گلکاری کی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے یہ مکان بڑے پیار سے یا کسی کے پیار کی خاطر تعمیر کیا تھا۔ ہر چیز سے یہاں کے رہنے والوں کی

خوش ذوقی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہی مکان جو چند لمحے پہلے اداس اداس سا نظر آیا اب شگفتہ اور ہنستا مسکراتا دکھائی دے رہا تھا میرے ذہن میں یہ تبدیلی کیوں آئی تھی......؟ میرے پاس آج بھی اس کا کوئی جواب نہیں۔

مکان کی یہ قدیم قسم کی دل کشی مجھے حسن و عشق کی وادیوں میں لے گئی مجھے بھی تو لیری سے محبت تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسی مکان میں رہوں گی اور لیری کے لیے اسے اور زیادہ دل کش بناؤں گی۔ اتنے میں ایجنٹ اندر آیا اور بولا...... ”میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر سوچ لیں۔ میں آپ کو شہر میں تھوڑے کرائے پر اچھا مکان دلا سکتا ہوں۔ مجھے شک ہے کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے......“ اس نے یہ بھی بتایا کہ یہ مکان ایک سو سال پرانا ہے اور بہت عرصہ خالی رہا ہے۔

میں نے اس کی بات نہ مانی اور اس مکان میں منتقل ہو گئی اور دوسرے روز نیلامی سے ایک پرانا صوفہ سیٹ خرید لائی۔ لیری اپنی تنخواہ میں سے ہر مہینے خاصے پیسے بھیج دیا کرتا تھا جو میں ازدواجی زندگی کے لئے الگ رکھ دیتی تھی۔ میرے پاس اپنے ایک ہزار ڈالر تھے جو خالہ نے پچھلے سال مرتے وقت میرے لیے چھوڑے تھے۔ میں نے مکان کے اندر دیواروں اور کواڑوں پر رنگ روغن شروع کرا دیا۔ پرانے پردے بھی خرید لائی۔ پھر میں پرانے فرنیچر کی تلاش کرنے لگی۔ نئی چیزیں خریدنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس مکان سے مجھے روحانی سا لگاؤ پیدا ہونے لگا۔ کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے میں ایک صدی پہلے کی مخلوق ہو اور موجودہ دنیا کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس مکان کو سجانے لگی اور روز بروز کی تفصیلات لیری کو لکھنے لگی مگر لیری کا خط آیا تو اس میں خفگی کا اظہار تھا۔ اس نے لکھا کہ اس قسم کے پرانے مکان پر اتنے پیسے خرچ کرنا عقلمندی نہیں۔ میں تھوڑے عرصے تک واپس آجاؤں گا لیکن میں ایسے پرانے مکان میں نہیں رہوں گا۔

لیری کا خط دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ یہ خط پڑھتے وقت میں نے محسوس کیا جیسے یہ کسی ایسے آدمی کا خط ہے جس کے ساتھ میرا کوئی گہرا تعلق نہیں۔ میں نے لیری کو خط لکھا کہ میں

تھی۔ اس نے مجھے بڑے پیار سے پالا تعلیم دلائی اور مجھ میں کتابیں پڑھتے رہنے کی عادت ڈال دی۔ مجھے قدیم زمانے کی پراسرار کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے ایک کتاب میں اسی قسم کے مکان کے متعلق ایک کہانی پڑھی تھی جو مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ یہ کہانی بھی پراسرار تھی۔ مجھے جب ایجنٹ نے یہ مکان دکھایا تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہانی اسی مکان کے متعلق تھی۔ شاید اس کہانی کا اثر تھا کہ مجھے یہ مکان جانا پہچانا لگا۔ جیسے میں اس مکان میں کبھی رہ چکی ہوں۔

ایجنٹ نے مکان کا تالا کھولا اور چابی مجھے دے کر جانے کہاں چلا گیا میں اندر چلی گئی۔ باہر سے یہ مکان جس قدر اچھا لگا تھا اندر سے دیکھ کر اتنی ہی مایوسی ہوئی۔ دیواریں اور فرش نم آلود تھے۔ فرنیچر بوسیدہ اور در و دیوار زمانہ قدیم کی اداس اداس کہانیاں سنا رہے تھے۔ میں نے بلند آواز سے کہا...... ''ان میں سے کوئی بھی چیز یہاں کی ملکیت نہیں ہے جانے کون رکھ گیا ہے۔''

میں چونک اٹھی اور سہم گئی۔ کیوں کہ میں نے کمرے میں کسی مرد کی دبی دبی ہنسی کی آواز سنی اور ساتھ ہی مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سوچا ایجنٹ ہو گا لیکن وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ہنسی کی گونج ابھی تک کمرے میں بھٹک رہی تھی۔ یہ واہمہ نہیں تھا۔ تاہم میں نے اپنے دل کو تسلی دے کر سنبھال لیا کہ قدیم مکانوں میں ایسی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں جو دراصل انسانی نہیں ہوتیں ہو سکتا ہے کسی کونے کھدرے میں کوئی بلی یا کتیا بچوں سے کھیل رہی ہو۔ برآمدے میں لکڑی کا زینہ تھا۔ میں بالائی کمرے میں چلی گئی۔ اوپر دو بڑے کمرے اور ایک سٹور روم تھا جس میں کچھ کوڑا کباڑ بکھرا ہوا تھا میں نیچے اتر آئی۔ تب میں نے مکان کو غور سے دیکھا۔ فرش پرانے زمانے کی خوبصورت ٹائلوں کا تھا۔ انگیٹھی نہایت خوبصورت اور دروازوں اور کھڑکیوں کے کواڑوں پر بیل بوٹے کھدے ہوئے تھے۔ چھت پر بھی گلکاری کی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے یہ مکان بڑے پیار سے یا کسی کے پیار کی خاطر تعمیر کیا تھا۔ ہر چیز سے یہاں کے رہنے والوں کی

خوش ذوقی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہی مکان جو چند لمحے پہلے اداس اداس سا نظر آیا اب شگفتہ اور ہنستا مسکراتا دکھائی دے رہا تھا میرے ذہن میں یہ تبدیلی کیوں آئی تھی......؟ میرے پاس آج بھی اس کا کوئی جواب نہیں۔

مکان کی یہ قدیم قسم کی دل کشی مجھے حسن و عشق کی وادیوں میں لے گئی مجھے بھی تو لیری سے محبت تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسی مکان میں رہوں گی اور لیری کے لیے اسے اور زیادہ دل کش بناؤں گی۔ اتنے میں ایجنٹ اندر آیا اور بولا...... ''میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر سوچ لیں۔ میں آپ کو شہر میں تھوڑے کرائے پر اچھا مکان دلا سکتا ہوں۔ مجھے شک ہے کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے......'' اس نے یہ بھی بتایا کہ یہ مکان ایک سو سال پرانا ہے اور بہت عرصہ خالی رہا ہے۔

میں نے اس کی بات نہ مانی اور اس مکان میں منتقل ہو گئی اور دوسرے روز نیلامی سے ایک پرانا صوفہ سیٹ خرید لائی۔ لیری اپنی تنخواہ میں سے ہر مہینے خاصے پیسے بھیج دیا کرتا تھا جو میں ازدواجی زندگی کے لئے الگ رکھ دیتی تھی۔ میرے پاس اپنے ایک ہزار ڈالر تھے جو خالہ نے پچھلے سال مرتے وقت میرے لیے چھوڑے تھے۔ میں نے مکان کے اندر دیواروں اور کواڑوں پر رنگ روغن شروع کرا دیا۔ پرانے پردے بھی خرید لائی۔ پھر میں پرانے فرنیچر کی تلاش کرنے لگی۔ نئی چیزیں خریدنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس مکان سے مجھے روحانی سا لگاؤ پیدا ہونے لگا۔ کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے میں ایک صدی پہلے کی مخلوق ہوں اور موجودہ دنیا کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس مکان کو سجانے لگی اور روز بروز کی تفصیلات لیری کو لکھنے لگی مگر لیری کا خط آیا تو اس میں خفگی کا اظہار تھا۔ اس نے لکھا کہ اس قسم کے پرانے مکان پر اتنے پیسے خرچ کرنا عقلمندی نہیں۔ میں تھوڑے عرصے تک واپس آ جاؤں گا لیکن میں ایسے پرانے مکان میں نہیں رہوں گا۔

لیری کا خط دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا۔ یہ خط پڑھتے وقت میں نے محسوس کیا جیسے یہ کسی ایسے آدمی کا خط ہے جس کے ساتھ میرا کوئی گہرا تعلق نہیں۔ میں نے لیری کو خط لکھا کہ میں

اسی مکان میں رہوں گی۔ میں نے غصے کے عالم میں لفافہ بند کیا تو عین اس وقت دروازے کے کواڑوں میں جنبش ہوئی۔ معاً بعد میں نے اپنے کندھے پر کسی مرد کا ہاتھ محسوس کیا جو پیار سے میرے کندھے کو تھپتھپا رہا تھا۔

رگوں میں خون جم گیا۔ خوف سے حلق خشک ہو گیا۔ میری رگ رگ میں سردی کی لہر سرایت کر گئی۔ کمرہ بھی سرد ہو گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے گھوم کے دیکھا۔ کمرے میں کوئی نہ تھا لیکن اس میں کوئی شک نہ تھا کہ میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا تھا۔ میں بھاگ کر باہر نکلی، باہر بھی کوئی نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے لیری سے روحانی محبت ہے اور اس وقت میں اسی کے خیال میں گم تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میرے تصورات کا کرشمہ ہو، میں نے لیری کا ہاتھ تصویر میں اپنے کندھے پر محسوس کیا ہو گا۔ میں مضطرب تو بہت ہوئی لیکن لیری کی محبت اور اس کی تصورات نے مجھے سنبھال لیا۔

رات اطمینان سے گذر گئی۔ صبح ناشتہ کر کے میں شہر کی طرف چل پڑی۔ میں مکان کے لئے چند اور چیزیں خریدنا چاہتی تھی۔ راستے میں ایک دکان تھی۔ میں دکان میں چلی گئی۔ باتوں باتوں میں دکاندار نے مجھے اپنی بلی کے بچے دکھائے۔ بڑے خوبصورت بچے تھے۔ اس نے ایک بچہ مجھے دے دیا اور کہنے لگا...... ''آپ اتنے بڑے مکان میں تنہا رہتی ہیں۔ یہ بچہ آپ کا اچھا ساتھی ثابت ہو گا......'' میں بچے کو لے آئی۔

میں شہر گئی۔ کچھ چیزیں خریدیں اور واپس آ گئی۔ میرے مکان سے ذرا دور ایک اور مکان تھا۔ سوچا ان لوگوں سے بھی راہ و رسم پیدا کر لوں۔ وہاں گئی تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔ وہ میاں بیوی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ چند ایک رسمی باتوں کے بعد بڑھیا نے مجھے کہا کہ سنا ہے تم پرانا فرنیچر خریدتی پھر رہی ہو۔ ہمارے گھر میں ایک بہت پرانی میز ہے۔ کوئی سو سال پرانی ہو گی لیکن ہے بہت مضبوط اس زمانے کی دل کشی اب بھی اس میں موجود ہے چاہو تو خرید لو۔

میں نے میز خرید لی۔ اس کا رنگ روغن پھیکا پڑ چکا تھا لیکن ساخت میں ایک صدی پہلے کا ذوق نمایاں تھا۔ مجھے اس میز میں یہی خوبی اچھی لگی تھی۔ بڑھیا نے میز میرے حوالے کرتے ہوئے کہا...... ''اس مکان سے جتنی جلدی نکل جاؤ بہتر ہے۔ تم شاید تھوڑا کرایہ دیکھ کر یہاں آ گئی ہو۔ لیکن یہ مکان اچھا نہیں......'' میں نے اسے حیرت زدہ ہو کے دیکھا تو اس نے کہا...... ''یہ مکان آسیب زدہ ہے۔ یہاں کوئی کرایہ دار زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تم اکیلی ہو، کہیں ایسا نہ ہو......''

مجھے ڈر جانا چاہئے تھا۔ مجھے پہلے بھی خبردار کیا جا چکا تھا۔ لیکن مجھے ذرہ بھر خوف محسوس نہ ہوا۔ حالانکہ میں مکان کی آسیب زدگی کی ایک علامت دیکھ بھی چکی تھی لیکن مجھے تو اس مکان سے محبت سی ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس بڑھیا کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بڑھیا نے میز میرے گھر بھجوا دی۔

شام کا اندھیرا اپھیل رہا تھا۔ میں نے کھانا تیار کیا۔ کھایا بلی کے بچے کو دودھ پلایا اور سکول کی لائبریری سے لائی ہوئی ایک کتاب پڑھنے بیٹھ گئی۔ بلی کا بچہ میری گود میں سو گیا۔ میں بہت دیر پڑھتی رہی گھڑی دیکھی تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ کتاب صوفے پر رکھ دی۔ سوچا کہ اتنی دیر تک نہیں جاگنا چاہئے تھا۔ اتنے میں کمرہ یک لخت سرد ہو گیا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ ہوا تو کہیں سے بھی نہیں آ رہی تھی۔ معاً بعد یہ سردی میری رگوں میں سرایت کر گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ سردی کچھ انوکھی سی تھی۔ مجھے صاف محسوس ہوا کہ میرے قریب صوفے پر کوئی انسان آ کے بیٹھ گیا ہے۔ میں نے صوفے کے دبتے ہوئے سپرنگوں اور صوفے کے دھنسنے کی ہلکی سی آواز بھی سنی۔ خوف کی یخ بستہ لہر میرے وجود میں دوڑ گئی۔

بلی کے بچے نے بدک کر میرے پہلو کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر خوف کا تاثر نمایاں ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اسے کوئی انسان یا کوئی اور چیز نظر آ رہی ہے۔ اس نے ڈر کر عجیب سی آواز نکالی اور اچھل کر میری گود سے فرش پہ جا پڑا۔ وہاں سے بدکا اور بھاگ کر دروازے سے ٹکرایا دروازہ بند تھا۔ اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور

خوفزدگی کے عالم میں کواڑ پر پنجے مارنے لگا۔

میں نے جا کر دروازہ کھولا تو بلی کا بچہ بجلی کی سرعت سے باہر نکلا اور اندھیرے میں غائب، ہوگیا۔ میں باہر کے اندھیرے میں جھانکتی رہی۔ مجھے جرأت نہیں ہورہی تھی کہ گھوم کر کمرے میں دیکھوں۔ معلوم نہیں وہ کیسی خوفناک چیز تھی جو صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ میرے لئے ایک ہی راہ فرار تھی کہ گھر سے بھاگ کر اندھیرے میں غائب ہو جاؤں۔ کسی پڑوسی کے ہاں رات گزاروں یا شہر کسی ہوٹل میں چلی جاؤں لیکن خیال آیا کہ اگر کمرے میں کوئی بدروح یا جن بھوت ہے تو وہ مجھے راستے میں روک لے گا۔

میں نے حوصلہ کیا اور تھر تھر کانپتے جسم کو بڑی مشکل سے کمرے کی طرف گھمایا۔ دیکھا کمرے میں کوئی نہ تھا۔ میں مکان کے تمام کمروں میں گھوم آئی۔ ہر ایک بتی جلا کر دیکھا۔ مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ کل صبح اس مکان سے نکل جاؤں گی اور شہر میں جا رہوں گی۔ کوئی شک نہ رہا کہ یہ مکان بدروحوں کا مسکن ہے۔ دل کو جھوٹی سچی تسلیاں دے کر میں سونے کے لیے لیٹ گئی لیکن نیند نہ آئی۔ میں رات کی آوازیں سنتی رہی۔ ان میں جھینگروں کی آوازیں بھی تھیں اور مینڈکوں کی بھی۔ کبھی کوئی گیدڑ چیخ اٹھتا تھا اور کبھی دور سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ میرے اردگرد جنگل جاگ رہا تھا اور میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے بتی جلتی رہنے دی اور بہت دیر بعد مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی۔ دن کی روشنی نے میرے سہمے ہوئے دل کو تھام لیا اور رات کا خوف بہت کم ہوگیا۔ میں نے ناشتہ تیار کیا اور کھا پی لیا باہر نکل کر گردوپیش کا منظر دیکھا تو رات کے ارادے کہ میں یہ مکان چھوڑ دوں گی۔ دم توڑنے لگے۔ اس قدر دل کش اور روح افزا ماحول شہر میں خواب میں بھی نظر آنا محال تھا۔ مگر رات کا جب یہ واقعہ یاد آیا کہ میرے قریب صوفے پر کوئی بیٹھ گیا تھا اور بلی کا بچہ ڈر کر بھاگ گیا تھا تو دل ڈوبنے لگا۔ میں نے بدروحوں کی کہانیوں پر کبھی یقین نہیں کیا تھا لیکن مجھے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ رات کا واقعہ محض

واہمہ تھا۔ صوفے کی آواز بتاتی تھی کہ وہ کوئی تنومند انسان تھا۔

میں نے مکان کو چھوڑ ہی دینے کا فیصلہ کرلیا۔ میں مالک مکان کے گھر چلی گئی اور اس کی بیوی سے کہا کہ میں مکان خالی کررہی ہوں میں نے اسے رات کی واردات نہ سنائی۔ سوچا کہ وہ مجھے توہم پرست گنوار نہ سمجھ لے۔ میں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ میرا منگیتر واپس آ رہا ہے اور وہ شہر میں رہنا چاہتا ہے۔

مکان کی مالکہ بولی...... ”معلوم ہوتا ہے تمہیں کسی نے ڈرا دیا ہے کہ اس مکان میں بدروحیں رہتی ہیں۔ لوگوں نے اس مکان کے متعلق اس قسم کے من گھڑت قصے مشہور کر رکھے ہیں۔

میں نے اسے بتادیا کہ فلاں بڑھیا نے مجھے کہا تھا کہ میں اس مکان سے نکل جاؤں۔

”سنو لڑکی! مالکن بولی۔“ تم مکان خالی کرنا چاہو تو کردو لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ لوگوں نے اس کے متعلق بدروحوں کے قصے کس طرح تخلیق کیے ہیں۔ میں اور میرا خاوند پندرہ برس اس مکان میں رہے ہیں۔ ہمیں کبھی کوئی بدروح نظر نہیں آئی تھی۔ قصہ یوں ہے کہ ایک سو سال گزرے ایک آدمی جوناتھن برل نے اس مکان کی تعمیر کے لئے زمین خریدی تھی۔ اس نے ابھی مکان بنانا شروع نہیں کیا تھا کہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جوناتھن وطن پرست انسان تھا۔ وہ جنگ پہ چلا گیا۔ اس کی منگنی ہوچکی تھی۔ اسے اپنی منگیتر سے بہت ہی محبت تھی اور وہ لڑکی بھی اسے اسی طرح چاہتی تھی۔ جوناتھن اپنی منگیتر کے لیے یہ مکان بنوانا چاہتا تھا لیکن وہ خانہ جنگی میں شریک ہوگیا۔ حادثہ یہ ہوا کہ اس کی غیر حاضری میں لڑکی نے کسی اور سے شادی کرلی اور جانے کہاں غائب ہوگئی......

”جب جوناتھن واپس آیا تو اس لڑکی کو غائب پایا جس کے لیے وہ محل جیسا مکان بنانا چاہتا تھا۔ اس پر خاموشی طاری ہوگئی۔ اس نے یہ مکان بنانا شروع کردیا۔ وہ ہر لمحہ معماروں کے سر پر کھڑا رہتا اور اپنی پسند کی تعمیر کراتا رہا۔ اس کی تعمیر میں اس نے دو برس صرف کیے اور مکان کی ہر چیز کو نہایت دل کش بنایا۔ اس دور کے لوگ سناتے تھے کہ وہ مکان کے ایک

ایک نقش ایک ایک اینٹ اور ایک ایک پتھر میں اپنی بے وفا منگیتر کی محبت کو سمو رہا تھا۔ بعض اوقات کوئی یار دوست اس سے پوچھ بیٹھتا کہ اب کون سی لڑکی کو اس خوبصورت مکان میں لا کر بساؤ گے؟ تو وہ ہر کسی کو ایک ہی جواب دیتا کہ وہ ایک نہ ایک دن خود ہی آ جائے گی۔

وہ مکان بنواتا رہا اور مکان کی تکمیل دو برسوں میں ہوئی۔ اس نے مکان کے سامنے باغیچہ بنوایا اور نایاب قسم کے پھولدار پودے اور سرخ گلاب اگا کر اسے انتہائی دل کش باغیچہ بنا دیا۔

مکان کی مالکن کہانی سنا رہی تھی اور میرے تصوروں میں ایک خوبرو جواں سال اور اداس سے مرد کی تصویر نکھرتی آ رہی تھی۔ مجھے یقین کی حد تک محسوس ہونے لگا کہ میں اس آدمی سے اچھی طرح واقف ہوں اور میں نے اسے کئی بار دیکھا ہے۔ جوناتھن کا نام کچھ ایسا لگا۔ جیسے یہ نام ایک مدت سے میرے دل میں رچا بسا ہوا ہے۔ گو یہ کہانی ایک صدی پرانی تھی۔ پھر بھی میں ذہن پر زور دینے لگی کہ میں نے جوناتھن کو کہاں دیکھا تھا۔ میں نے مالکن سے پوچھا۔ ’’وہ بوڑھا ہو کے مر گیا ہوگا۔ کب مرا تھا۔ اس نے شادی کی تھی؟‘‘

’’نہیں!‘‘ اس نے کہا۔ ’’وہ جوانی میں ہی مر گیا تھا۔ ایک حکایت یہ ہے کہ وہ کہیں لاپتہ ہو گیا تھا لیکن میری دادی وثوق سے سنایا کرتی تھی کہ اس پر بجلی گری تھی۔ اس نے جوناتھن کی جلی ہوئی لاش اپنی آنکھوں دیکھی تھی۔ رات کا وقت تھا بڑی زور کا طوفان آیا تھا۔ کہتے ہیں ایسا طوفان کبھی نہیں آیا تھا۔ آندھی اور بارش بہت تیز تھی اور بجلی رہ رہ کر کڑک اور چمک رہی تھی۔ جوناتھن برآمدے میں کھڑا تھا کہ اس پر بجلی گری اور وہ جل کر مر گیا...... اس کے بعد کئی لوگ اس مکان میں رہے لیکن کوئی بھی زیادہ عرصے کے لیے نہ ٹھہر سکا۔ بہت مدت تک یہ مکان خالی پڑا رہا۔ آخر ہم نے جوناتھن کے وارثوں کو تلاش کر کے ان سے یہ مکان خرید لیا۔ ہم پندرہ سال اس میں رہے اور کسی بھی لمحہ شک نہ گزرا کہ یہاں کوئی بدروح رہتی ہے۔ لوگوں نے جوناتھن کی محبت کی کہانی میں سنسنی پیدا کرنے کے لئے یہ قصہ گھڑ لیا ہے کہ جوناتھن کی روح اب بھی اپنی منگیتر کو تلاش کرنے کے لئے اس مکان میں آیا کرتی

ہے......‘‘ مالکن نے سنجیدگی سے کہا۔ ’’اگر یہ بات سچ ہوتی تو ہم تم جیسی جواں سال لڑکی کو کبھی یہاں رہنے نہ دیتی۔‘‘

میں نے پھر بھی مالکن کو نہ بتایا کہ میں نے اس کی روح کو مکان میں محسوس کیا ہے۔ جانے دل میں کیا آئی کہ میں نے مالکن کی بات مان لی اور مکان چھوڑنے کا فیصلہ بدل ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی جوناتھن میرے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ رہ رہ کے خیال آتا کہ وہ اپنی بے وفا اور فریب کار منگیتر کو ڈھونڈتا مر گیا۔ مجھے اس کے ساتھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی جس کا تعلق میری روح کے ساتھ تھا۔ میں مالکن کے گھر سے اٹھی اور شہر چلی گئی۔ شہر کی گہما گہمی کو دیکھ کر مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو فریب دینے کی بہت کوشش کی کہ وہ محض واہمہ تھا لیکن میری کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ کوئی انسان یقیناً میرے صوفے پر بیٹھا تھا اور اس سے پہلے کسی نے بلاشک وشبہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ میں نے پھر ارادہ کر لیا کہ میں اس مکان کو چھوڑ کر شہر میں آ جاؤں گی۔

مجھے یونیورسٹی کی لائبریری سے ایک دو کتابیں لینی تھیں۔ میں یونیورسٹی چلی گئی۔ سکول میں ان دنوں چھٹیاں تھیں۔ لائبریرین سے باتیں ہونے لگیں تو اس نے یونیورسٹی کے عجائب گھر کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں نے یہ عجائب گھر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لائبریرین نے بتایا کہ عجائب گھر کھلا ہے۔ میں جا کے دیکھ لوں۔ یہ آثار قدیمہ کے مضمون کے طلبہ کے لیے کبھی کبھی کھولا جاتا تھا۔

میں بالائی منزل میں عجائب گھر میں چلی گئی۔ ہر سو صدیوں پرانی تہذیب مختلف اشیاء کے روپ میں بکھری ہوئی تھی۔ میں یہ تصویروں کی گیلری میں گئی تو مجھے خانہ جنگی کے وقت کی سو سالہ پانی تصویر دیوار سے آویزاں نظر آئی۔ یہ خاصی بڑی تصویر تھی جس میں بارہ جواں سال آدمی وردیاں پہنے کھڑے تھے۔ یہ خانہ جنگی کے جنگجو تھے۔ تصویر کے نیچے سب کے نام لکھے تھے۔ میں نام پڑھنے لگی تو ایک نام پہ رک گئی۔ نام تھا۔ جوناتھن برل...... میرے جسم نے جھرجھری لی۔ یہ تھا وہ جوناتھن جس نے اپنی منگیتر کے لئے اس قدر خوبصورت مکان بنایا

تھا اور اب میں اس میں رہ رہی تھی۔

میں نے تصویر پر نظریں جما دیں۔ وہ سب سے زیادہ جاذب نگاہ آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں میں تک رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ہی اس کی منگیتر تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی چمک تھی۔ بنو نوع انسان کی محبت، اپنے ملک کی محبت اپنی منگیتر کی محبت...... وہ محبت کا خوبرو پیکر لگتا تھا۔ میں وہاں سے ہٹنے لگی تو تصویر کی آنکھیں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ میں رک گئی اور بے بس سا ہو کے تصویر سے سرگوشی میں کہا......

”جوناتھن! اگر تم میرے منتظر تھے تو میں آ گئی ہوں...... معاً میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر دوڑتی محسوس کی اور میرا جسم تھر تھر کانپ کر ساکن ہو گیا۔

میں اس شخص کو جانتی ہوں۔ میرے دل سے آواز آئی۔ میں اس خوبرو آدمی کی سانسوں کی تپش سے بھی واقف ہوں۔ میرے ہونٹوں سے سرگوشی پھیل گئی۔ اگر یہ مرد اس مکان میں آتا ہے تو میں اس کی بھٹکی ہوئی روح سے کبھی نہیں ڈروں گی۔ میں اس کا انتظار کروں گی...... اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں نے یہ مکان اسی آدمی کے لئے کرائے پر لیا ہے میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں آج رات اس کا انتظار کروں گی۔

میرے خیالوں میں یہ انقلاب کیوں آیا تھا؟ کیا یہ میرے جذبات کی شدت تھی؟ کون سے جذبات کی شدت؟...... مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اتنا ہی یاد ہے کہ میرے ذہن اور دل سے اپنے منگیتر لیری کا نام دھل گیا تھا جیسے لیری کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اگر اس کا کوئی وجود تھا تو اس کا نام لیری نہیں جوناتھن تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو شاید میں پاگل ہو گئی تھی اور اگر ایسا نہیں تھا تو بھی میں پاگل ہو گئی تھی۔

میں جانے کتنی دیر جوناتھن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہیں کھڑی رہی لوگ اسے واہمہ کہیں گے لیکن میں نے تصویر کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی جو آئی اور غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اور زیادہ چمک اٹھیں۔ میں ان آنکھوں کا سامنا نہ کر سکی اور وہاں سے تیز قدم آ گئی۔ گاؤں کی طرف جاتے ذہن میں ایک ہی جنون تھا کہ میں آج رات جوناتھن کو دیکھوں

گی۔ کل رات وہی میرے قریب صوفے پر آ بیٹھا تھا اور اس سے پہلے اسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

لیکن وہ اس رات نہ آیا۔ دوسری رات بھی نہ آیا۔ میں رات بہت دیر تک کمروں، برآمدوں اور باغیچے میں گھومتی رہی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ جوناتھن آیا بھی تو وہ اس کی بدروح ہو گی۔ لیکن اب میرے دل میں خوف کی جگہ والہانہ محبت تھی۔

تین ہفتے گزر گئے۔ ان تین ہفتوں میں مکان طلسم ہوشربا کی طرح میرے اعصاب پر سوار ہو گیا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ یہ مکان میرے ہی لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ میں جب کھڑکی کھول کر سبز پوش پہاڑیوں کا نظارہ کرتی تو مجھے یقین ہونے لگا کہ جوناتھن کو معلوم تھا کہ مجھے ہری بھری پہاڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ اسی لئے اس نے اس طرف دو کھڑکیاں بنوائی تھیں۔

اس دوران جرمنی سے لیری کے تین خط آئے اور میں نے بے خیالی میں ہر خط کا جواب دے دیا لیکن خط لکھ کر کچھ بھی یاد نہ رہا کہ میں نے کیا لکھا ہے۔ میں شاید ہر خط میں اس مکان کی تعریف کرتی تھی۔ کیونکہ لیری نے چوتھے خط میں لکھا کہ معلوم ہوتا ہے یہ مکان تمہارے دل میں بری طرح سما گیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ میں اس مکان میں نہیں رہ سکوں گا۔ میں جلدی آ رہا ہوں۔ آ کر فیصلہ کروں گا۔

لیری کا یہ خط دیکھ کر مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ لیری کی شکل وصورت کیسی ہے یوں لگا جیسے میں نے اسے کہیں راہ جاتے دیکھا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میں جلدی آ رہا ہوں۔ میں سوچنے لگی کہ وہ کیوں آ رہا ہے؟ اسے میرے پاس آنے کی کیا جلدی ہے؟ میں نے ذہن پر زور دے کر لیری کی شکل وصورت کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے چہرے مہرے کے خطوط جوناتھن کی تصویر بنتے چلے گئے۔

جوناتھن کو ایک نظر دیکھنے کے لیے میری بے چینی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ لیری سے مجھے کسی قدر محبت ہوا کرتی تھی میں نے کتنے ارمانوں سے اس سے منگنی کی تھی۔ اس کی منگنی کی انگوٹھی اب بھی میری انگلی میں تھی۔ مگر لیری کا نام دل سے محو ہو گیا تھا اور اس کی جگہ

جوناتھن نے لے لی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ جوناتھن بدروح ہے۔ جیتا جاگتا انسان نہیں پھر بھی میں اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہوئی جارہی تھی اور یہ خیال دل میں پختہ ہوتا چلا جا رہا تھا کہ جوناتھن میرا ہمجولی ہے۔

چند ہی روز ہوئے نفسیات کے ایک ڈاکٹر نے میری اس ذہنی کیفیت کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے جو میرے لیے قابل فہم ہوتے ہوئے بھی بے معنی سا لگتا ہے۔ یہ تو خیر بعد کی بات ہے۔ میں اس مکان کا ذکر کررہی تھی میں ایک شام اس ایک صدی پرانے مکان کے بڑے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی کہ کھڑکی کے سامنے جارکی۔ کھڑکی کے کواڑ پر نظر پڑی تو ایک جگہ کھدے ہوئے حروف نظر آئے۔ غور سے دیکھا تو لکھا تھا جوناتھن...... یہ شاید اس نے خود ایک سو سال پہلے چاقو کی نوک سے لکھا تھا میں چاقو لے آئی اور اس نام کے ساتھ اپنا نام کھود ڈالا۔ میں نے بلند آواز سے کہا...... ’’کیوں جوناتھن! تمہارے ساتھ میرا نام کیسا لگتا ہے؟‘‘

کمرے میں مردانہ ہنسی کی دبی دبی آواز سنائی دی۔ یہ واہمہ نہیں تھا۔ نہ یہ میرے تصور کا کرشمہ تھا۔ ہنسی کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔ جیسے کمرے میں کوئی آہستہ آہستہ چل رہا ہو۔ میں نے سرعت سے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ ہنسی کی ہلکی ہلکی گونج کمرے میں بھٹک رہی تھی۔ کمرہ سرد ہوگیا تھا میں جسم کے اندر بھی ایسی ہی انوکھی سی سردی محسوس کرنے گی۔ چلتے قدم رک گئے تھے۔ میں نے خلاؤں میں گھورا۔ میری نگاہوں نے کمرے کا گوشہ گوشہ چھان مارا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ کمرے میں خنکی کی جو لہر آئی تھی وہ ایک لخت کم ہوگئی۔ دروازے کے کواڑ ہلے اور بند ہوگئے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ کمرے میں کوئی آ کے نکل گیا تھا۔

’’واپس آ جاؤ جوناتھن!‘‘ میں نے بلند آواز سے التجا کی لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا کمرے میں پہلے کا سا کوت تھا۔ معاً یوں لگا جیسے کوئی طاقت مجھے باہر نکلنے کو دھکیل رہی ہو۔ میں نے شاید پیٹھ پر کسی کے ہاتھ کا ہلکا سا اور پیارا سا دھکا بھی محسوس کیا تھا۔

میں کمرے سے نکلی۔ برآمدے کی سیڑھیوں تک گئی تو دیکھا کہ وہاں گلاب کا تازہ پھول پڑا تھا۔ میں نے پھول اٹھالیا اور ذہن پر زور دیا کہ یہ پھول میں نے تو نہیں توڑا تھا۔ میرے سوا یہاں کوئی آتا بھی نہ تھا۔ بچے بھی نہیں تھے۔ پھر یہ پھول کس نے توڑ کر میری راہ میں رکھا؟ میں سمجھ گئی۔ جوناتھن آیا تھا۔ وہی کمرے میں آ کر نکل گیا تھا۔ یہ اسی کی روح تھی جو مجھے پھول دے گئی ہے۔

میں نے پھول کو چوم کر کہا...... ’’شکریہ جوناتھن!‘‘ ......اس کے ساتھ ہی میرے بال یوں ہلے جیسے ہوا کے تیز جھونکے سے اڑے ہوں لیکن ہوا کے اس جھونکے کو میں نے چہرے اور جسم کے کسی اور حصے پر محسوس نہیں کیا تھا۔ میں نے ماتھے پر پڑے بالوں کو اپنے ہاتھ سے پیچھے کیا تو میرا ہاتھ ایک مردانہ ہاتھ سے ٹکرا گیا۔ میں دم بخود ہوگئی۔ انسانی انگلیاں میرے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔ میں نے ریڑھ کی ہڈی میں یخ بستہ لہر محسوس کی۔ میں نے غلطی کی کہ اپنا ہاتھ سر تک لے گئی۔ ورنہ یہ طلسم کچھ دیر اور قائم رہتا میں نے جوں ہی اپنا ہاتھ سر پر رکھا۔ ان غیر مرئی انگلیوں کا لمس ختم ہوگیا۔ میں نے گھوم کے دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں اکیلی تھی۔ تن تنہا!

میں کمرے میں چلی گئی اور وہ رات بھی گذر گئی۔ اس روز کے بعد مجھے بلند آواز سے بولنے کی عادت ہوگئی۔ شاید یہ تنہائی کا اثر تھا کہ میں کچھ سوچتی بھی تھی تو بلند آواز سے سوچتی تھی۔

میں نے دوسرے روز اس میز کو دیکھا۔ جو میں نے اس عورت سے خریدی تھی۔ اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ ایک سو سال پرانی میز ہے۔ جانے مجھے کیوں یقین ہونے لگا کہ یہ میز اسی مکان سے گئی تھی اور اس کا پہلا خریدار جوناتھن تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کا پھیکا پھیکا روغن اتار دوں اور اسے ازسرنو پالش کردوں۔ میں روغن کو چھری سے رگڑنے لگی اور بلند آواز سے کہا...... ’’یہ تمہاری میز تھی جوناتھن! دیکھو میں اسے پھر چمکا دوں گی۔ تم دیکھ رہے ہونا؟ تم نے یہ میرے لئے ہی خریدی تھی نا؟

کمرے میں اسی پر اسرار خفگی کی لہر دوڑ گئی پھر یہ لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔ کواڑ ذرا سے ہلے اور کمرہ پھر معمول پر آ گیا۔ میں نے بلند آواز سے کہا...... ''آ جاؤ جوناتھن! رک نہ جایا کرو۔ تم نے سو سال میرا انتظار کیا ہے۔ میں آئی تو تم چلے گئے......'' میں ہنس پڑی اور پیار بھرے لہجے میں بولی...... ''تم نے میری بلی کو بھی ڈرا کر بھگا دیا ہے۔''

کمرے کی فضا میں بے چینی سی پیدا ہوئی۔ جیسے آندھی کا تند جھونکا گھوم گیا ہو۔ باہر تو ہلکی ہلکی ہوا بھی نہیں چل رہی تھی۔ میں نے کمرے میں ہر سو جھانکا۔ تند جھونکے کے باوجود کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے ساکن تھے۔ میں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر میز کا روغن اتارنے لگی میز کے دو دراز تھے۔ ایک تو کھل گیا لیکن دوسرا نہ کھل سکا۔ بہت مضبوطی سے بند تھا میں نے ٹھونک ٹھوک کر اسے کھول ہی لیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ایک سو سال سے بند ہو۔ اس دراز میں دو پیلے پیلے کاغذوں کے ساتھ کتاب کے سائز کا ایک ڈبہ پڑا تھا۔ میں نے ڈبہ کھولا تو اس میں شادی کی ایک بیش قیمت انگوٹھی اور دو تصویریں تھیں...... ایک تصویر جوناتھن کی تھی اور دوسری میری تھی۔ اپنی تصویر دیکھ کر مجھے ڈر جانا چاہیے تھا لیکن میرے دل میں خوف کی بجائے محبت کا طوفان اٹھ آیا۔

وہ تصویر یقیناً میری تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ لباس ایک سو سال پرانے فیشن کا تھا اور بال بھی اسی دور کے انداز سے بنے ہوئے تھے۔ میں تصویر کو دیکھ رہی تھی کہ میں نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس اور بوجھ محسوس کیا۔ ہاتھ آہستہ آہستہ سرکتا میری گردن تک آ گیا۔ گردن کے گرد بکھرے ہوئے بال پیچھے ہٹ گئے اور وہ ہاتھ میری گردن کو سہلانے لگا۔ انگوٹھی میرے بائیں ہاتھ میں تھی۔ یہ ہاتھ آپ ہی آپ میرے دائیں ہاتھ کی طرف بڑھا۔ دایاں ہاتھ از خود اوپر اٹھ گیا اور بائیں ہاتھ نے میری اپنی کوشش کے باوجود انگوٹھی دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنا دی۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا جوناتھن!'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''یہ میز تمہاری ہے۔''

برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے مسرت سے بھرپور لہجے میں کہا...... ''جوناتھن آ گیا۔''...... میں نے دروازہ کھولا دیکھا ڈاکیہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا کہنے لگا...... ''یہ ایکسپریس لیٹر ہے۔ اس لیے بے وقت آیا ہوں......'' اور وہ خط دے کر چلا گیا۔

مایوسی اور غصے نے مجھے بے حال کر دیا۔ میں نے غصے سے لفافہ کھولا۔ یہ لیری کا خط تھا۔ اس نے لکھا تھا...... ''تمہارے پچھلے دو تین خط اس قدر مہمل اور بے معنی ہیں۔ جیسے تم نے نیند میں لکھے ہوں یا شاید تمہارا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ بعض فقرے ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تم خوابوں کی دنیا میں جی رہی ہو۔ مجھے تمہارے متعلق پریشانی ہونے لگی ہے۔ اس ویرانے سے نکل کر شہر جا کے رہو اور لوگوں میں اٹھو بیٹھو۔ میں چند دنوں تک واپس آ رہا ہوں۔ خط میں نے بے دلی سے پھینک دیا اور آئینہ دیکھا تو دھند سی چھا گئی۔ اس دھند میں سے ایک سایہ سا گزر گیا اور دھند چھٹ گئی۔ میرا عکس پھر نکھر آیا۔ میرے آنسو نکل آئے میں نے رندھیائی ہوئی التجا کی...... ''جوناتھن! سامنے آ جاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایک بار ایک ثانیے کے لیے سامنے آ جاؤ۔''...... کمرے میں مجھے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ دروازے کے کواڑ کھٹکے کمرے میں خنکی کی لہر آئی اور گزر گئی۔ میری مایوسی اور بڑھ گئی۔

میں دوسرے دن باغیچے میں ٹہل رہی تھی کہ میرا دایاں بازو خود ہی ذرا اوپر اٹھا اور ایک ہاتھ نے اسے تھام لیا۔ میں نے چونک کے دیکھا۔ میں اکیلی تھی لیکن میرے دائیں بازو کے ساتھ کسی مرد کا بازو الجھا ہوا تھا پھر میری انگلیاں مردانہ انگلیوں میں الجھ گئیں۔ باغیچے سے ایک کتا گزر رہا تھا۔ وہ رک گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ بڑی زور سے بھونکا اور یوں بدک کر بھاگ گیا جیسے کسی نے اسے پتھر مار دیا ہو مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ساتھ جوناتھن کی روح یا بدروح ٹہل رہی ہے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ بدروحیں کتوں اور بلیوں کو نظر آ جاتی ہیں۔

میں اسی کیفیت میں ٹہلتی رہی۔ میرا جسم سرد ہوتا چلا گیا۔ میں نے کہا ''جوناتھن! مجھے اپنی صورت دکھا دو......'' جواب میں مجھے اس کی دبی دبی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے رک کے دیکھا ہوا ساکن تھی پھر بھی گلاب کا پودا بڑے زور سے ہلا اور ایک پھول ٹہنی سے

نوٹ کر گرا۔ میں نے لپک کر پھول اٹھا لیا۔ جوناتھن کی روح جا چکی تھی۔

اس سے اگلی صبح میں گہری نیند سو رہی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ کسی کی انگلیاں میرے بالوں میں رینگتی میرے گالوں کو مس کرنے لگیں اور ہونٹوں پہ آئیں تو لمس ختم ہو گیا۔ میں اٹھ بیٹھی اور خلا میں گھورنے لگی۔ کمرہ سرد تھا۔ پھر یک لخت پہلے کی طرح گرم ہو گیا۔ حسب معمول دروازے کے کواڑوں کو جنبش ہوئی اور کواڑ ساکن ہو گئے۔

دن کا پچھلا پہر تھا۔ میں نے چائے تیار کی۔ باہر کی فضا میں آندھی کے آثار ابھرنے لگے۔ ہوا تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اس وقت یاد آیا کہ جوناتھن طوفان میں مرا تھا۔ اس پر بجلی گری تھی۔ آج بھی طوفان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں دعائیں کرنے لگی کہ ویسا ہی طوفان آئے جیسے طوفان میں جوناتھن مرا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ طوفان میں آئے گا۔

دروازے پر بڑی زور سے دستک ہوئی۔ میرے دل سے آواز اٹھی...... ''وہ آ گیا۔''

میں نے بھاگ کے دروازہ کھولا تو دل ڈوب گیا میرے سامنے لیری کھڑا تھا۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا...... ''کیوں؟ ڈر گئی؟ میں نے لکھا نہیں تھا کہ میں آ رہا ہوں؟''

میں نے خوشی کا اظہار کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن میں مایوسی کو نہ ہی دبا سکی۔ لیری اندر آیا اور نفرت آلود نگاہوں سے کمرے کی ہر چیز کا جائزہ لگا کر کہنے لگا...... ''حیران ہوں تم اس صدیوں پرانے مکان میں کس طرح رہ رہی ہو۔ فوراً سامان باندھو اور شہر چلو۔'' اس نے میرے جواب اور ردعمل کا انتظار کیے بغیر کہا...... ''اور یہ فرنیچر...... معلوم ہوتا ہے کسی عجائب گھر سے اٹھا لائی ہو...... اس نے میز کو ٹھوکر مار کر کہا...... اس نے میرا ہاتھ پیار سے تھام کر کہا...... ''نینی! تم میری بیوی بننے والی ہو۔ میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔''

مجھے غصہ آ گیا جیسے کوئی اجنبی آدمی مجھے زبردستی اپنی بیوی بنا رہا ہو۔ حالانکہ وہ میرا منگیتر تھا اور مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی میں نے تین برس اس کے انتظار میں گزار دیئے تھے لیکن جوناتھن کی روح یا بدروح نے لیری کو میرے لیے اجنبی بنا دیا تھا۔ میں نے خودسر ہو کے کہا...... ''جو جگہ تمہیں اچھی نہیں لگتی وہ مجھے عزیز ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔''

''میں تمہیں ابھی لے جاؤں گا۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''میں نے جاؤں گی۔'' میں نے فیصلۂ کہا۔ ''تم ابھی چلے جاؤ۔ میں ایک ہفتے بعد آ سکوں گی۔''

ہوتے ہوتے بات بڑھ گئی اور لیری کے لہجے میں خاوندوں کا تحکمانہ انداز ترش ہو گیا وہ کہہ بیٹھا...... ''میں تمہاری مرضی کا پابند نہیں رہ سکتا میں تمہیں شہر لے جاؤں گا۔''

میں نے اس کی منگنی کی انگوٹھی اتاری اور اس کی طرف بڑھا کر کہا...... ''یہ رہی تمہاری آزادی میں تمہیں اپنا پابند نہیں رکھنا چاہتی اپنی انگوٹھی واپس لے لو اور ابھی چلے جاؤ۔''

لیری کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے مجھے حیرت زدہ ہو کے دیکھا۔ اس نے انگوٹھی لینے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا۔ عین اس وقت کمرے میں سردی کی پراسرار لہر دوڑ گئی۔ لیری چونکا اور کمرے میں ہر سو دیکھنے لگا۔ دروازے کے کواڑ کھلے۔ لیری نہ سمجھ سکا کہ یہ سب کیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ جوناتھن کی روح کمرے میں آ گئی ہے۔ اس روح نے میرا حوصلہ بڑھایا۔ میں نے انگوٹھی لیری کی طرف پھینک کر کہا...... ''لیری جاؤ۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ کوئی بندھن نہیں۔''

وہ آخر مرد تھا اپنی توہین برداشت نہ کر سکا۔ اس نے جھک کر انگوٹھی اٹھائی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ لیری نے جرمنی میں تین برس میرے لئے پیسہ پیسہ بچایا اور میرے لیے حسین خواب تخلیق کیے تھے لیکن اس روز مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ جوناتھن کی روح آئی تھی۔ اگر لیری نہ ہوتا تو شاید وہ مجھے نظر آ جاتی۔

میں نے دوسرے ہاتھ کی انگلی کو دیکھا جس میں میں نے جوناتھن کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ میں نے اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ میں تھاما اور آنکھیں بند کر کے کہا...... ''جوناتھن! تمہاری اس انگوٹھی کے ساتھ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر تمہیں اپنا خاوند قبول کرتی ہوں۔''

کمرہ بھونچال کے شدید جھٹکے سے ہل گیا۔ پھر ساکن ہو گیا۔ دروازے کے کواڑوں کو ایک بار پھر جنبش ہوئی۔ باہر کی ہوا اور تند ہو گئی۔ میں نے بلند آواز سے کہا...... ''جوناتھن!

اب آ جاؤ‘‘......اور میں خرماں خراماں سونے والے کمرے میں چلی گئی۔ میں تو اب بدروحوں کے دیس کی مخلوق بنتی جا رہی تھی۔

رات کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ میں دلہن کے روپ میں جوناتھن کا انتظار کر رہی تھی میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کی بیوی بن چکی تھی۔ میرے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے میں اس کے قدموں کی چاپ سننا چاہتی تھی۔ ذرا دیر بعد چاپ سنائی دی لیکن یہ انسانی قدموں کی نہیں بلکہ بارش کی تھی۔ بارش برسنے لگی تھی جو ذرا سی دیر میں تیز ہو گئی میں نے بتی بجھا دی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ جوناتھن کی روح ضرور آئے گی اور اس نے مجھے اپنی بیوی بنا لیا ہے میرے شعور میں یہ حقیقت بالکل نہ آئی کہ میں زندہ ہوں اور وہ مرے ہوئے آدمی کی روح ہے۔

بجلی بڑی زور سے چمکی ساتھ ہی بجلی کے دھماکے نے مکان کو ہلا دیا۔ تند ہواؤں کی چیخیں اور زیادہ بلند اور کرخت ہو گئیں۔ میرا دل مسرت سے اچھلنے لگا کیونکہ جوناتھن ایک سو برس پہلے اسی قسم کے طوفان میں ہلاک ہوا تھا۔ اس پر بجلی گری تھی۔ آج بھی بجلی چمک رہی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ زمانہ ایک سو برس پیچھے چلا گیا ہے یا یہ طوفان ایک سو برس پہلے کا ہے جو جوناتھن کو واپس لا رہا ہے۔

بارش تیز اور آندھی تند تر ہو گئی۔ بجلی رہ رہ کر چمکنے اور کڑکنے لگی۔ مکان سیلابی دریا میں بہتی کشتی کی طرح ڈول رہا تھا۔ میں نے چلا کر کہا...... ’’جوناتھن! آ جاؤ‘‘......میری پکار کے جواب میں بجلی اس قدر شدت سے کڑکی کہ میں نے چیخ مار کر ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ اندھیرا کمرہ بجلی کی چمک سے روشن ہوا اور پھر اندھیرا ہو گیا۔ بجلی کے اس دھماکے نے مکان کو بنیادوں تک ہلا ڈالا اور مجھے کچھ ایسی تڑاخ تڑاخ کی دبی دبی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کہیں آگ لگی ہوئی ہو اور لکڑیاں جل رہی ہوں۔

طوفان قیامت خیز ہوتا گیا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ اندھیرے میں یوں محسوس ہوا جیسے کمرہ دھوئیں سے بھر رہا ہوں۔ میں نے لپک کر بتی کا بٹن دبایا لیکن روشنی نہ ہوئی۔ بجلی کی رو کٹ چکی تھی۔ میں دوسرے کمرے میں آئی تو اس کمرے کو دھوئیں سے بھرا ہوا پایا۔ قریب ہی

کہیں برآمدے یا کسی کمرے میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت میں حقیقت کی طرف لوٹنے لگی لیکن کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے اتنے میں مجھے کھڑکیوں کے باہر شعلوں کے بھوت ناچتے نظر آئے میں کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ مکان بڑی زور سے ہلا اور بھیانک گڑگڑ کی آواز سنائی دی۔ جیسے مکان کا کوئی حصہ گر پڑا ہو شعلے اور زیادہ بلند ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بارش یک لخت تھم گئی مگر ہوا نہ تھی۔

میں سیڑھیوں کی طرف بھاگی تو معلوم ہوا کہ میں شعلوں میں گھر گئی ہوں۔ میں بالائی منزل میں تھی۔ نکلنے کی اور کوئی راہ نہیں تھی۔ ہوا کی تندی شعلوں کو تیزی سے پھیلا رہی تھی۔ پھر یوں بھیانک آواز آئی جیسے زمین و آسمان تہہ و بالا ہو گئے ہوں۔ شعلے لپکتے رہے اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا چلا گیا۔ شاید میں گر پڑی تھی اور چھت کا کچھ حصہ بھی مجھ پر گرا تھا۔ بے ہوش ہوتے ہوتے مجھے کسی کی مانوس آواز سنائی دی...... ’’نینی! حوصلہ کرو۔ میں آ گیا ہوں۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا......‘‘ کوئی مجھے اٹھا رہا تھا پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔

ہوش آیا تو سب سے پہلے جس پر نظر پڑی وہ لیری تھا۔ وہ میرے سرہانے بیٹھا تھا اور میں ہسپتال میں پڑی تھی۔ میرے دونوں بازو پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ماتھے پر ٹھنڈی پٹی رکھی تھی۔ جسم کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔ لیری کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پھر بھی جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس نے بتایا کہ جب طوفان شدید ہو گیا تو وہ اس خیال سے شہر سے میرے مکان کی طرف بھاگ اٹھا کہ میں اس قیامت خیز طوفان میں ڈر رہی ہوں گی۔ جب وہ مکان سے ایک آدھ میل دور ہی تھا تو مکان کے ایک حصے پر بجلی گری۔ باورچی خانے میں مٹی کے تیل کا کنستر پڑا ہو گا جو جل اٹھا۔ قریب لکڑی کا زینہ تھا اس نے آگ پکڑ لی۔ ہوا کی تیزی کی وجہ سے آگ بہت تیزی سے پھیل گئی۔

جب لیری مکان تک پہنچا میرے پڑوسی بھی پہنچ چکے تھے آدھا مکان ان کے سامنے گرا۔ وہ آدمی جن میں لیری بھی تھا؟ پچھواڑے سے سیڑھی لگا کر اوپر پہنچے اور کھڑکی سے کود کر اندر گئے۔ لیری نے مجھے بے ہوش پڑا دیکھ لیا اور اٹھا لیا۔ سب نے بڑی مشکل سے مجھے

جلتے مکان سے نکالا۔

چند دنوں بعد میرے زخم ٹھیک ہو گئے۔ کچھ دنوں تک دماغ بے ٹھکانہ رہا اور دل پریشان میں نے جوناتھن کی روح کے راز کو سینے میں دفن کر کے لیری سے شادی کر لی مگر ذہنی حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر ایک روز میں نے لیری کو ساری بات بتا دی۔ وہ مجھے نفسیات کے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے بچپن سے لے کر مکان جلنے تک کے حالات پوچھے پھر کئی روز طرح طرح کے سوالوں سے مجھے پریشان رکھا۔ آخر اس نے تشخیص کی کہ یہ اعصاب زدگی ہے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں تین برس لیری کے انتظار میں بیقرار اور تنہا رہی۔ دوسرے یہ کہ خالہ نے مجھے خاموشی پسند بنائے رکھا اور مجھے کتابوں کی دنیا میں قید کر دیا۔ تیسرے یہ کہ میں قدیم زمانے کے واقعات اور کہانیاں زیادہ پڑھتی رہی۔ ان وجوہات اور خارجی اثرات کی بناء پر میری ذہنی کیفیت میں ایسا خلا پیدا ہو گیا جسے جوناتھن کی ایک سو سال پرانی کہانی نے محسوس واقعہ کی صورت میں پورا کر دیا۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں تین برس کی عمر میں ماں باپ کی محبت اور شفقت سے محروم ہو گئی تھی۔ نتیجۃً ایک سو سال پہلے کا مرا ہوا جوناتھن میرے مرے ہوئے ماں باپ کی علامت بن گیا۔

اس ڈاکٹر نے مجھے قائل کر لیا کہ اس مکان میں کوئی بدروح نہیں تھی نہ روحیں واپس آیا کرتی ہیں۔ یہ محض اعصاب زدگی، لاشعور کی افراتفری اور جذباتی گھٹن کا کرشمہ تھا۔

میں نے ڈاکٹر کی تشخیص کو تسلیم کر لیا ہے لیکن لیری کو دیکھتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ لیری نہیں جوناتھن ہے جو ایک سو برس بعد واپس آ گیا ہے۔

جوناتھن کا ایک صدی پرانا مکان جل کر راکھ ہو چکا ہے۔ وہاں اب جلے ہوئے کھنڈر ہیں۔ میں اب بھی کبھی نفسیات اور توہمات کے درمیان بھٹک جاتی ہوں۔ لیکن لیری کی محبت مجھے سنبھال لیتی ہے جوناتھن کو اس کی منگیتر دھوکا دے گئی تھی۔ میں لیری کو دھوکا نہیں دوں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سو سال بعد اس کی روح بھی ویرانوں میں بھٹکتی پھرے۔ (۱۵)

اماوس کا آسیب

پولیس ملازمت کے دوران مجھے کئی بار روزمرہ زندگی سے ہٹ کر ایسے مشاہدات کرنے کے مواقع ملے جو میرے لیے حیران کن ثابت ہوئے۔ میں بنیادی طور پر آسیب یا جن وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا اگر کوئی ایسا واقعہ سننے یا دیکھنے میں آئے تو اس کی توجیہہ سائنسی انداز میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ جس بات کو ہم مافوق الفطرت سمجھتے ہیں اسے ہم علم یا تحقیق کی کمی کے باعث سمجھ نہیں پاتے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے میں لاہور میں اندرون شہر ایک تھانے میں بطور ایس ایچ او تعینات ہوا اور ابھی علاقے اور لوگوں سے واقفیت حاصل کر رہا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے میں اپنے دفتر میں بیٹھا زیر تفتیش مقدمات کا مطالعہ کر رہا تھا کہ محرر بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور کہنے لگا ”جناب! وائرلیس کنٹرول سے اطلاع ملی ہے کہ محلّہ شریف پورہ میں ایک عورت نے خودکشی کی کوشش کرتے ہوئے اپنے آپ کو ریوالور سے گولیاں مار لی ہیں۔“

میں نے فوراً نوٹ بک اٹھائی، ٹوپی سر پر رکھی اور متعلقہ عملے سمیت سرکاری گاڑی پر محلّہ شریف پورہ روانہ ہو گیا۔ گاڑی ہمیں سڑک پر کھڑی کرنی پڑی کیونکہ مطلوبہ گھر تنگ گلیوں میں تھا۔ پرپیچ گلیوں میں سے گزرتا ہوا میں اپنے عملے کے ہمراہ اپنی منزل تک پہنچا تو وہاں محلے داروں کا ہجوم تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اختر علی کی بیوی نازیہ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے اور اہل محلّہ اسے سرکاری ہسپتال لے گئے ہیں۔

اس وقت تک ایک گولی کے بجائے کئی گولیاں کا لفظ میرے ذہن میں سوالات پیدا کر چکا تھا۔ کم از کم میرے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ خودکشی یا اقدام خودکشی کرتے ہوئے کسی نے اپنے آپ کو ایک گولی کے بجائے کئی گولیاں مار لی ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مضروبہ کے پیچھے ہسپتال جانے سے پہلے جائے حادثہ دیکھ لوں۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس دوران گھر والے یا

محلّہ کے لوگ اہم ثبوت ضائع کر دیں گے۔ میں نے سب سے پہلے وہ کمرا دیکھا جہاں مبینہ طور پر نازیہ نے خود کو گولیاں ماری تھیں۔ یہ نچلے متوسط طبقے کا گھر تھا، اس کمرے میں (کچھ خواتین جمع تھیں) جو دیکھنے میں خواب گاہ لگتا تھا۔ میں نے ایک معمر خاتون سے دریافت کیا ”گھر کے مرد کہاں ہیں؟“

وہ کہنے لگی ”میرا خاوند اور بیٹا اختر علی دونوں صبح سے اپنی دکان پر گئے ہوئے ہیں۔“

میں نے پوچھا ”وہ ریوالور کدھر ہے، جس سے نازیہ نے خود کو گولیاں ماریں؟“

اس خاتون نے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے بستر پر پڑا ہے۔ میں نے دریافت کیا ”واقعہ کے بعد کسی نے اسے ہاتھ تو نہیں لگایا؟“

وہی خاتون بولی ”یہ میرے بیٹے اختر علی کا لائسنسی ریوالور ہے الماری میں رکھا ہوتا تھا۔ آج جب نازیہ پر پھر دورہ پڑا تو اس نے الماری سے نکال کر خود کو گولیاں ماریں، تب سے کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔“

میں نے رومال سے ریوالور پکڑ کر اس کی نالی سونگھی بارود کی تازہ بو آ رہی تھی۔ چیمبر دیکھا، چھ میں سے تین گولیاں چلی ہوئی تھیں۔ میں نے ریوالور قبضے میں لے لیا۔ بستر پر خون کے نشانات موجود تھے، میں نے احتیاطاً چادر کا خون آلود حصہ کاٹ کر اٹھا لیا۔ کمرے میں بغور دیکھا، کوئی اور قابل ذکر چیز نظر نہیں آئی۔ اس ابتدائی تفتیش کے بعد میں باہر نکل آیا۔ اب ہماری اگلی منزل ہسپتال تھی۔ وہاں نازیہ انتہائی نگہداشت کمرے (آئی سی یو) میں زیر علاج تھی۔ میں نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے پوچھا ”مضروبہ کی حالت کیسی ہے؟ آیا وہ بیان دینے کے قابل ہے یا نہیں؟“

ڈاکٹر نے بتایا ”مضروبہ نے اپنے پیٹ میں تین گولیاں ماری ہیں۔ اس کی حالت کافی خراب ہے لیکن بچنے کے امکانات روشن ہیں۔ تاہم وہ ابھی تک بے ہوش ہے اور بیان دینے کے قابل نہیں۔“

ڈاکٹر کا بیان حاصل کر کے میں واپس تھانے چلا آیا۔

دوسرے دن بھی نازیہ پوری طرح ہوش میں نہیں آئی تھی۔ تیسرے دن ہسپتال معلوم کیا تو پتا چلا نازیہ کو اس کے گھر والے لے گئے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اتنی جلد وہ گھر واپس جانے کے قابل کیسے ہو گئی؟ اس پر ڈاکٹر نے بتایا ”مضروبہ اور اس کے گھر والوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ اب وہ ٹھیک ہے، مزید علاج وہ گھر پر ہی کروائیں گے۔ ہم زبردستی کسی مریض کو ہسپتال میں نہیں روک سکتے۔“

ہسپتال سے میں سیدھا مضروبہ کے گھر پہنچا۔ اس کا شوہر بھی گھر پر موجود تھا۔ نازیہ کی عمر تقریباً ستائیس اٹھائیس سال تھی۔ چہرے پر نقاہت طاری تھی۔ شکل و صورت سے اسے بلاشبہ حسین عورت کہا جا سکتا تھا۔ میں اور سب انسپکٹر محمد اسلم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے نازیہ سے پوچھا ”بی بی! کیا آپ اپنا بیان ریکارڈ کروانے کی حالت میں ہیں؟“

اس نے جواب دیا ”جی ہاں، آپ لکھنا شروع کیجئے۔“ اس نے پھر بتانا شروع کیا

”میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ والد درزی تھے۔ میٹرک تک پڑھی، اس کے بعد گھر پر سینا پرونا کرنے لگی۔ اس وقت تک میں عام سی لڑکی تھی اور مجھے کسی قسم کا کوئی ذہنی یا جسمانی عارضہ لاحق نہیں تھا لیکن خدائے شکل و صورت ایسی دی تھی کہ دیکھ کر راہ چلتے لوگ رک جاتے۔ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ برکت درزی کے گھر خدا نے حور پیدا کر دی ہے۔ میرے گھر کا ماحول شریفانہ تھا اور پردے کی پابندی تھی۔ پھر بھی محلے کی تمام عورتیں میرے حسن کے متعلق باتیں کرتی تھیں۔ میں خود بھی کئی کئی گھنٹے آئینے کے سامنے کھڑی اپنے آپ کو تکتی رہتی۔

”ایک دفعہ سردیوں میں نہانے کے بعد بال سکھانے چھت پر گئی۔ دھوپ میں بیٹھی تھی کہ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے پورے جسم پر قبضہ کر لیا ہو، میں ہل جل بھی نہیں سکتی تھی۔ بیہوشی جیسی یہ کیفیت کئی منٹ رہی۔ اس کے بعد ہوش آیا تو چارپائی پر پڑی تھی۔ گھر والے آس پاس کھڑے تھے۔ پوچھنے لگے تمہیں کیا ہوا تھا؟ لیکن مجھے خود سمجھ نہیں آئی کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ ہم سب نے اسے اتفاقیہ واقعہ سمجھ کر بھلا دیا۔ پورے ایک مہینے

بعد پھر مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی، ہاتھ پاؤں اکڑ گئے اور میں بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ کچھ لوگوں نے اسے ہسٹریا کہا۔ کچھ نے کہا کہ لڑکی کو آسیب ہوگیا ہے۔ بڑی بوڑھیوں نے میرے ماں باپ کو مشورہ دیا کہ لڑکی کی شادی کردو ٹھیک ہوجائے گی۔

''اس کے بعد پھوپھی زاد اختر علی کے ساتھ ہنگامی بنیاد پر میری شادی کردی گئی۔ اختر نے شادی کے بعد ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔ لیکن مہینے میں ایک دفعہ مجھے دورہ ضرور پڑتا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ دورہ ہمیشہ اماوس کی رات پڑتا ہے۔ میرے شوہر نے میرا ہر طرح کا علاج کروایا اور تعویذ دھاگے سے بھی مدد لی۔ کسی پیر نے بتایا کہ سمندر پر لے جاکر سر کے سارے بال منڈواؤ اور انہیں سمندر کی لہروں کی نذر کردو، آسیب کا اثر ختم ہوجائے گا۔ لیکن تمام ٹونے ٹوٹکے بے اثر رہے۔ ایک دفعہ تو دورے کے دوران نے سخت گرم توے پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے ہتھیلیاں جل گئیں لیکن مجھے ذرہ بھر تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ میری ساس نے جلنے کی بو پر بھاگ کر میرے ہاتھ توے سے جدا کیے۔'' یہ کہہ کر نازیہ نے اپنی ہتھیلیاں دکھائیں۔ جلنے کے زخم تو بھر چکے تھے لیکن جلد اپنی شکل تبدیل کرچکی تھی۔

تازہ واقعہ کے متعلق نازیہ نے بتایا ''مجھے کچھ پتا نہیں کہ میں نے کب الماری سے ریوالور نکال اور خود کو گولیاں مارلیں۔''

میں نے نازیہ پر جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا ''آپ کو کسی اور نے تو گولیاں نہیں ماریں؟ آپ کے اپنے خاوند سے تعلقات کیسے ہیں؟ کہیں آپ اپنے خاوند کو بچانے کے لئے تو یہ نہیں کہہ رہیں کہ گولیاں آپ نے خود ماری ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نے خود کو تین گولیاں مارلیں؟''

میرے تابڑتوڑ سوالات جاری تھے، ساتھ ہی میں اس کی آنکھوں کی حرکات نوٹ کرتا رہا۔ یہ میرا پیشہ ورانہ رویہ ہے کہ ملزم، مدعی یا گواہ سے تفتیش کے دوران اس کی آنکھوں اور جسمانی حرکات سکنات پر خصوصی توجہ مرتکز رکھتا ہوں۔ اچانک مجھے نازیہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اٹدتی محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی لگا جیسے اس کی نظریں بدل گئی ہیں اور اب اس

کے بجائے کوئی اور شخص میرے سامنے بیٹھا ہے۔

وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی، میرے دیکھتے ہی دیکھتے اچانک جھٹکا لے کر کسی تختے کے مانند کھڑی ہوگئی۔ اب اس کی آواز بھی بدل گئی۔ پہلے وہ بڑے شائستہ لہجے میں بات کررہی تھی، اب اس نے انتہائی کرخت اور اکھڑے لہجے میں مجھ سے پوچھا ''ایس ایچ او صاحب! آپ کی تفتیش ختم ہوتی ہے کہ نہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ گولیاں میں نے خود ماری ہیں تو پھر آپ کو اس سے کیا؟''

یہ امر میرے لیے حیران کن تھا کہ ایک عورت جس کے پیٹ کی صرف تین دن پہلے سرجری ہوئی ہے، وہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اچانک اس کا طرز تکلم زنانہ سے مردانہ ہوگیا۔ میں نے سب انسپکٹر چودھری اسلم کی طرف دیکھا، اس کا رنگ زرد پڑچکا تھا لیکن گھر والے اس صورت حال سے خوف زدہ نہیں تھے۔ اس کے شوہر اختر علی نے کہا ''باباجی آگئے ہیں۔ سب کلام مجید کا ورد شروع کردوں۔''

یہ سن کر سب لوگ زیرلب کچھ پڑھنے لگے۔ ادھر میں اور ''باباجی'' ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ سب انسپکٹر محمد اسلم نے میرے کان میں کہا ''جناب! یہاں سے بھاگ چلیں، یہ تو جنات کا معاملہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جنوں کو تنگ کیا جائے تو وہ اصل انسان کو چھوڑ کر دوسرے کو چمٹ جاتے ہیں۔

اس عورت نے میرے نائب کے یہ جملے سنے تو قہقہے لگانے لگی، ان قہقہوں کی آواز میں آج تک نہیں بھول سکا۔ وہ عجیب پراسرار سے اور خوف پیدا کرنے والے قہقہے تھے۔ اب ہم دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کیا کہ تفتیش مکمل ہوچکی لہٰذا یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ ہم وہاں سے اٹھے۔ نازیہ کا خاوند ہمیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔ کہنے لگا ''اگر مزید پوچھ گچھ کرنی ہو، تو جب جی چاہے آئیں، یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔''

میں سیدھا تھانے پہنچا اور تفتیش کی روداد روزنامچے میں لکھی۔ اگلے دن طبی معائنے کی رپورٹ موصول ہوگئی۔ اس کے مطابق پستول پیٹ کے اوپر رکھ کر فائر کیے گئے تھے۔ گولیوں

کے زخموں کے زاویے سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ مضروبہ نے خود اپنے آپ کو زخمی کیا ہے، کسی اور نے نہیں۔

میری تفتیش مکمل ہو چکی تھی، یہی کہ مضروبہ نے جنون کے عالم میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر خود کو گولیاں مار لیں، اس کی نیت خودکشی کرنے کی نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے سب انسپکٹر کو بلا کر چھیڑا، چودھری صاحب! آؤ ذرا مضروبہ کا بیان تو جا کر مکمل کر لیں۔"

یہ سن کر محمد اسلم کا رنگ دربارہ پیلا پڑ گیا، بولا "جناب! ڈاکوؤں اور لٹیروں کی گرفتاری کے لئے ساتھ لے چلیں، اشتہاریوں کی گرفتاری کے سلسلے میں پولیس مقابلہ کرنے کو تیار ہوں لیکن خدارا اس آسیب زدہ گھر میں مجھے مت بھیجیں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آسیب اسے چھوڑ کر مجھے پکڑ لے گا۔"

میں نے قہقہہ لگا کر تفتیش کی مفصل رپورٹ اس کے آگے رکھ دی اور بتایا کہ یہ مقدمہ داخل دفتر کیا جا رہا ہے۔ اس طرح خودکشی کا مقدمہ تو حل ہو گیا لیکن میں آج تک اس واقعے کو نہیں بھلا سکا اور نہ ہی یہ سمجھ میں آیا کہ اگر اس عورت پر آسیب نہیں تھا، تو پھر اس کے ناقابل فہم رویئے کے پیچھے محرکات کیا تھے؟ فطرت کے ایسے کئی بستہ راز ہیں جنہیں ہم ابھی تک سمجھ نہیں سکے۔ (۱۶)

* * *

جن وانس کی دوستی کی حیرت انگیز داستان

سمن آباد لاہور سے محترمہ فوزیہ مفتی اپنے مرحوم والد کی اثر آفریں یادیں بیان کرتی ہیں

یہ بات تو ایک اٹل حقیقت ہے کہ جن بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر جنوں کا ذکر آیا ہے۔ مثال کے طور پر!

﴿ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ﴾

ترجمہ: "اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ (القرآن)

اسی طرح 29 ویں پارے میں ایک پوری سورت "سورۃ جن" ان کے بارے میں موجود ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل کے ساتھ جنوں کے بارے میں باتیں بیان کی ہیں۔ عام طور پر جنوں کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن پاک ان تمام باتوں کی تردید کرتا ہے۔ بے شک جنوں کو ایک حد تک طاقت دی گئی ہے۔ وہ عالم بالا تک جا سکتے ہیں لیکن اس سے آگے نہیں۔ وہ اپنی شکل وصورت کو بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جن غیب کی باتوں کا علم رکھتے ہیں۔ قرآن پاک کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس بات میں کوئی وزن نہیں ہیں۔ وہ دنیا کے آسمان تک جاتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے راز معلوم کر سکیں۔ وہاں پر فرشتے شہاب ثاقب ان کو مارتے ہیں اور وہ ڈر کر بھاگ آتے ہیں۔

جنوں کا مادہ تخلیق بھی انسانوں سے مختلف ہے۔ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جن آگ سے۔ اس کے علاوہ جنوں کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ انسان کو قابو کر سکتے ہیں۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم کی بدولت یہ اختیار دیا ہے۔ ابلیس اور اس کے

ساتھ شیاطین جن انسانوں کو راہ راست سے ہٹانے کی ضرور کوشش کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ برائی کو خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ زبردستی وہ انسان کو کسی راہ پر نہیں ڈال سکتے بلکہ اس کا مکمل اختیار انسان کے پاس ہے کہ وہ بھلائی کا رستہ اپناتا ہے یا برائی کا۔

جس طرح روز محشر اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کے اعمال سے متعلق پرسش فرمائے گا۔ اسی طرح جنوں سے بھی ان کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ وہ بھی جنت اور دوزخ میں اپنے اعمال کی بنیاد پر ڈالے جائیں گے۔

اپنے موضوع سے ہٹ کر جنوں کے متعلق جو تھوڑی سی تفصیل بیان کی ہے اس کا مقصد جنوں سے متعلق تصور کو واضح کرنا ہے۔ اس کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ مطالعہ کریں تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' بہترین تفسیر ہے۔ بہت ہی عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم کاوش پر انہیں جزائے عظیم عطا کرے۔ آمین ثم آمین

اپنے اس مضمون میں انسان اور جن کی دوستی کی جو باتیں میں آپ کو بتا رہی ہوں، وہ سو فیصد صحیح ہیں۔ اس میں کوئی بھی مبالغہ آرائی اور جھوٹ شامل نہیں ہے۔

جن اور انسان کی دوستی کی تصدیق تو قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ جن حضرت سلیمانؑ کے مطیع تھے۔ ان کے ہر حکم کے پابند تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بھی جنوں کے بہت سے گروہ آتے تھے اور اسلام کی تبلیغ کے لئے بھی لے جاتے تھے۔

جن عالم بالا میں جو سن گن لینے جاتے ہیں، وہ اس لئے کہ انہیں کوئی راز معلوم ہو تو وہ اپنے انسان دوستوں کو بتا دیں کہ زمین پر ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔ لیکن سخت پہرے اور شہاب ثاقب کی بارش کی وجہ سے وہاں سے بھاگ آتے ہیں اور سن گن لے نہیں پاتے۔

اپنے اصل عنوان سے پھر تھوڑا سا ہٹ گئی ہوں۔ چلئے اب اس طرف آتے ہیں۔

ہمارا جدی پشتی گھر بھاٹی میں تھا۔ میرے ابو جان اور ان کے تمام بھائیوں کی پیدائش وہیں پر ہوئی۔ اسی گھر میں سب پل بڑھ کر جوان ہوئے اور شادیاں بھی وہیں ہوئیں۔ پھر جیسے جیسے ضرورت بڑھتی گئی سب اپنے علیحدہ گھر بناتے گئے اور شفٹ ہوتے گئے۔ ہمارے والدین پہلے سمن آباد شفٹ ہوئے۔ وہاں پر کئی سال رہنے کے بعد پھر ٹاؤن شپ شفٹ ہو گئے۔ اب مستقلاً وہیں پر سکونت ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں نے یہیں ہوش سنبھالا، تعلیم مکمل کی اور اسی گھر میں ہماری شادیاں بھی ہوئیں۔ ابا جی کی بھاٹی میں دکان تھی۔ وہاں پر وہ روز جایا کرتے تھے۔

ہم لوگ اکثر محسوس کرتے تھے کہ ایک دم سارے گھر میں خوشبو پھیل گئی ہے۔ یا کبھی آدھی رات کو دروازہ زور سے کھٹکتا تھا۔ اسی طرح کے اور کئی واقعات، اکثر ہو جاتے تھے لیکن پھر نظر انداز کر دیئے جاتے تھے۔ ایک دن بھابھی ابا جان کے لئے ناشتہ بنا کر لائیں تو فرائی گرما گرم انڈہ پلیٹ سمیت غائب ہو گیا۔ بڑا ڈھونڈا لیکن کہیں نہ ملا۔ اگلے دن گرما گرم انڈا پلیٹ میں اسی جگہ موجود تھا جہاں سے غائب ہوا تھا۔ سب بڑے حیران ہوئے۔ کہنے لگے کہ یہ عبدالرحمٰن کی کارستانی ہے۔ پھر پہلی بار انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک جن دوست ہے جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ وہ مسلمان اور نیک جن ہے۔ ان کی یہ دوستی بچپن سے ہی ہے۔ جب وہ بھاٹی والے مکان میں رہا کرتے تھے۔ ہم بہت شوق سے ابا جی سے اس کی باتیں سنا کرتے۔ عبدالرحمٰن بہت باقاعدگی سے ابا جی سے ملنے آتا تھا۔ وہ انسانی شکل میں ہوتا تھا۔ سفید داڑھی اور سفید شلوار قمیص پہنی ہوتی تھی۔

دونوں میں بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ صرف سلام دعا ہوتی تھی۔ ایک دن ابا جی کہنے لگے کہ آج عبدالرحمٰن ساری رات میرے پاس بیٹھا قرآن پاک پڑھتا رہا اور صبح چلا گیا کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ رات کو ابا جی کے پاس سو جاتا تھا۔

ابا جی شروع سے ہی بڑے کم گو تھے۔ جھوٹ بولتے تھے نہ ہی کسی کی غیبت کرتے تھے۔ اپنے بچوں سے بھی بہت کم بات کرتے تھے۔ ہم لوگ اکثر کہتے کہ ابا جی آپ

عبدالرحمٰن سے باتیں کیوں نہیں کرتے تو ابا جی کہتے تھے کہ ان لوگوں میں غصہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات ناگوار گزرے تو نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں۔

ایک دفعہ ابا جی بھائی سے ٹاؤن شپ سائیکل پر آنے لگے تو عبدالرحمٰن کہنے لگا کہ آپ بیٹھ جائیں میں سائیکل چلاتا ہوں۔ لہٰذا وہ ہوا کے دوش پر سائیکل چلانے لگ گیا۔ جب گھر تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو اسے اتنا غصہ چڑھا کہ اس نے سائیکل سمیت ابا جی کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ ابا جی کو کافی چوٹیں آئیں۔ پھر اٹھے اور خود ہی سائیکل چلا کر گھر آئے۔

عید کے موقع پر اکثر ابا جی کو 100 روپے عیدی دے کر جاتا تھا۔ پچھلے سال 500 عیدی دی تھی۔ عبدالرحمٰن اکثر رات کو ابا جی سے ملنے آتا تھا۔ اگر امی جاگ رہی ہوتی تھیں تو کمرے میں نہیں آتا تھا۔ بلکہ باہر سے ہی لوٹ جاتا تھا۔ ایک رات امی اور ابا جی دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن آیا اور جالی کے دروازے سے جھانک کر دیکھتا رہا اور مسکراتا رہا اور پھر واپس لوٹ گیا۔ امی کو آج تک کبھی احساس نہیں ہوا تھا کہ ابا جی کے علاوہ کوئی اور بھی کمرے میں موجود ہے۔ صبح پھر ابا جی امی کو بتاتے تھے کہ رات کو عبدالرحمٰن آیا تھا۔

پچھلے سال امی اور ابا جی ڈنمارک بڑے بھائی جان کے پاس گئے ہوئے تھے۔ وہاں پر بھی عبدالرحمٰن باقاعدگی سے ان سے ملنے جاتا تھا۔

اکثر رات کو جب ابا جی سو گئے ہوتے تھے تو عبدالرحمٰن آ کر ان کے پاس بستر پر بیٹھ جاتا۔ ابا جی کی آنکھیں کھل جاتی تھی۔ پھر دونوں کی سلام دعا ہوتی، تھوڑی دیر بیٹھتا اور پھر چلا جاتا۔

ہم لوگ اکثر ابا جی سے فرمائش کر کے اس کی باتیں سنتے تھے۔

2 جولائی 2001ء کو ابا جی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رات کو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ کھانا کھایا۔ پوتے عاقب اور پوتی کائنات کے ساتھ کھیلتے رہے۔ عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد دکان پر چلے جاتے تھے۔ سب نے سمجھا کہ شاید الیکشن کی وجہ سے چھٹی کی ہے۔ اس لئے صبح تک سو رہے ہیں۔ 8 بجے بھابھی نے ناشتہ بنایا

اور ابا جی کو جگانے گئیں۔ ابا جی اٹھیں ناشتہ کر لیں۔ ابا جی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کروٹ کے بل سکون سے ابدی نیند سوئے ہوئے تھے۔ ﴿انا الله وانا الیه راجعون﴾

سب لوگ بہت رشک کر رہے تھے کہ کتنی نیک موت ہے۔ سوتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ جاتے جاتے بھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ ابا جی نے زندگی میں اپنی ذات کے حوالے سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ کھانے میں کبھی نقص نہیں نکالتے تھے۔ جو بھی کھانے کے لئے آگے رکھ دیا جاتا چپ چاپ کھا لیتے، جو پہننے کو ملتا چپ کر کے پہن لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کے مراحل بھی بڑی آسانی سے طے کر دیئے۔ 83 سال عمر تھی اور بالکل تندرست و توانا تھے۔ بلڈ پریشر نہ شوگر، کوئی بیماری نہیں تھی۔ روٹین میں اپنی دکان پر جاتے تھے۔ حالانکہ کوئی مالی ذمہ داری نہیں تھی۔ بس ان کی اپنی ایک روٹین تھی۔

ابا جی کی وفات والے دن ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک 10.8 سال کا بچہ آیا ہے۔ چہرے پر بہت پختگی تھی اور شکل سے کچھ غیر معمولی لگ رہا تھا۔ چارپائی سے تقریباً 6.5 فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہے۔ نظر میت پر ہے۔ بس اتنا کہا ”چہرہ دکھا دیں۔“ چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ چہرہ دیکھ کر بہت افسردہ ہوا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد 5.4 دفعہ وہ بچہ آیا۔ ہر بار وہ یہی کہتا تھا کہ ”چہرہ دکھا دیں۔“

آخری بار تو باجی نے اسے ڈانٹا کہ تم کیا بار بار چہرہ دیکھنے آ جاتے ہو جاؤ۔ اب دوبارہ نہ آنا۔

رات کو جب ہم لوگ بیٹھے ابا جی کی باتیں کر رہے تھے تو اس بچے کا ذکر بھی چھڑ گیا۔ میری بھائیوں اور بہنوں سب نے اس بات کی تصدیق کی کہ ہاں، ایک بچہ بار بار چہرہ دیکھنے آتا تھا۔ وہ بالکل انجانی سی شکل تھی۔ رشتے داروں، ہمسایوں میں سے کسی کا بچہ نہیں تھا۔ وہ بار بار کیوں اتنے اشتیاق سے میت کا چہرہ دیکھنے آتا تھا۔ جبکہ گھر کے بچوں نے تو ایک دفعہ بھی شوق سے نہیں کہا کہ ہمیں دادا ابو یا نانا ابو کا چہرہ دیکھنا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے

کہ بچوں کو میت کا چہرہ دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شوق کرے بھی تو ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے۔ ایک اجنبی بچے کا بار بار اس طرح آ کر میت سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر چہرہ دیکھنے پر اصرار کرنا سب کے لئے تعجب اور حیرت کا باعث بن گیا۔ پھر سب نے اپنی متفقہ رائے دی کہ ہو نہ ہو یہ اباجی کا دوست جن عبدالرحمٰن ہی ہو گا کیونکہ وہ آدمی کے روپ میں خواتین میں آ کر چہرہ تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شاید اس کی تسلی نہیں ہو رہی تھی یا اسے بھی ہماری طرح یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا دوست اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اباجی اور عبدالرحمٰن کی دوستی تقریباً 70 یا 75 سال پرانی تھی۔

ظاہر ہے پھر پیار بھی اسی طرح ہی ہوتا تھا۔

ہم لوگوں کا تو یہی خیال ہے کہ عبدالرحمٰن ہی بچے کے روپ میں بار بار آتا تھا۔ سب نے اس کے چہرے کی افسردگی کو محسوس کیا۔ ورنہ ایک انجان اور اجنبی بچے کو کسی کی موت سے کیا واسطہ۔ یہ ہماری ناقص عقل ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ کوبھی بات اس سے پوشیدہ نہیں۔ غیب اور ظاہر سب کا وہی جاننے والا ہے۔

اب تو ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ اباجی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ان کی قبر میں نور کی بارش ہو۔ جتنے بھی مسلمان اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں سب پہ اللہ کی رحمتوں کا سایہ ہو۔ (آمین)

* * *

ماں! تیری یاد آتی ہے

ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اگر اپنی ساری متاع لٹا دیں اور کسی سے التجا کریں کہ وہ ہستی ہمیں لوٹا دے تو دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے لیکن یہ اس سے زیادہ ناممکن بات ہے۔ ماں! جسے منہ سے پکارتے ہوئے دونوں ہونٹ آپس میں گلے مل جاتے ہیں اس سے زیادہ شفقت، محبت اور پیار، خلوص چاہت کا نام ہے۔ ماں کے دم سے دنیا پر رونق لگتی ہے۔ ماں ہی کے دم سے گھر جنت لگا کرتے ہیں۔ ماں کی قدر و قیمت اس ویران دل سے پوچھو جس سے اسکے بچپن میں ہی یہ نعمت چھین لی گئی ہو۔ ماں کتنی عظیم ہستی ہے جس کو پکارنے کے ساتھ دل محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

میری ماں بھی ایک ایسا ہیرا، انمول موتی، انمول خزانہ تھی جو ہمارے بچپن میں ہی ہمیں یہ شعور آنے سے پہلے کہ ماں کا کیا مقام ہوتا ہے، ہم سے ہمیشہ کیلئے روٹھ وہاں جا بیٹھی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ وہ ایک ایسی جنت تھی جس کے دم سے گھر جنت ہی لگا کرتا تھا۔ کاش موت کا بے رحم پنجہ ان کو کچھ مہلت دیتا تو اس پیاری جنت کی خدمت کی بدولت ابدی جنت حاصل کر لیتے لیکن شاید ہمارے رب کو یہ منظور نہیں تھا۔ میری پیاری امی جان گیارہ سال قبل اس جہاں فانی سے کوچ کر گئیں اور جنہیں آج بھی دنیا یاد کرتی ہے۔ ان کی سخاوت اور فیاضی کے چرچے کرتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اب بھی جب کوئی مانگنے والی آتی ہیں تو یہ ضرور کہتی ہے کہ اسی عورت کا گھر ہے جس نے ہمیں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹایا تھا وہ اتنی رحمدل تھیں کہ کسی بے کس کو دیکھتیں تو ضرور مدد کرتیں کبھی کسی ضرورت مند کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا تھا وہ بہت مضبوط عقیدے والی اور ہر حال میں اللہ سے مدد مانگنے والی اور اللہ پر یقین کرنے والی صابر و شاکر خاتون تھیں۔ دین کے پرچار کا اس قدر شوق رکھتی تھیں کہ محلے میں جہاں کہیں بھی اجتماع ہوتا ساری عورتوں کو گھروں

سے جا کر اکٹھا کرتیں اور اجتماع گاہ میں ساتھ لے کر جاتیں تھیں۔ بے شک انہوں نے کسی مدرسے، کسی سکول، کسی کالج سے تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ انکا اخلاق ہمارے نبیؐ کے اخلاق سے بہت قریب تھا۔ ہر ایک کو مسکراتے چہرے سے ملتیں اسی لئے تو جو ایک دفعہ مل کر جاتا ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا، پھر بار بار ملنے آتا۔ چاہے کسی سے پہلی دفعہ ملتیں ایسے لگتا جیسے صدیوں سے جان پہچان ہو۔ ہمیشہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتیں۔ کوئی قرض لینے آتا اگر اپنے پاس نہ بھی ہوتا تو کسی سے لے کر دے دیتیں ان کو بہت شوق تھا کہ ان کی اولاد علم دین سے آراستہ ہو اور اس کی روشنی دوسروں تک پہنچائے اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی اولادیں ان کے لئے صدقہ جاریہ بن رہی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی اولاد کی پرورش دین کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔ کوئی ان سے ناراض ہو جاتا تو راضی ہونے کیلئے تڑپتی رہتیں۔ راضی ہونے میں خود پہل کرتیں کبھی کسی کی طرف سے دل میں میل نہ رکھا ایک دفعہ چچا جان کی ہم سے کسی وجہ سے ناراضگی ہو گئی۔ ان کا بہت دل دکھا کہ کسی طرح راضی ہو جائیں۔ موقع کی تلاش میں رہتیں پھر موقع ملنے پر ان کے گھر جا پہنچیں۔ مجھے بھی ساتھ لے گئیں حالانکہ وہ ناراض تھے لیکن ایسے ملیں جیسے ہمارے درمیان ناراضگی والی کوئی بات کبھی نہ ہوئی ہو اور وہ بھی پھر اس وقت راضی ہو گئے۔ اپنی اولاد کو ہمیشہ دعاؤں اور نصیحتوں سے نوازا جو آج بھی ان کے ہم قدم ہیں۔ میری ماں جب کبھی کسی محفل میں جاتیں تو دوسروں کے دلوں میں اپنی جگہ اپنا مقام بنا کر لوٹتیں۔ بس وہ ایک ایسی ہستی اور پھول تھیں جو ہمیشہ مہکتا رہتا ہے اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین! (۱۷)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مرنے کے بعد بھی!

میں بھوتوں اور بدروحوں کا تو قائل ہوں لیکن کبھی تسلیم نہیں کیا تھا کہ بھوت اور بدروحیں کسی جیتے جاگتے انسان پر سوار ہو سکتے ہیں اور اس کے مستقبل تک کو اپنے قبضے میں لے سکتے ہیں لیکن جو واقعہ میں بیان کرنے لگا ہوں اس کا میں عینی شاہد ہوں اگر یہ واقعہ کسی کی زبانی سنا ہوتا تو اسے کبھی سچ نہ مانتا۔ لیکن جو کچھ سنانے لگا ہوں بالکل سچ ہے۔

مالٹا کے جزیروں سے تو آپ خوب واقف ہوں گے۔ ساحل سمندر کے کنارے مچھلیاں برآمد کرنے کی ایک یورپی فرم تھی۔ میں تلاش روزگار میں وہاں جا پہنچا۔ مچھلیوں کی تجارت کا ماہر ہونے کی وجہ سے مجھے اس فرم میں اچھی جگہ مل گئی اور رہنے کے لئے اچھا خاصا مکان بھی مل گیا۔ میرے ساتھ ایک دوست بھی رہتا تھا۔ میں ہوٹل کے کھانوں سے بہت گھبراتا ہوں۔ ہوٹلوں سے بچنے کے لئے میں نے باورچی کی تلاش شروع کی تو ایک جواں سال عورت مل گئی۔ دراصل مرد کی ضرورت تھی لیکن میں نے عارضی طور پر اسی عورت کو رکھ لیا۔

وہ ایک خوبصورت تھی۔ اس کی شکل وصورت اور جوانی کو دیکھ کر میں نے اس سے پہلا سوال کیا کہ تم شادی شدہ ہو؟ اس کے ہونٹوں پر دکھی ہوئی سی مسکراہٹ آ گئی۔ دھیمی سی آہ لے کے بولی...... ''میں شادی شدہ ہی تھی......'' وہ چپ ہو گئی جیسے کچھ چھپانا چاہتی ہو تو بات کرتے دل ساتھ نہ دے رہا ہو۔ اس نے نظریں جھکا لیں لیکن یکا یک سر کو جھٹک کر اور میرے چہرے پر نظریں گاڑھ کر بولی...... ''میرا ایک بچہ بھی ہے۔ اب چھ سال کا ہے۔ خاوند مر گیا ہے۔ سمندر میں ڈوب گیا تھا...... پانچ برس گذر گئے ہیں۔ اب میں......'' وہ پھر چپ ہو گئی اور یک لخت گھوم کر کمرے سے نکل گئی۔

اس کے انداز اور چہرے کے تاثرات سے پتہ چلتا تھا کہ اس عورت کی بیوگی کی

داستان عام داستانوں سے مختلف ہے اور کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جسے وہ سینے کی گہرائیوں سے نکالنا نہیں چاہتی۔ مجھے اس عورت کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگئی۔ اس قدر دلکش اور جوان لڑکی کا بیوہ ہو جانا معمولی حادثہ نہیں ہوتا۔ وہ پانچ برس سے بیوہ تھی۔ اسے دوسری شادی کر لینی چاہیے تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے خاوند کو بھول نہیں سکی اور دوسرے خاوند کے تصور کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔

میرا گھر ہر غیر شادی شدہ آدمی کے گھر کی طرح کباڑ خانہ بنا ہوا تھا۔ میلے کپڑے چارپائیوں اور صوفوں پر بکھرے ہوئے تھے ڈرائنگ روم میں کھانے کی میز رکھی تھی۔ سونے کے کمرے میں کرسیاں بکھری پڑی تھیں اور صفائی کا میں نے کبھی خیال نہ کیا تھا، لیکن جس صبح یہ عورت (جس کا نام ریشلی تھا) آئی تو میں اس سے دو چار باتیں کر کے دفتر چلا گیا۔ شام کو واپس آیا تو یوں شک ہوا۔ جیسے میں کسی اور گھر میں آ گھسا ہوں۔ ہر چیز قرینے سے رکھی تھی۔ ہر کمرہ صاف تھا۔ تصویریں جو بے ترتیبی سے انگیٹھی پر پڑی رہتی تھیں۔ ڈرائنگ روم کی دیواروں سے آویزاں تھیں۔ یہ گھر اب کسی کنوارے کا گھر نہیں لگتا تھا۔

میں حسب معمول غسل خانے میں گیا۔ جب نکلا تو ریشلی نے زیر لب کہا...... ‘‘چائے لگادی ہے’’...... میں نے ریشلی کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اسے دیکھ کر میں نے شدت سے محسوس کیا کہ میری عمر کو پہنچ کر مرد کو شادی شدہ ہونا چاہیے اور بیوی ریشلی جیسی ہونی چاہیے۔ ریشلی کے ہونٹوں پر تبسم سا آ گیا۔ میں نے سینکڑوں لڑکیوں کی مسکراہٹیں دیکھی ہیں۔ جذبات سے بھرپور مسکراہٹیں بھی دیکھی ہیں لیکن زدہ مسکراہٹیں اور کاروبار مسکراہٹیں بھی دیکھی ہیں لیکن جو تبسم ریشلی کے دلکش ہونٹوں پر دیکھا اس میں جانے کیا بات تھی کہ میں نے اپنی جذباتی دنیا میں دھچکہ سا محسوس کیا اور مجھ پر خمار سا طاری ہونے لگا جس نے دن بھر کی تکان دور کر دی لیکن میرے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال نہ آیا کیونکہ مجھے خوب احساس تھا کہ وہ بیوہ ہے اور اپنے یتیم بچے کو پالنے کے لیے غیر شادی

مردوں کی نوکری کرنے تک پر آمادہ ہوگئی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے اسے اپنی نوکرانی سمجھنا چھوڑ دیا۔ میں نے دل میں اسے گھر کے فرد کی حیثیت دے دی۔

شام کے کھانے کے وقت ہم دونوں دوست کھانے کے لیے بیٹھے تو مجھے پہلی بار کھانے میں ایک عورت کے سلیقے، خلوص اور پیار کی خوشبو محسوس ہوئی۔ میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے ریشلی سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔ وہ جھجکنے لگی لیکن میرے اصرار پر وہ ایک اور پلیٹ لے آئی اور ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔

میں نے اس کے ساتھ جانے کیا بات شروع کی کہ وہ یک لخت اُٹھ بیٹھی بولی......

‘‘مجھے معاف کر دینا۔ میں ابھی کھانا نہیں کھا سکوں گی۔’’ اور وہ کمرے سے نکل گئی۔ ظاہر ہے کہ کھانے کی تمام لذت ختم ہوگئی۔

دوسرے دن میرے دفتر میں ایک ضعیف آدمی آیا اور آتے ہی بولا...... ‘‘ریشلی آپ کے ہاں ملازم ہوئی ہے؟’’ میں نے ہاں کہی تو اس نے کہا...... ‘‘لیکن وہ زیادہ دنوں تک آپ کے ہاں نہیں رہ سکے گی۔’’

‘‘کیوں؟’’ میں نے چونک کر کہا۔ ‘‘میں تو اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اسے زیادہ تنخواہ دے دوں گا۔’’

‘‘نہیں!’’ بوڑھے نے کہا اور اس کے ضعیف سینے سے آہ نکل گئی۔ سانسوں کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ‘‘اس کا ٹھکانہ ایک ہی ہے لیکن وہاں وہ ٹھہر نہیں سکتی۔ وہ ٹھکانہ اس کے والدین کا گھر ہے۔ اس کا بچہ وہیں رہتا ہے۔ لیکن بچہ بھی وہاں خوش نہیں رہتا۔’’

‘‘آپ ریشلی کی دسری شادی کیوں نہیں کر دیتے؟’’ میں نے پوچھا۔

‘‘کیونکہ وہ آسیب زدہ ہے۔’’ بوڑھے نے کہا۔ ‘‘اس پر اس کے خاوند کی بدروح کا ایسا اثر ہے کہ جب بھی ریشلی کسی کے ساتھ شادی کرنے کی سوچتی ہے، اس کا مکان اور اس آدمی کا مکان بھی جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی ہے زلزلے کے جھٹکے سے ہلنے لگتا ہے

اور بھیانک قسم کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں جیسے چٹان اپنی جگہ سے سرک کر لڑھکتی چلی آ رہی ہو...... ''بوڑھے کے آنسو نکل آئے۔ ہچکی لے کر کہنے لگا۔ ''اسے خاوند سے بہت محبت تھی اور خاوند اس کی پوجا کیا کرتا تھا۔''

میں ہنس پڑا اور کہا۔ ''آپ پرانے زمانے کے بزرگ ہیں اسی لئے آپ ان توہمات کو مان لیتے ہیں۔ بدروح کسی انسان پر قابض نہیں ہو سکتی۔''

میری بات سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ ''میں آپ کو بدروحوں کا قائل کرنے نہیں آیا مجھے کہنا صرف یہ تھا کہ میں اس کا نانا ہوں۔ مجھے اس بچی سے بے پناہ پیار ہے۔ میری پیار کی خاطر آپ اسے نوکرانی نہ سمجھئے گا۔ کوشش کیجئے گا اس کا دل لگا رہے اور......اور......

''وہ جھجک کر کہنے لگا۔ ''آپ جوان ہیں اور شاید غیر شادی شدہ کہیں اس کے ساتھ شادی کی نہ سوچنا لیکن ڈرتا ہوں کہ وہ بھی جوان ہے اور اس قدر خوبصورت کہ آپ......''

میں نے قہقہہ لگایا اور سمجھ گیا کہ ریشلی کے بوڑھے نانا کو کیا فکر لاحق ہے۔ میں نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اسے کہا میرے محترم بزرگ! اتنا پاپی نہیں ہوں۔ میں ایک ہی دن میں سمجھ گیا ہوں کہ ریشلی کا کردار اس کے چہرے مہرے اور جسم جثّے کی طرح حسین اور پاک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے بچے کی خاطر نوکری کرنے پر مجبور ہے۔ میں اس کی مجبوری سے کوئی قابل اعتراض فائدہ اٹھانے کی خاطر کوشش نہیں کروں گا۔''

''وہ تین چار گھروں میں نوکری کر چکی ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''لیکن وہ لوگ آپ سے بہت مختلف تھے۔''

ایک مہینہ گزر گیا۔ اس ایک ماہ کے دوران ریشلی نے دو تین پلیٹیں توڑیں۔ دو پیالیاں اور ایک پرچ توڑی لیکن میں نے عام دستور کے مطابق ان کی قیمت اس کی تنخواہ سے نہ کاٹی کیونکہ بستے رستے گھرانوں میں بیویاں بھی برتن توڑتی رہتی ہیں۔ ریشلی نے میرے گھر کو اس قدر دلکش بنا دیا کہ میں نے غیر شادی شدہ مردوں کی طرح آوارہ گردی

چھوڑ دی اور سر شام ہی گھر آ جاتا۔ میں کسی پہلو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ یہ عورت آسیب زدہ ہے۔ وہ دکھیاری ضرور تھی اسی لئے میں نے اسے اپنے ساتھ بے تکلف کر لیا تھا۔ میں نے اس میں خاص قسم کی جھجک دیکھی جو یورپی لڑکیوں میں کم ہی ہوتی ہے۔ اس جھجک میں شرم و حجاب کم اور جھینپ یا ڈر سا ہوتا تھا۔

میں نے کئی بار اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کے ساتھ اس کے متعلق باتیں کرتا رہا لیکن جونہی میں نے اس کی دوسری شادی کی بات چھیڑی تو وہ یوں بات کو گول کر گئی جیسے ڈر گئی ہو۔ ایسے وقت اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات چھا جاتے تھے جن میں ڈر کے علاوہ جذباتی تشنگی بھی ہوتی تھی اور وہ مجھے تشنہ سی نگاہوں سے دیکھ کر منہ پھیر لیا کرتی تھی۔ ایک بار اس کے آنسو نکل آئے اور وہ آنسو پونچھ کے بولی...... ''میں شادی نہی کر سکوں گی۔''

وہ مجھ سے کوئی راز چھپا رہی تھی جو میری ہزار کوششوں کے باوجود اس کے سینے میں ہی دفن رہا۔ آخر وہ رات آئی جس نے تمام راز فاش کر دیئے اور جس نے بھوتوں اور بدروحوں کے متعلق میرے عقیدے کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اس رات ریشلی میرے بلائے بغیر میرے پاس آ بیٹھی۔ وہ چپ چاپ سی تھی۔ میں نے جانے کیا بات چھیڑی تو وہ پھر بھی گم سم سی رہی۔ میں بات کر ہی رہا تھا کہ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بے ساختگی سے میرا ہاتھ چوم کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی، میرے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ میں نے اٹھ کر اس کے کندھے تھام لیے۔ اس نے سر میرے کندھے پر پھینک دیا۔ میں نے اس کے جسم کی تپش کو شدت سے محسوس کیا۔ اس کا جسم جیسے جل رہا تھا اور اس کی سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں۔ پیشتر اس کے کہ میں اسے سنبھالتا وہ جسم کو جھٹک کر اٹھی اور تیز قدم کمرے سے نکل گئی۔ میں کسی حد تک شرمسار بھی ہوا کہ شاید میں نے اسے بازوؤں میں لے لیا تھا اور اس حرکت کا برا مان لیا ہو۔ مجھ میں اب اتنی سی ہمت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر اس کے کمرے میں چلا جاؤں اور اس کے دکھ زدہ دل کو بہلالوں یا معافی مانگ لوں۔

میں تذبذب اور اضطراب میں بستر میں پڑا سوچتا رہا کہ میں اس نوجوان اور حسین بیوہ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ رات خاموش تھی کبھی کبھی کسے کتے کے بھونکنے کی آواز آتی تھی۔ جو رات کے سکوت میں دم توڑ جاتی تھی۔ میرا دوست اپنے کمرے میں سو گیا تھا۔ یکایک باہر گڑگڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں میرے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ بعض اوقات مقامی کشتی ساز کشتی بنا کر اسے لوہے کے پہیوں والے ایک لمبے چھکڑے میں رکھ کر گھسیٹ کر سمندر میں جا کے ڈالا کرتے تھے۔ میں اس انتظار میں رہا کہ چھکڑا آگے نکل جائے گا اور یہ شور ختم ہو جائے گا لیکن یہ شور میرے مکان کے اردگرد گھومتا سنائی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں غصے میں اٹھا کہ ان لوگوں کو ڈانٹ دوں لیکن باہر جا کے سمندر کی طرف جانے والے کچے راستے پر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے ہر سو تلاش کیا لیکن شور سنائی دیتا رہا اور کوئی انسان نظر نہ آیا۔ میں حیرت زدہ سا اپنے کمرے میں آ گیا۔ جونہی پلنگ پر بیٹھا شور اور زیادہ بلند ہو گیا اور میں نے زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا۔

مجھے فوراً ریشلی کے نانا کی بات یاد آ گئی۔ اس نے اسی قسم کے شور اور زلزلے کے جھٹکوں کا ذکر کیا تھا اس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ یہ ریشلی کی آسیب زدگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ میں بھاگتا ریشلی کے کمرے میں گیا۔ دیکھا وہ پلنگ پر نیم دراز انتہائی خوفزدگی کے عالم میں یوں بول رہی تھی جیسے اس کے پاس کھڑا کوئی انسان یا کوئی شے اسے ڈرا رہی ہو۔ وہ بازو چہرے کے آگے کئے کہہ رہی تھی...... ”نہیں! مجھے بخش دینا۔ میں شادی نہیں کروں گی...... تم ابھی تک میرے خاوند ہو۔ تمہارے بچے کو کہیں اور نہیں لے جاؤں گی۔“

میں سہم گیا۔ باہر کا شور بڑھنے لگا۔ اب کے صاف پتہ چلتا تھا جیسے کوئی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لڑھکتی چلی آ رہی ہو۔ اس شور میں مجھے اپنے دوست کا واویلا سنائی دیا۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر مجھے بلا رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی اور وہ خوفزدہ سا میرے پاس آ گیا۔ لیکن میں حیران تھا کہ اردگرد کے مکانوں کے مکینوں پر رات کی خاموشی طاری تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ اس شور اور جھٹکوں کی زد میں صرف ہم تین انسان اور ہمارا ہی مکان ہے۔

میں نے لپک کر ریشلی کو تھام لینا چاہا لیکن جانے کس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایسا دھکا دیا کہ میں پیچھے دیوار سے جا لگا۔ یہ دھکا ریشلی نے نہیں دیا تھا۔ میں نے ڈرے ڈرے سے انداز سے سارے کمرے میں جھانکا تو مجھے ریشلی سے پرے ایک سایہ سا نظر آیا جو یقیناً کسی انسان کا تھا۔ اس کے مومی کپڑوں سے شاید پانی ٹپک رہا تھا۔ میں اس کے خدوخال نہ پہچان سکا۔ وہ دھند میں چھپا ہوا تھا۔ اتنے میں مکان زور سے ہلا اور دھند غائب ہو گئی۔ وہاں صرف ریشلی تھی جو بستر میں پڑی تھی۔ آنکھیں باہر کو آئی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ میں اور میرا دوست آگے بڑھا تو ریشلی نے چیخ نما آواز میں کہا...... ”چلے جاؤ، خدائے مقدس کے واسطے تم دونوں چلے جاؤ، مجھے اکیلا چھوڑ دو......“ لیکن میں نے اسے اکیلا نہ چھوڑا، میں نے سوچا کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ ان جھٹکوں سے چھت ہمارے اوپر گر جائے گی اور ہم مر جائیں گے۔ خدا گواہ ہے کہ میں ریشلی کے ساتھ مرنے پر تیار ہو گیا اور اس کے پلنگ پر بیٹھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد شور بھی تھم گیا۔ جھٹکے بھی ختم ہو گئے اور ریشلی یا تو سو گئی یا اس پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے دوست کو تو اس کے اپنے کمرے میں بھیج دیا اور خود بستر لا کر ریشلی کے کمرے کے فرش پر بچھا لیا اور لیٹ گیا۔

صبح ہوئی تو ریشلی حسب معمول اٹھی۔ اس کا رنگ زرد تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ نہ اٹھے اور ناشتہ ہم خود بنا لیں گے لیکن وہ کچھ کہے بغیر باورچی خانے میں چلی گئی۔ اس کی چال ڈھال میں نمایاں فرق تھا جیسے بہت عرصے کا مریض پہلی بار بستر سے اٹھا ہو۔ میں باورچی خانے میں اس کے پیچھے گیا۔ اسے بہت روکا کہ وہ آرام کرے لیکن اس نے ایک نہ مانی اور چپ چاپ کام میں لگی رہی۔

میں اپنے دوست کے ساتھ دفتر چلا گیا۔ شام کو واپس آئے تو ریشلی کو اپنے روزمرہ کے کام میں مصروف پایا۔ ہم تینوں پر خاموشی طاری تھی۔ ہم ریشلی سے پوچھنے سے گھبرا رہے تھے کہ رات کی واردات کی کچھ وضاحت کرے۔ میں اپنے دوست کے ساتھ بات کرنے سے بھی جھجک رہا تھا۔

رات ہم اپنے اپنے کمروں میں جا دبکے اور عین کل رات کے وقت پھر وہی شور اٹھا۔ اسی طرح چٹانیں لڑھکنے لگیں اور مکان، زلزلے کے جھٹکوں سے ہلنے لگا۔ میں اٹھ بھاگا اور ریشلی کے کمرے میں پہنچا۔ اس رات پھر اسے اسی کیفیت میں پایا۔ وہ اسی انداز سے خوفزدہ کہہ رہی تھی...... ''مجھے بخش دینا۔ میں شادی نہیں کروں گی......'' میں نے آگے بڑھ کر ریشلی کو تھامنے کی کوشش نہ کی اور میں اور میرا دوست چپ چاپ اسے دیکھتے رہے لیکن اس رات مجھے کل والا دھندلا سایہ نظر نہ آیا۔ شور و غل، گڑگڑاہٹ اور جھٹکے کل رات کی طرح ہی تھے۔ لیکن ریشلی کی حالت آج بہت ہی دگرگوں تھی۔ میں آج رات اتنا خوفزدہ نہ تھا جتنا اس مسئلے پر پریشان کہ اس مافوق الفطرت واردات کا کھوج کیسے لگاؤں اور ریشلی جیسی مظلوم اور مجبور لڑکی کو اس آسیب سے نجات کس طرح دلاؤں۔

وہ رات بھی گزر گئی اور اگلے روز ریشلی کے چہرے سے پتہ چلتا تھا جیسے وہ اس ایک ہی رات میں عمر کے بیس سال پھلانگ کر قبل از وقت بوڑھی ہو گئی ہو۔ اس کے گالوں کی گلابی جھلک موت کی زردی میں چھپ گئی تھی۔ ہونٹوں کی دلکشی پر جھریاں چھا گئی تھیں اور چلتے ہوئے اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔

مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اسے بازو سے تھاما اور کھینچ کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ میں نے بے تاب ہو کر اسے کہا...... ''ریشلی خواہ تم مر جاؤ خواہ میری جان چلی جائے، مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے اور تم کیا چیز ہو۔ معلوم ہوتا ہے تم خود بدروح ہو جو اس قدر خوبصورت اور اس قدر ڈراؤنے روپ میں دنیا میں لوٹ آئی ہو۔''

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا: ''میں تمہاری نوکری چھوڑے جا رہی ہوں اور میں خود چاہتی ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ یہ اسرار کیا ہے......'' وہ نحیف سی آواز میں بول رہی تھی۔ اس نے اکھڑی ہوئی سانسوں کو طویل آہ بھر کر سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''میرے خاوند کو مجھ سے بے حد پیار تھا۔ بے حد کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اسے میرے جسم کے ساتھ اتنا لگاؤ نہیں تھا جتنا روح کے ساتھ۔ اس کی محبت دراصل تھی ہی روحانی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مجھ سے کبھی اکتاہٹ کا اظہار نہ کیا حالانکہ میاں بیوی ایک ہی سال بعد ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہنے لگتے ہیں......

لیکن اس کے پیار کی کوئی حد نہیں تھی۔ مجھے بھی اس سے محبت تھی لیکن میں اتنی دیوانہ نہیں تھی۔ وہ پیارا آدمی تھا۔ میں ذرا سا ادھر ادھر ہو جاؤں تو وہ بچوں کی طرح بلبلا اٹھتا تھا۔ باورچی خانے میں بھی مجھے اکیلا نہ چھوڑتا تھا۔ ایک بات جو مجھے اچھی لگتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ...... ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ وہ اب چھ سال کا ہے۔ بڑا پیارا بچہ ہے۔ بچہ پیدا ہوا تو میرے خاوند نے مجھے کہا کہ یہ ہمارا آخری بچہ ہوگا زیادہ بچے ہو جائیں تو پیار تقسیم ہو جاتا ہے۔ وہ بچے کے ساتھ بھی اسی طرح محبت کرنے لگا جس طرح میرے ساتھ کرتا تھا۔ بچے کو گودی میں بٹھا کر مجھے پاس بٹھا لیا کرتا تھا۔ اور ہمارے ساتھ وہ اس طرح کی پیاری پیاری حرکتیں کیا کرتا تھا جیسے ہم دونوں بچے تھے۔

''اسے سمندر میں اچھی نوکری مل رہی تھی۔ لیکن وہ ساحل پر رہنا چاہتا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مجھ سے اور بچے سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ سمندری جہاز میں اسے خاصی زیادہ تنخواہ مل سکتی تھی۔ لیکن ساحل پر اسے بمشکل دال روٹی کے پیسے ملتے تھے۔ میں اسے سمندری نوکری کے لئے اکساتی رہتی تھی۔ لیکن وہ مانتا نہیں تھا۔ آخر میں اس سے بگڑنے لگی کہ وہ جذبات میں الجھ کر مالی نقصان تک برداشت کر رہا ہے لیکن وہ رضامند نہ ہوتا تھا۔ ہمارا بچہ ایک برس کا ہو گیا ایک روز میں نے شدت سے محسوس کیا کہ میرا خاوند اپنی جوانی اور

دماغی قوتوں کو سستے داموں بیچ رہا ہے اور میری بات نہیں مان رہا۔ میں نے ایک حربہ استعمال کیا۔ وہ یہ کہ وہ کام پہ گیا تو میں نے ایک رقعہ لکھا...... میں اپنے نانا کے پاس جا رہی ہوں۔ جب تک تم سمندر کی نوکری پہ رضامند نہیں ہو گے میں تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔ یہ رقعہ میز پر رکھ کر میں نانا کے گھر چلی گئی......

”شام کے وقت وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا میرے نانا کے پاس آیا۔ اس کی دماغی حالت اس قدر گرگوں تھی کہ اس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اس نے مجھے یوں بازوؤں میں جکڑ لیا اور سہمی سہمی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جیسے مجھے کوئی اس سے چھین رہا ہو۔ کہنے لگا...... گھر چلو، میرے گھر چلو ریشلی! میں سمندر کی نوکری کروں گا اس نے بچے کو اٹھایا اور مجھے اپنے گھر لے گیا......

دوسرے ہی دن اس نے سمندری جہاز کی نوکری کر لی اور دو ہی دن بعد اسے پرانے سے ایک جہاز میں سمندر کے پہلے سفر پر جانا پڑا۔ آخری رات وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کرتا رہا۔ میں نے اسے بہت تسلی دی اور کہا کہ محبت میں جدائی بہت ضروری ہوتی ہے ورنہ دل محبت سے اکتا جاتا ہے لیکن اس کی ذہنی حالت اچھی نہیں تھی۔ رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تھی۔ اچانک میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ وہ بستر میں نہیں تھا۔ کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ میں نے کروٹ بدلی تو وہ پلنگ کے دوسری طرف کھڑا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی اور چہرے کے تاثرات ایسے جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے کہا...... ریشلی! میں صبح سمندری سفر پر جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں لوٹ کے نہیں آؤں گا۔ یاد رکھو ریشلی! اگر تم نے دوسری شادی کی تو میری روح تمہیں چین سے نہیں جینے دے گی۔ میرے بچے کو میرے ماں باپ کے گھر رکھنا۔

”میں نے اٹھ کر اسے تھام لیا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ بلاوجہ سمندری سفر سے ڈر رہا ہے لیکن وہ بولا...... ”میں نے تمہاری روح سے محبت کی ہے۔ یہ جسموں کا سودا

نہیں تھا۔ تمہاری روح پر میری روح قابض ہے۔ تم کسی اور کی نہ بن سکو گی...... اس کا بولنے کا انداز ایسا تھا کہ میں ڈر گئی اور میں نے دل پر عجیب سی گرفت محسوس کی......

”پھر اس کے سفر کا وقت آیا۔ میں ساحل پر کھڑی تھی جب جہاز بندرگاہ سے نکلا۔ اپنے خاوند کے آنسو مجھے آج بھی نظر آ رہے ہیں جہاز دور ہی دور ہٹتا چلا گیا پھر جہاز نظروں سے اوجھل ہو گیا...... ہمیشہ کے لئے......

دوسری رات کا واقعہ ہے کہ آدھی رات کے وقت میں گھبرا کر جاگ اٹھی۔ ہر طرف یوں شور سنائی دیا جیسے چٹانیں لڑھکتی آ رہی ہوں۔ مکان ہلنے لگا اور میں نے بچے کو سینے سے لگا لیا۔ یہ شور ذرا سی دیر بعد تھم گیا لیکن میں رات بھر لرزتی کانپتی رہی۔ آٹھویں روز اطلاع ملی کہ میرے خاوند کا جہاز طوفان کی نذر ہو گیا ہے اور ایک بھی آدمی زندہ نہیں بچا......

وقت گزرنے گا۔ میں نے ایک سال روتے دھوتے گزار دیا۔ لیکن بچے کی خاطر میں نے آنسو پی لیے۔ پھر دو سال گزر گئے۔ میں آخر انسان ہوں۔ سوائے نانا کے اپنا کون تھا۔ اپنے سسرال رہی لیکن ان لوگوں کا سلوک اس قدر ناروا تھا کہ وہاں رہ نہ سکی میں تنہائیوں سے گھبرانے لگی۔ اس کے علاوہ ذریعہ معاش کی فکر لاحق ہوئی تو ایک جگہ نوکری کر لی چند دنوں بعد میرے مالک کی نیت خراب ہونے لگی۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی ہے اور اس کی بیوی مر چکی ہے اس نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ لیکن میں نے اسے کہا کہ میرے ساتھ شادی کر لو۔ وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے شادی کا وعدہ کر لیا لیکن اسی رات اس کے گھر میں وہی کچھ ہوا جو یہاں بھی ہو چکا ہے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ رات کے وقت میں نے خاوند کو اسی طرح اپنے اوپر جھکا دیکھا جس طرح وہ سفر پہ جاتے آخری رات مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ اسی انداز میں مجھے کہہ رہا تھا...... میں نے تمہاری روح سے محبت کی ہے یہ جسموں کا سودا نہیں تھا۔ ریشلی! تمہاری روح پر میری روح کا قبضہ ہے......

اور میں نے وعدہ کیا کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گی۔ میں نے اس آدمی کی نوکری چھوڑ دی۔ پھر ایک سال بعد ایک اور جگہ نوکری کر لی۔ وہاں بھی بالکل یہی کچھ ہوا جو اس جگہ ہو چکا تھا اس آدمی نے مجھ سے شادی کرنے کو کہا تھا اور میں نے جذبات میں الجھ کر ہاں کر دی تھی......

پھر میں تمہارے ہاں آ گئی۔ میں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ شادی کی نہیں سوچوں گی۔ لیکن میں نے تم میں ایسا خلوص اور پیار دیکھا کہ میرے جذبات میرے قابو سے نکل گئے۔ بے شک میں نے دو آدمیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے شادی کے لیے ہاں کر دی تھی لیکن وہ ایک مجبوری تھی۔ تم پہلے آدمی ہو جو مجھے اپنے مرے ہوئے خاوند کی طرح پیارے لگے۔ تمہارے پاس بیٹھ کر مجھے وہی سکون ملتا ہے جو مجھے اپنے خاوند نے دیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ تم سے اجنبی رہوں۔ لیکن دل نے اجنبی نہ رہنے دیا جس رات میں نے بے تاب ہو کر تمہارا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس رات دراصل میں بے بس ہو کر تمہیں کہنے آئی تھی کہ میرے ساتھ شادی کر کے مجھے دنیا کے کسی ایسے گوشے میں لے چلو جہاں میرے خاوند کی روح نہ پہنچ سکے۔ لیکن یہ بات میرے دل میں آئی تو میں سر تا پاؤں لرز گئی۔ اس وقت جی میں آئی کہ تمہارے کمرے سے بھاگ جاؤں لیکن تمہاری محبت میں اتنی کشش تھی کہ میں وہاں سے ہل نہ سکی۔ میں تمہاری روح اور خاوند کی بدروح کے درمیان تڑپنے لگی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ تو تم ساری عمر نہ بھول سکو گے۔ اس رات بھی اور دوسری رات بھی اپنے خاوند کو میں نے اپنے اوپر جھکا دیکھا۔ وہ مجھے وہی باتیں کہہ رہا تھا جو پہلے کہہ چکا تھا......

ریشلی کے آنسو جاری تھے وہ چپ ہو گئی۔ پھر احتجاج سے بھرپور لہجے میں بولی...... ''کیا مجھے حق حاصل نہیں کہ کسی اور کو اپنا رفیق بنا لوں؟ کیا میں تمام عمر تن تنہا گزار دوں گی؟......'' وہ اٹھی اور باہر کو چل پڑی۔ دروازے میں رک کر بولی...... ''مجھے تم سے محبت ہے، لیکن...... لیکن......'' اس کی ہچکی نکل گئی اور وہ چلی گئی۔

تین مہینے گزر گئے ہیں وہ مرگئی ہے۔ وہ اپنے نانا کے پاس رہتی تھی۔ اس نے میری نوکری چھوڑ دی تھی۔ میں اسے ملتا رہا۔ وہ تیزی سے نحیف ہوتی جا رہی تھی۔ ایک روز اس کے ہاں گیا تو اس کا نانا برآمدے میں کھڑا رو رہا تھا۔ اس کے پاس چھ سال کا ایک لڑکا کھڑا آنسو بہا رہا تھا...... پتہ چلا کہ ریشلی مرگئی ہے۔

میں ان دونوں آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ جنہوں نے ریشلی کے ساتھ شادی کرنا چاہی تھی۔ انہوں نے تمام واقعات کی تصدیق کی ہے اور یہ تصدیق بھی ہو گئی ہے کہ ریشلی کا خاوند سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ (۱۸)

* * *

بے چین بدروح

جو چڑیل بن کر ظالم امریکی فوجیوں سے انتقام لے رہی تھی

ان بھیانک دنوں میں آدمی آدمی نہ رہا تھا بلکہ جانور سے بھی بدتر شے بن چکا تھا۔ ہم وحشیانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کھانا نصیب ہوتا تو کھا لیتے۔ سونے کی گھڑی آتی تو سو لیتے۔ ان دنوں ہم آبادیوں کو آگ اور دھوئیں کی نذر کر رہے تھے اور انسان کا خون بہانے کی کھلی آزادی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جسے امریکی تاریخ میں خانہ جنگی کا دور کہا جاتا ہے۔ ہم رات دن کیچڑ گندگی میں لتھڑے ہوئے گھوڑوں پر سفر کرتے رہتے۔ بیماریاں موت اور دل دہلا دینے والی چیخیں آس پاس پھیلی ہوئی تھیں۔ اردگرد کا سب علاقہ ہر روز آگ کے شعلوں سے بھڑ کنے لگتا۔ مگر سفر جاری رہتا۔

پیش قدمی کے دوران انہی دنوں میں، میں بھی بیمار پڑ گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں اپنے فوجی دستے کے ساتھ چلتا رہوں لیکن بخار کی شدت اور بے ہوشی نے مغلوب کر دیا اور میں اپنے دستے سے پیچھے رہ گیا اگلے دن جب مجھے کچھ ہوش آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے دستے سے بچھڑ چکا ہوں۔ میں اس نیم جنگلاتی علاقے میں تنہا تھا۔ بخار نے پھر مجھ پر حملہ کیا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار رہوں مگر مجھے آہستہ آہستہ خود محسوس ہو رہا تھا کہ میں کسی لمحے بھی گھوڑے سے گر پڑوں گا۔ بے ہوشی، ذہنی بحران اور دماغی انتشار کے دوران میں نے دیکھا کہ میں ایک پل کو عبور کر رہا ہوں ستارے آسمان پر لرز رہے تھے۔ زمین سے دھوئیں اور سیلن کی بو اٹھ رہی تھی اور دور سامنے گھنے جنگل کے درمیان ایک مکان نظر آ رہا تھا۔ میں اپنے تھکے ہوئے گھوڑے کو مکان کی طرف بڑھانے لگا۔ میں نے مکان میں روشنی کی ایک جھلک بھی دیکھی تھی۔ یکا یک تارے چھپ گئے اور گھوڑے کے سموں کی آواز تیز ہو گئی۔ لکڑی کا بنا ہوا پل گھوڑے کے قدموں کے نیچے تھرتھرانے لگا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گھوڑے کے قدموں کے نیچے پل کانپ رہا ہے۔

میں اچانک گھوڑے سے گرا میرے کانوں میں گھوڑے کی چیخ سنائی دی۔ میں پانی میں گرا تھا جو گہرا نہیں تھا۔ بھوک اور بیماری نے جسم کو گھلا دیا تھا جب میرا سر پانی میں چھپی ہوئی چٹان سے ٹکرایا تو سارا جسم دکھنے لگا۔ میں نے بڑی مشکل سے پانی میں اپنے آپ کو کہنیوں کے بل اٹھایا۔ مندھی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ میرا گھوڑا زمین پر کھڑا یوں اچھل رہا ہے جیسے شدید تکلیف میں مبتلا ہو۔ میں نے اٹھنا چاہا۔ مگر میں گرا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

جب دوبارہ مجھے ہوش آیا تو میرا جسم سردی اور درد کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ دانت سے دانت بج رہے تھے۔ رات کی گہری خاموشی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ رات کا آخری پہر ہے۔ میں کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا کنارے تک لے آیا۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ سے میرے دل کو یہ تسلی ہوئی کہ اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔

مکان گہری دھند میں چھپا ہوا تھا۔ روشنی کی ہلکی سی پیلے رنگ کی جھلک دھندلی دبیز تہ کو چیر رہی تھی۔ میں گھسٹتا ہوا گھوڑے تک پہنچا اور جب میں نے گھوڑے کو ہاتھ لگایا تو محسوس کیا کہ گھوڑے کا جسم لرز رہا تھا۔ میں اسے تھپتھپانے لگا۔ اس کی باگ تھامی اور لڑکھڑاتا ہوا مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک تو میں بے حال ہو رہا تھا، دوسرے جوتوں میں پانی اور کیچڑ بھر آنے سے پاؤں الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔ کانپتے ہوئے جسم اور دکھتے ہوئے سینے سے میں نے ”مدد۔ مدد“ پکارا۔ میری آواز جنگل میں گونجی اور صدائے بازگشت بن گئی۔ میں ایک بار پھر چلایا ”مدد۔ مدد“ اچانک مکان کے دروازے کے چرچرانے کی آواز سنائی دی گھوڑا زمین پر یوں پاؤں مارنے لگا جیسے انتہائی خوف زدہ ہو میں اسے اپنے ناتواں جسم کے ساتھ آگے گھسیٹنا چاہتا تھا اور گھوڑا پیچھے لوٹنے کے لیے بے قرار تھا۔ چند لمحوں کی کش مکش میں میرا

لگام والا ہاتھ خالی ہو چکا تھا۔ اس وقت میں رات کے آخری پہر میں نڈھال اور نیم مردہ یکہ وتنہا کھڑا تھا۔ میرا پستول گر چکا تھا۔ مگر خنجر ابھی تک میرے پاس تھا۔ میرا دماغ گھومنے لگا میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک شمع دان دیکھا جو متحرک تھا اور اس میں شمعیں جل رہی تھیں۔ پھر میں نے ان گنت عجیب وغریب آوازیں سنیں۔ گھوڑں کی ٹاپیں، آگ کی سرسراہٹ اور سائے...... میں ایک بار پھر چیخا اور بے ہوش ہو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سب سے پہلے اپنے نتھنوں میں خاک کی مہک سونگھی۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک چھوٹی میز پر شمع دان پڑا تھا اور اس سے کچھ دور کمرے کی ادھ جلی دیوار پر ایک موٹی مکڑی بہت بڑے جالے میں حرکت کرتی ہوئی دیکھائی دے رہی تھی۔ میں ان تمام وہموں کو بخار کی اس کیفیت کا نتیجہ قرار دینے لگا جب بخار دماغ کو چڑھ جاتا ہے۔ کمرے میں سائے گھوم رہے تھے۔ میں نے اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ میں ایک کھلی آرام کرسی میں لیٹا ہوا تھا۔ میرا سارا جسم کانپ رہا تھا اور میرے قدموں کے پاس ایک چھوٹے سٹول پر میرا چمکدار خنجر شمعوں کی پیلی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اور پھر میں نے ایک آواز سنی جس پر میں نے اپنا سر گھمایا۔

''سپاہی۔ شاید تم پہلے کبھی اس علاقے میں نہیں آئے''

اس شیریں نسوائی واز میں مکاری اور ریاکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بولنے والی میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جو گلابی رنگ کا مخملیں گاؤن پہنا ہوا تھا۔ وہ کثرت استعمال سے کئی جگہوں سے کھسکا ہوا تھا مگر اس گھسے ہوئے لبادے میں اس کا پرکشش اور توانا جسم اپنا آپ ظاہر کر رہا تھا۔

اٹھی ہوئی ٹھوڑی، خوبصورت منہ، تیز گہری بھوری آنکھیں، شام پر پھیلے ہوئے سنہرے بال، وہ میرے تیز خنجر کی طرح دمک رہی تھی۔

''میں یہاں کیسے پہنچا؟''

''میری مدد سے''

''تم کون ہو؟''

''میرا خاوند بارہ ایکڑ اراضی کا مالک تھا۔'' اس نے خوبصورت ٹھوڑی کو اٹھا کر بڑے فخر سے جواب دیا۔

میں ابھی تک خواب اور حقیقت کے درمیان معلق تھا۔ کیا یہ خواب تھا؟ کیا یہ حقیقت تھی؟ میرا ذہن ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ خوبصورت عورت کی میٹھی اور تیز آواز نے میرے خیالات کے سلسلے کو توڑ دیا۔

''تو تم ان شیطانوں کی فوج کے ایک سپاہی ہو جنہوں نے اس جنگ کو سارے ملک میں پھیلا رکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے میرے خنجر کو بڑے اطمینان کے ساتھ سٹول سے اٹھالیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون جھلک رہا تھا۔ ایک لمحے میں وہ مجھے غصیلی اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح نظر آنے لگی۔ اس نے خنجر کو سٹول پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں میرانڈا سیکسبائی...... سیکسبائی کی بیوہ۔''

جلی ہوئی دیواروں والے کمرے میں اس کی وحشیانہ ہنسی گونج رہی تھی۔ اس کی ہنسی میرے کانوں کو پھاڑنے لگی۔ خوف کی تیز لہر سارے جسم میں میں دوڑ گئی اور میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ وہ میرے سامنے آکر بولی میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ تمہاری فوج سے نفرت کرتی ہوں۔ میں بیوہ ہوں۔ جانتے ہو میرا شوہر کون تھا؟ وہ حبشی غلاموں کا حمایتی تھا۔ اسی لئے ظالموں نے سب سے پہلے اس کی جان لے لی۔ پھر سب حبشی دوڑ گئے اور میں اکیلی رہ گئی۔''

وہ پھر ہنسنے لگی لیکن اب اس ہنسی میں وحشت نہ تھی۔

''تمہاری فوجوں نے اسی لیے جنگ شروع کی تھی کہ غلاموں کو آزدی نہ دی جائے۔ شراب پیئو گے؟'' اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

ایک لمحے میں میری ساری بھوک جاگ اٹھی۔ ''میں بھوکا ہوں۔ کیا یہاں کھانے کو کچھ مل جائے گا؟ بھوک نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔''

میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا وہ میرے سامنے شراب کا جام لیے کھڑی تھی شمع کی پیلی روشنی گلاس سے چھن کر آ رہی تھی۔ اس کی نظریں خوں رنگ شراب پر گڑی ہوئی تھیں۔ ایک ثانیے میں اس کا چہرہ تن گیا قریب ہی کوئی دروازہ چرچرایا۔ میں پھر لرزنے لگا۔ میرا جی چاہا یہاں سے بھاگ جاؤں۔ یہاں سے دور بھاگ جاؤں۔ وہ چیخی۔ ''مجھ سے کھانا مانگتے ہو۔ تمہارے سپاہیوں نے میری عصمت کو بھی داغدار کیا ہے۔ مجھ سے......!'' میں اسے گھورتا رہ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ شراب کا جام زمین پر انڈیل رہی تھی...... ''میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ اس نے ہاتھ کی ایک تیز جنبش کے ساتھ بلوریں جام کو جلی ہوئی دیوار پردے مارا۔ ایک چھناکا ہوا اور میری آنکھوں کے سامنے چند لمحوں کے لیے پھر تاریکی چھا گئی۔ ہوش سنبھالا تو میں چیخا۔ ''میں جانا چاہتا ہوں۔''

''تم ابھی چلنے پھرنے کے قابل نہیں۔'' اس نے سختی سے جواب دیا اور جلدی سے نئے گلاس میں شراب ڈال کر میرے ہاتھ میں تھما دی اسے پیئو۔ میں تمہارے لیے بستر لگاتی ہوں۔ کھانا لاتی ہوں۔ آج آرام کرو۔ صبح چلے جانا۔

کمرے میں لٹکے ہوئے ادھ جلے پردے سرسرانے لگے۔

''میں ابھی آئی۔'' اور وہ میری نظروں کے سامنے غائب ہو گئی۔ قریب ہی کوئی الو چیخا اور اس کی دلخراش آواز سے میں لرزنے لگا۔ میں نے کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی کھڑا تھا۔ عین کھڑکی کے سامنے......ستا ہوا زرد چہرہ......اور دوسرے لمحے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا دینا چاہا۔'' یہ سب کچھ دماغی بخار کا نتیجہ ہے۔'' لیکن دوسرے لمحے مجھے پھر ایک شبیہہ دکھائی دی۔ برف کی طرح سپید اس نے منہ کھولا اور میں نے دیکھا کہ اس کا منہ کیچڑ سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے لب ہلتے دیکھے اور ایک عجیب و غریب آواز سنی جیسے کوئی انسان ڈوب رہا ہو۔ ناک تک پانی پہنچ گیا ہو اور وہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میرا سارا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ کیا میں پاگل ہو گیا تھا اور اگر میں پاگل نہیں ہوا تھا تو

جو کچھ میری نظروں کے سامنے ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ سامنے میز پر رکھے ہوئے گلاس سے شراب قطرہ قطرہ کر کے زمین پر اپنے آپ گر رہی تھی۔

اچانک وہ میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے اور میرے درمیان ادھ جلا پردہ تنا ہوا تھا۔ وہ میرے سامنے ہوتے ہوئے بھی مجھ سے چھپی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں بھدے بھورے رنگ کی روٹی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر روٹی اچک لی اور کھانے لگا۔ وہ مجھے دلچسپی سے گھور رہی تھی۔

ایک ہفتہ ہوا رات کو تین آدمی یہاں آئے؟ وہ کہنے لگی......اچانک اس کی آواز کی نرمی غائب ہو گئی ہاں، تین آدمی۔ تین شیطان۔ انہوں نے مجھے لوٹ لیا اور ذہن میں رکھو کہ اسی دن میرے شوہر کو قتل کیا جا چکا تھا۔ وہ میرے سامنے ٹہلنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا ہے۔ سنہرے بالوں کی رنگت سفید ہو گئی ہے۔ گہری بھوری آنکھیں اپنی رنگت کھو بیٹھی ہیں۔ ہاتھ کے ایک جھٹکے سے اس نے اپنا گاؤن کمر سے اتار دیا۔ میں خوف سے کانپ رہا تھا۔ میرا ہاتھ آہستہ آہستہ سٹول پر پڑے ہوئے خنجر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنی کمر دکھانے سے پہلے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں۔ ان آنکھوں میں جہنم کی آگ دہک رہی تھی۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ میں کانپ رہا تھا۔ اس کی کمر میرے سامنے تھی اور اس کی صاف شفاف جلد پر گولیوں کے تین سیاہ اور بھدے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ سوراخوں کے کناروں پر ابھی تک میلا اور گاڑھا خون جما ہوا تھا۔

میں ایک لمحے میں اسے پہچان گیا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا۔

اچھل کر میں آگے بڑھا اور اس کی ننگی کمر پر وار کرنے لگا میں خنجر گھونپتا اور نکال لیتا۔ خون کا ایک قطرہ بھی اس کے جسم سے نہ رسا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ وحشیانہ ہنسی...... میں بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

کئی دنوں کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک ہسپتال میں پایا۔ میرے دستے کا جو سپاہی مجھے ہسپتال چھوڑ گیا تھا، وہ میرے سرہانے بیٹھا تھا۔ میرا بخار اتر

چکا تھا اور ذہنی بحران بھی ختم ہو چکا تھا۔ سپاہی نے کہنا شروع کیا۔ ’’جناب آپ جنگل میں ایک مکان کے باہر بے ہوش پڑے تھے۔ ہم قریبی سڑک سے گزر رہے تھے کہ ہم نے مکان کو جلتے ہوئے دیکھا۔ مکان کو آگ کے شعلے گھیر چکے تھے اور آپ ہوش وحواس سے طاری کیچڑ میں لت پت گرے پڑے تھے۔

’’میرانڈا اسکیسائی کون تھی؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’جناب، خدا اس کی روح کو تسکین دے۔ وہ ایک نیک دل آدمی کی بیوی تھی۔ پھر سپاہی اچانک چونک کر بولا...... ’’مگر جناب آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ جس دن ہم نے آپ کو وہاں سے بے ہوشی کے عالم میں اٹھایا میرانڈا کو مرے ساتھ دن ہو چکے تھے۔

’’پاگل اسے قتل کیا گیا تھا۔ میں نے اس کی کمر پر گولیوں کے تین نشان خود دیکھے تھے۔‘‘

سپاہی حیرانی سے بولا۔ ’’جناب آپ نے اسے کہاں دیکھا؟ اسے تو مرے بارہ دن ہو چکے ہیں۔‘‘ میں چپ رہا۔ تو گویا میں پانچ دن تک بیہوش پڑا رہا تھا۔ میں اس علاقے میں پھر کبھی نہیں گیا۔ کیا یہ سچ ہو سکتا ہے کہ میرانڈا موت کے بعد بھی چڑیل بن کر ظالم امریکی فوجیوں سے انتقام لیتی پھر رہی ہے؟ (۱۹)

* * *

جادو ایک حقیقت یا......؟

ضعیف العتقادی کی بڑھتی ہوئی صورتحال پر خصوصی رپورٹ

جادو کا اثر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں لیکن کسی مسلمان کیلئے جادو کا علم سیکھنا کفر کے مترادف ہے۔ اسلام جو ایک مکمل دین ہے، اپنے ماننے والوں کو جادوگری کی لعنت سے محفوظ رہنے کا درس دیتا ہے۔ حضرت عمران بن معینؓ کی روایت میں آپ کا ارشاد ہے ’’جو شخص خود فال نکالے یا اس کیلئے فال نکالی جائے، یا خود کاہن بنے یا اس کیلئے کوئی دوسرا شخص کاہن تجویز کرے، یا جو شخص خود جادوگر ہو اس کیلئے کوئی دوسرا شخص جادوگر تجویز کرے، وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کو سچ سمجھے تو گویا اس نے شریعت محمدیہ ﷺ سے کفر کا ارتکاب کیا۔‘‘ اس فرمان رسول ﷺ کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث میں جادو کے علم کی حقیقت کا بیان اور اسے سیکھنے کی ممانعت کے احکامات موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ’’جس نے ستاروں کا علم سیکھ لیا، پھر وہ ستاروں کے علم میں جتنا آگے جائے گا، اتنا اس کے جادو کے علم میں اضافہ ہوگا۔‘‘ آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے علوم کی طرح جادو کا علم بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس علم کی حقیقت سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس علم کو انسانیت کیلئے تباہ کن اور مہلک قرار دیتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کی اور اس علم کو سات ایسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا جو انسان کی آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ’’سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچ جاؤ۔‘‘ صحابہ کرامؓ نے کہا ’’اے اللہ کے رسول! وہ سات کام کون سے ہیں۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی

شخص کو بغیر حق کے قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر لینا اور پاک دامن مومنہ اور بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا (مسلم)۔ اس کے علاوہ جادوگر کی پہچان اور جادو کی اقسام سے آگاہی کیلئے ہمیں ان احادیث سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔ جس میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص گرہ دیتے وقت اس میں پھونک مارے! اس نے جادو کیا اور جو شخص جادو کرے اس نے شرک کیا اور جو شخص اپنے جسم پر تعویز دھاگا لٹکائے اسے اسی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ (نسائی) ایک اور حدیث جس کو امام احمد نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پرندوں کو اڑانا، زمین پر خطوط کھینچنا اور کسی کو دیکھ کر فال بدلینا سب جنادوں کی اقسام ہیں۔'' اسی موضوع پر ایک روایت صفوان بن سلیمؒ سے مروی ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے تھوڑا سا جادو سیکھا اس کا معاملہ اللہ سے ختم ہوا۔''

اگر جادو کے اثرات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے کبھی منع نہ فرماتے کیونکہ اللہ کا نبی ﷺ کسی ایسے کام سے نہیں روکتا جس کا حقیقت میں وجود ہی نہ ہو اسی لئے آپ ﷺ نے اس علم کو سیکھنے سے منع فرمادیا جس کے سیکھنے سے انسان کی توجہ اللہ سے ہٹ کر غیر اللہ کی طرف مبذول ہونے کا اندیشہ تھا۔ جادو کی حقیقت جاننے کے بعد بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ جادو کے ذریعے پہنچنے والی تکلیف بھی اللہ کے حکم کے بغیر وقع پذیر نہیں ہوسکتی۔ ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جادو کا اثر قدرت الٰہی سے بالاتر ہو کر خود نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس قسم کا عقیدہ انسان کو خالصتاً کفر کے درجہ پر پہنچا کر دین و ایمان کی دولت سے محروم کر دیتا ہے۔ ویسے بھی اگر جادوگر کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے یا لوگوں کی قسمت بدلنے پر ان کو کوئی اختیار حاصل ہوتا تو آج دنیا پر ان کی حکرانی ہوتی اور معاشرے میں انہیں اعلیٰ مقام و مرتبے سے نوازا جاتا جبکہ اس کے برعکس جادوئی علوم کے دعویداروں کو ہمیشہ ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جس کی تصدیق قرآن و پاک کی اس آیت سے بھی کردی۔ ترجمہ: ''جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پاسکتا۔'' (سورہ طہٰ۔ آیت نمبر ۶۹)

جادو کی حقیقت جاننے اور جادوگروں کے انجام سے آگہی کے باوجود بھی بعض لوگ جادو کے بااثر ہونے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ صرف وہم اور تخیل کا نام ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس عقیدہ کے فروغ میں سائنسی نظریات کی اندھی تقلید نے اہم کردار ادا کیا کیونکہ ماہرین سائنس کے مطابق جس چیز کو سائنسی اعتبار سے پرکھا نہ جا سکے اور عقلی طور پر تسلیم نہ کیا جا سکے صرف روایات کی بنیاد پر اس پر یقین اور اعتماد رکھنا سادہ لوحی اور خوش اعتقادی کے سوا کچھ نہیں۔ جادو کے بااثر ہونے کی تمام ترنفی کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو نظر نہیں آتیں اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی سائنسی و عقلی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے مگر ان کی حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے انہیں تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت کعب بن احبارؒ کی روایت غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اگر یہ چند کلمات **لولا کلمات اقولهن لتجعلنی ایهودا حمارا** نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جادو کے ذریعے انسان کو گدھا بنانے کا امکان موجود ہے مگر سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اسمائے الٰہی کے سامنے قائم رہ سکے۔ اس کے باوجود، جادو محض نظر کا دھوکہ اور بے حقیقت چیز نہیں، جادو ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے۔ جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کر دیتے ہیں جیسے خوف ایک نفسیاتی چیز ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا مگر اس کا جسم پر یہ اثر ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے یعنی انسان کا نفس اور اس کے حواس یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی۔

جادو کے اثرات سے نفس انسانی کس حد تک متاثر ہوسکتا ہے؟ جادو کرنے والے کیا طریقے اختیار کرتے رہے اور محققین اسلام نے جادو کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا؟ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات کیلئے ہمیں محققین و مفسرین کی آراء سے رہنمائی ملتی ہے۔ امام قرطبی کا قول ہے ''جادو کا علم مختلف زمانوں میں منتشر رہا اور لوگ اس کے بارے میں گفتگو

کرتے رہے ہیں۔ سو یہ کوئی نئی چیز نہیں اور صحابہ وتابعین کرام میں سے کسی ایک سے بھی اس کا انکار ثابت نہیں۔''

ابن قدامہ اپنی کتاب ''الکافی'' میں فرماتے ہیں۔ ''السحر ان تعویذ گنڈوں اور دھاگوں کی گرہوں کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن اور خصوصاً دل پر اثر کرتے ہیں جن کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے اثر سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے اور بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پیدا کر دیتا ہے۔''

بعض اہل علم حضرات نے جادو کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''وہ امر عجیب اور اثر عجیب جس کے واقع ہونے کے اسباب آنکھ سے اوجھل اور پوشیدہ رہتے ہیں۔ جو نظر نہیں آتے اور محسوس نہیں کئے جا سکتے۔''

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی اللہ نہ سمجھ بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال وافعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔

امام شافعی کی کہی ہوئی باتیں حرف بحرف درست ہیں کیونکہ بعض اوقات ایسی خلاف عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے علاوہ اور لوگس سے بھی سرزد ہوئی ہیں بلکہ فاسق و فاجر اور مشرک و کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں مثلاً ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ ''تمہارے پاس کیا آتا ہے۔'' اس نے کہا سچ اور جھوٹ دونوں آتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے معلوم کیا ''تم نے کیا دیکھا ہے۔'' اس نے کہا کہ پانی پر عرش دیکھا ہے پھر آپ ﷺ نے دل میں فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین کی آیت سوچ کر پوچھا میں نے کیا سوچا ہے تو اس نے کہا دخان (دخ) آپ ﷺ نے فرمایا تو ذلیل ہو اور رسوا ہو تو تو کاہنوں کا بھائی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ غصہ کے وقت اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کافر ابن صیاد نے شیطانی مدد کے ذریعے کچھ حصے کے بارے میں درست اندازہ لگا لیا۔ اسی موضوع پر مقدمہ

ابن خلدون میں سحر و طلسمات کے باب میں مصنف نے مسلمانوں کا پراسرار علوم کی طرف رغبت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''چونکہ یہ علوم باعث ضرر ہیں اور توجہ الٰہی غیر اللہ باعث ہے اس لئے شریعت نے ان کو حرام و مجبور کر دیا۔'' یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں ان علوم کا رواج نہ ہوا صرف ان کتابوں سے ان علوم کا پتہ چلتا ہے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ سے پہلے کی ہیں۔ نبطیان مصر اور کلدا ابناں عراق کی طرف منسوب ہیں یہ کتابیں بھی اس لئے باقی رہ گئیں کہ اسلام کے سوا، کسی مذہب نے شرائع وقانون سے بحث نہیں کی بلکہ جو کتاب نازل ہوئی اس میں صرف مواعظ وتوحید اور جنت ودوزخ کا بیان ہوا بہر صورت سحر وطلسم کا رواج سریانیوں، کلدانیوں اور نبطیوں میں رہا جن کی تصانیف میں بہت سی کتابیں اس فن میں ملتی ہیں۔ مسلمانوں نے ان کتابوں کا حرمت سحر کی وجہ سے بہت ہی کم ترجمہ کرایا۔ فلاحت نبطیہ جیسی کتابیں چونکہ ترجمہ ہو گئی تھیں جن میں ضمناً ان فنون کا بیان تھا اس لئے کچھ کچھ یہ علم بھی مسلمانوں تک پھیلا اور جب دین کی طرف سے کچھ بے پروائی ہونے لگی تو مسلمان بھی ایک حد تک اس علم میں جا گھسے اور اس فن کی بھی کچھ کتابیں لکھی گئیں مثلاً مصاحف، کواکب، سبعہ، کتاب طمطم ہندی۔ اس کے بعد مشرقی مسلمانوں میں جابر ابن حبان ساحر کا ظہور ہوا جس نے اس فن کی کتابوں کا تصفح کیا اور نئی نئی باتیں نکال کر اس فن میں کتابیں لکھیں اور سیمیا سے بھی بحث کی کیونکہ اجسام کی نوعیہ کا بدلنا قوت نفسانیہ ہی سے ممکن ہے، نہ قوت عملیہ سے اور قوت نفسانی سے کام لینا از قبیل سحر ہے۔ جابر کے بعد اندلس میں مسلمۃ بن احمد المجریطی کا زمانہ آیا جو ریاضیات وسحر میں امام وقت ہوا ہے۔ اس نے جابر کی کتابوں کا خلاصہ کیا اور مسائل کی تہذیب وترتیب کر کے سب کو اپنی کتاب ''غایت الحکیم'' میں جمع کر دیا اس کے بعد پھر کسی مسلمان نے اس فن میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ آگے چل کر اسی مضمون میں ابن خلدون لکھتے ہیں۔ ''جاننا چاہیے کہ جادو کی تاثیر بالکل عقلی اور قابل تسلیم ہے۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ایک جادوگر کو دیکھا جس نے ایک شخص کا جسے وہ محسور کرنا چاہتا تھا بت بنایا اور اس شخص کو محصور کر کے اپنے سامنے رکھ لیا اور اپنے منتر جنتر پڑھ کر اپنے منہ کا

تھوک اس کے منہ میں ڈالا اور بار بار اپنے منتروں کو دہراتا گیا اور جس شیطان کو اس جادو میں اپنا شریک کیا تھا اسے تعمیل عزیمت کی قسم دلائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جادوگر اور اس کے منتروں میں کوئی خبیث روح ہوتی ہے جو تھوک اور پھونک کے ساتھ نکل کر پتلے میں پہنچتی ہے اور ساحر جیسا چاہتا ہے وہ محسور کے ساتھ ویسا ہی کرتی ہے۔ ہم نے ایسے ساحر بھی بچشم خود دیکھے ہیں جب انہوں نے کسی کپڑے اور کھال کی طرف دیکھ کر چپکے سے ایک دو لفظ کہہ دیئے کپڑے اور کھال کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چراگاہ میں بھی یہ لوگ جب جا کر کسی بیل یا بکری کی طرف اشارہ کر کے بعج بعج کہہ دیتے تو اس کا پیٹ پھٹ کر بوجھ باہر نکل پڑتا ہے۔"

جادوگروں کی ایک جماعت کے ساتھ اپنی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے ابن خلدون مزید لکھتے ہیں کہ "مجھے ان جادوگروں کی ایک جماعت سے ملنے اور ان کے اعمال دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ یہ قوت کیونکر حاصل کر لیتے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ ہم خاص خاص ریاضتیں کرتے ہیں کفر و شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، جن و کواکب سے مدد لیتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں تمام سحری دعائیں منتر وغیرہ لکھے ہیں اسی سے ہم متعلموں کو پڑھاتے ہیں اور طریقہ ریاضت بتاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بھی ایسے ہی کام کرنے لگ جاتے ہیں سوائے آزاد آدمی کے جو چیزیں روپیہ سے خریدی گئی ہوں ان پر ہمارا جادو چلتا ہے۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ اچھا مجھے بھی کوئی منتر بتاؤ انہوں نے فوراً منتر اور طریقہ ریاضت بتا دیا مختصر یہ ہے کہ سحری اعمال موجود ہیں اور ہم نے بچشم خود بغیر کسی قسم کے شبہ کے دیکھے ہیں۔"

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اہل اسلام میں سب سے پہلے ابونصر احمد بن ہلال بکیل اور ہلال بن وصیف نے جنات سے خدمت لی۔ یہ جنات سے باتیں کیا کرتے تھے اور ان سے خدمت لیا کرتے تھے۔ ان سے بہت سے عجیب و غریب واقعات منسوب ہیں۔ انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات پر کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں کتاب "الروح المتلاشیہ" کتاب "المفاخرہ فی الاعمال" اور کتاب "قالۃ الشیاطین" قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح حجاج کے دور حکومت میں ایک شخص عبداللہ ابن ہلال کا گزر ہوا ہے جو شیطان کا دوست تھا اور اس

کی رضا کیلئے نماز عصر ترک کیا کرتا تھا۔ اس بناء پر شیطان اس کی حاجت برآوری کیا کرتا۔ یہ شخص فاسق و فاجر اور زندیق تھا مردوں اور عورتوں کو حرام کیلئے جمع کیا کرتا تھا۔ شیطان اس کے حکم سے انسانوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ کتاب "العجائب" میں احمد بن عبدالملک نے عبداللہ ابن ہلال کے حیرت انگیز واقعات کو رقم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی عبداللہ ابن ہلال کے پاس آیا۔ اس نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرا ایک دولت مند ہمسایہ جس کے مجھ پر بہت احسان ہیں اس کی ایک خوبصورت بیٹی ہے، میری خواہش ہے کہ کسی طرح میرا نکاح اس سے ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس مقصد کیلئے شیطان سے میری سفارش کریں کہ وہ کسی شیطان کو بھیج کر میرے لئے نکاح کا راستہ ہموار کر دے۔ عبداللہ ابن ہلال نے شیطان کے نام ایک خط لکھ کر اس شخص کو دیا جس میں لکھا تھا کہ اگر تو یہ پسند کرے کہ مجھ سے اور اپنے سے زیادہ خبیث اور شریر آدمی کو دیکھے تو میرے اس حامل رقعہ کو دیکھ لے اور اس کا کام کر دے۔ اس کے بعد عبداللہ ابن ہلال نے اس شخص کو طریقہ کار سمجھایا کہ فلاں جگہ پر پہنچ کر اپنے اردگرد ایک دائرہ بنا کر اس کے بعد عبداللہ ابن ہلال نے اس شخص کو طریقہ کار سمجھایا کہ فلاں جگہ پر پہنچ کر اپنے اردگرد ایک دائرہ بنا کر اس میں بیٹھ جانا جب تمہیں کوئی نظر آئے تو اس کو میرا رقعہ دکھا دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کچھ ہی دیر بعد شیاطین کی آمد شروع ہو گئی۔ آخر میں تخت پر بیٹھا ایک بوڑھا شیطان نمودار ہوا۔ اس تخت کو چار شیاطین نے اٹھا رکھا تھا۔ اس شخص نے وہ رقعہ بلند کیا۔ شیاطین کے سردار نے وہ رقعہ منگوا کر پڑھا اس کو بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھا اور ایک خوفناک چیخ ماری۔ اس کی چیخ سن کر تمام شیاطین اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے اے ہمارے سردار کیا حکم ہے تو اس نے جواب دیا کہ میرے ایک دوست کی طرف سے یہ چٹھی آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ آدمی مجھ سے اور آپ سب سے برا ہے۔ اس کی مراد پوری کی جائے لہٰذا تم ایک گونگے بہرے اور اندھے شیطان کو اس کام پر مسلط کر دو۔ تابعین کے زمانہ میں بھی ایک شخص مختار ابوالفضی کا ذکر ملتا ہے جس کا دعویٰ تھا کہ مجھ سے روحیں ہم کلام ہوتی ہیں جب میں آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو روحانیت محسوس کرتا ہوں اور میں فرشتوں، جنوں اور روحوں سے باتیں کرتا

ہوں۔ اس دور میں حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباسؓ ابھی موجود تھے۔ لوگوں نے دونوں بزرگوں کے سامنے ذکر کیا کہ فلاں شخص ستاروں اور سیاروں کے اثرات کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ ارواح مجھ پر نازل ہوتی ہیں تو دونوں حضرات نے سورہ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات پڑھیں:

ترجمہ: ’’کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ (شیطان) ہر جھوٹے گناہگار پر اترتے ہیں۔‘‘

امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوٰی کی گارہویں جلد میں تحریر کیا ہے کہ ’’شیطان‘‘ انسان کو گمراہ کرنے کی جو بڑی بڑی کوششیں کرتا ہے ان میں ایک جادو ہے نیز یہ کہ شیطان بعض اوقات سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کی پوجا کا حکم دیتا ہے پھر یہی شیطان پوجا کرنے والے انسانوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ یہ بے وقوف سمجھتے ہیں کہ فلاں ستارہ یا سیارہ ہم سے بات کر رہا ہے اور ہمارا مددگار ہے۔ بعض اوقات شیطان بتوں کی پوجا کرنے والے لوگوں کو اس طریقے پر گمراہ کرتا ہے کہ انہوں نے فوت شدہ بزرگوں کے جو مجسمے یا پتلے بنائے ہوتے ہیں ان کے اندر داخل ہو کر یا پیچھے چھپ کر مدد طلب کرنے والوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری پکاریں سنتے ہیں اس طرح بعض لوگ قبروں میں پڑے بزرگوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری پکاریں سنتے ہیں اور دعاؤں کا جواب دیتے ہیں حالانکہ حقیقتاً جواب شیطان دیتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ستاروں اور سیاروں کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں حالانکہ یہ شیطانی دھوکہ ہے اور شیطان کا وسوسہ ہے۔‘‘

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں اس لئے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم شیطان کے شر سے بچنے کیلئے صرف وحدہ لاشریک کے ذریعے پناہ طلب کریں۔ فرمان خداوندی ہے۔ ترجمہ: ’’اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو، بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘ (الاعراف۔٢٠٠) (٢٠)

ناقابل فراموش واقعات

لڑکی نے گاڑی دوڑادی

1992 میں یہ واقعہ میرے دوست جمیل اور رانا جاوید کے ساتھ پیش آیا جب یہ دونوں لاہور کے ایک کالج میں پڑھتے تھے۔ آیئے یہ واقعہ جمیل کی زبانی سنتے ہیں۔

’’سردیوں کا موسم تھا میں جاوید کے ساتھ یعنی ایک ہی کلاس میں پڑھتا تھا جاوید کیونکہ بچپن ہی سے بری صحبت اختیار کر چکا تھا اور کلاس میں روزانہ کسی ایک کی دھلائی کر دیتا، میرا اچھا دوست تھا اس لئے اسے سمجھانا میرا فرض تھا لیکن وہ میری بات کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے نکال دیتا اور چند لوفر قسم کے لڑکوں کو ساتھ ملا کر کالج میں شرارتیں اور فساد کرتا۔ سارا کالج ان سے ڈرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کوئی شکایت کرنے کی بھی جرات نہ کرتا تھا۔ کالج میں جاوید کو اس کے اصل نام سے بہت کم لوگ جانتے تھے کیونکہ سارا کالج اسے جیدی بھائی کے نام سے جانتا تھا۔ تمام پروفیسرز بھی جاوید کے ساتھ دوستی جتاتے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اسے سمجھانے کی کوشش کرتا، وہ بھی بیچارے کیا کرتے کیونکہ وہ پہلے ہی پرنسپل صاحب پر گزرا ہوا وقت دیکھ چکے تھے، جب جاوید نے پرنسپل کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا تھا اور اس کا کوئی بال بھی بیگانہ کر سکا۔ ایک دن کالج ٹائم کے بعد میں نے جاوید کو ساتھ لیا اور پرنسپل کے دفتر کے سامنے ایک پلاٹ تھا اور اس میں ہم دونوں جا کر بیٹھ گئے۔ کالج کے تمام اساتذہ اور طلباء جا چکے تھے اور چوکیدار بھی بازار گیا ہوا تھا۔ میں مسلسل جاوید کو سمجھا رہا تھا کہ تمہارے گھر میں تمہارے اچھے مستقبل کی ضرورت ہے، ابھی بھی وقت ہے کہ اپنی ان حرکتوں سے بعض آ جاؤ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ سر ہلاتا رہا آخر جب مغرب کی اذان ہوئی تو میں نے سوچا کہ اتنا وقت باتوں ہی باتوں میں کیسے گزر گیا

پتہ بھی نہیں چلا، جب ہم بیٹھے تھے تو ہر طرف دھوپ تھی لیکن اب دھند شروع ہو چکی تھی ہمیں ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی اس لئے ہم اٹھے اور گھر کی طرف چل پڑے۔ میں لاہور میں اپنے ماموں کے گھر رہتا تھا اور جاوید اپنے چچازاد کے ساتھ کسی فیکٹری میں رہتا تھا۔ ہم کالج سے نکلے تو اندھیرا چھا گیا تھا، پہلے تو ہم نے کالج کے باہر ایک پٹھان کے ہوٹل سے چائے پی اور چل پڑے۔ ہمارا گھر کالج سے قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور ہمارے گھر کے نزدیک ہی وہ فیکٹری تھی جس میں جاوید رہتا تھا۔ ویسے تو ہم موٹر سائیکل پر آتے تھے لیکن آج موٹر سائیکل کی ماموں کو ضرورت تھی اس لئے دونوں کو پیدل آنا پڑا۔ ابھی ہم نے تھوڑی ہی سفر طے کیا تھا کہ ایک کار پیچھے سے آئے ہم نے لفٹ مانگی تو کار رک گئی۔ اور اس میں صرف ایک لڑکی تھی جو کار چلا رہی تھی اور وہ اتنی خوبصورت تھی کہ میں نے اتنی خوبصورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

پہلے تو وہ ہماری طرف دیکھتی رہی پھر دروازہ کھولا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جاوید کو میں نے بیٹھنے کے لئے آگے کیا اور جاوید کے بیٹھتے ہی لڑکی نے گاڑی کو سپیڈ دی اور میں کھڑا رہ گیا۔ میں بہت پریشان ہوا، میں نے گاڑی کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ گاڑی کافی دور جا کر رک گئی تھی، میں جب گاڑی کے پاس پہنچا تو حیران رہ گیا، جاوید گاڑی میں بے ہوش حالت میں پڑا تھا اور وہ لڑکی جو گاڑی چلا رہی تھی اس وقت وہاں نہ تھی، پھر میں نے ایک رکشے والے کو روکا اور جاوید کو رکشے میں گھر لے گیا، میں نے جاتے ہی ڈاکٹر کو فون کیا اور جاوید کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب آ گئے انہوں نے جاوید کو انجکشن دیا تو جاوید دو گھنٹے بعد ہوش میں آیا اور پھر میں نے اس سے یہ ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ لڑکی جو خوبصورت تھی آہستہ آہستہ بدصورت ہوتی گئی اس کے دانت باہر نکلتے گئے اور آنکھوں سے شعلے نکلتے گئے یہ منظر دیکھنے کے بعد مجھے کوئی خبر نہیں کہ مجھے کیا ہوا وہ کیا بلا تھی اور مجھ سے کیا چاہتی تھی اس واقعہ کے بعد جاوید نے تمام حرکتوں سے باز رہنے کی قسم کھالی اور تمام پروفیسرز اور پرنسپل صاحب سے معافی مانگ لی کالج کے تمام طلباء سے معذرت کر

لی اب جاوید انتہائی نیک انسان بن چکا ہے اور اسلام آباد کی ایک فیکٹری میں بطور منیجر کام کر رہا ہے جب بھی جاوید چھٹی پر آتا ہے تو وہی واقعہ ہمیں یاد آ جاتا ہے اور ہمارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

”جنات کی پکڑ“

طاہر میرا کلاس فیلو ہونے کے ناطے قریبی دوست بھی تھا۔ اس نے میرے ساتھ میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ پھر اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ کھیتی باڑی میں مشغول ہو گیا۔ چند دن بعد طاہر کی شادی ہو گئی۔ حسب معمول طاہر اپنی پکی ہوئی کھجوروں کی چھانٹی کر رہا تھا۔ طاہر کی بیوی ایک سائے میں بیٹھی یہ سب منظر دیکھ رہی تھی۔ طاہر بڑی تیزی سے کمند ڈال کر کھجور پر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر جب اس نے کھجور پر نگاہ ڈالی تو کئی سالوں سے صفائی نہ ہونے پر بڑی کھنڈرات معلوم ہوتی تھی۔ اور چمگادڑیں بڑی تعداد میں جمع تھیں۔ کلہاڑی سے طاہر کھجور کی صفائی کرنے میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر بعد کھجور زور زور سے ہلنے لگی۔ تو طاہر کا دل گھبرا گیا۔ کھجور کے تنے سے چمگادڑ متواتر نکل کر اڑ رہی تھیں۔ اب چمگادڑوں کو دیکھ کر طاہر بالکل گھبرا گیا۔ طاہر نے پکا پھل توڑنے کی کوشش کی مگر کھجور زور زور سے ہلنے لگی۔ اب طاہر کو علم ہو گیا یہاں جنات کا بسیرا ہے۔ ابھی وہ نیچے اترنے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ تو اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور طاہر زوردار چیخ کے ساتھ نیچے آ گرا۔ جنات نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ طاہر کی بیوی نے زور زور سے رونا چاہا مگر اس کی بھی آواز دب کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر میں گھر کے تمام افراد طاہر کے گرد جمع تھے۔ طاہر تو بے ہوش ہو چکا تھا مگر منہ سے کچھ بولے جا رہا تھا۔ طاہر کے بھائیوں نے اسے اٹھایا اور گھر لے گئے۔ رات گئے تک طاہر کو ہوش نہ آیا۔ تو تمام گھر والے بہت گھبرائے۔ قریبی پیر اور عامل کو بلایا گیا۔ تو پتہ چلا کہ جنات کا سایہ ہو گیا ہے۔ قرآن پاک کا ورد بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ساتھ کمر کی ہڈی کا علاج بھی ہوتا رہا۔ کیونکہ پیٹھ کے بل گرتے ہی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ جنات جو طاہر کو گرا

چکے تھے۔ کبھی طاہر کے منہ سے بولتے اور یہ کہتے کہ اس جوان نے کلہاڑی سے ہمارے بچوں کے پاؤں کاٹ دیئے ہیں جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتے ہم بھی اسے ٹھیک نہیں ہونے دیں گے۔ آج عرصہ چار سال ہونے کو ہیں جنات نے میرے دوست کو ایسا پکڑا ہے چھوڑنے کا نام تک نہیں لیتے۔ جب بھی میں چھٹی پر گھر آتا ہوں تو دوست طاہر کو ملنے چلا جاتا ہوں۔ آج بھی جب میں طاہر کے گھر پہنچا تو طاہر نے دور سے مجھے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ تو اس نے کئی بار اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوگیا۔ میں وہاں پہنچا تو طاہر کٹی ہوئی چارپائی پر پڑا تھا۔ جس کو وہ پیشاب وغیرہ کیلئے استعمال کیا کرتا ہے۔ مجھے گلے ملتے ہی زور زور سے رونے لگا ہم دونوں کی آوازیں سن کر تمام گھر والے اکٹھے ہو گئے تو پھر ایک بار وہاں قیامت صغریٰ برپا ہوگئی۔ پھر طاہر نے مجھے کہا۔ کہ میرے بھائی ''ناصر'' اللہ سے دعا مانگ مجھے خدا کی ذات ان جنات سے چھٹکارا دے۔ اگر نہیں تو موت دیدے۔ خدا جانے میرے بے باک دوست کو کب شفا ہوگی۔

☆☆☆

جنوں کی بارات

یہ واقعہ 1995ء میں میرے بڑے بھائی محمد صابر کے ساتھ پیش آیا تھا ان دنوں میں ہمارا معمول تھا کہ چھٹی کے روز ہم سب گھر والے اپنی دادی اماں کے گھر چلے جاتے تھے۔ چونکہ ہم گھر کو اکیلا نہیں چھوڑتے تھے اس لئے میرے بھائی صابر گھر میں ٹھہر جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب ہم دادی اماں کے گھر گئے تو میری امی جان نے فون کر کے بھائی کو مطلع کیا کہ ہم آج رات گھر نہیں آئیں گے۔ اس لیے آپ گھر میں ٹھہر جانا۔ اس روز بھائی کے دوست کے گھر میں پارٹی تھی اس لیے گھر کی چابیاں ہم اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ چنانچہ بھائی کو پارٹی میں کچھ دیر ہوگئی اور ساڑھے گیارہ بج گئے۔ پھر انہوں نے سوچا کہ میں امی جان سے چابیاں لاؤں اور گھر جاؤں چنانچہ وہ سائیکل پر سوار ہو کر دادی اماں کے گھر روانہ ہو گئے۔ ہمارے گھر سے دادی اماں کے گھر کے راستہ میں ایک کالونی پڑتی تھی جو کہ شہر کی سب سے پرانی کالونی ہے۔ جب بھائی اس کالونی میں پہنچے تو ایک خالی پلاٹ جس میں انہوں نے دیکھا کہ شامیانے لگے ہیں اور انتہا کی لائٹنگ ہے۔ لوگ زرق برق لباس پہنے نہایت قیمتی کارپٹ اور فرنیچر پر بیٹھے ہیں جن میں دولہا دلہن بھی شامل ہیں۔ حیرت کی بات یہ کہ یہ سب صرف اس پلاٹ کے اندر تک محدود تھا۔ بھائی کچھ دیر تک دیکھتے رہے۔ ان لوگوں میں سے چند نے انہیں شامل ہونے کے لئے اشارہ بھی کیا لیکن بھائی پہلے ہی لیٹ ہو چکے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ میں پہلے چابیاں لے آؤں اور پھر اس تقریب میں شامل ہوں گا۔ چنانچہ بھائی آگے چل پڑے اور گھر سے چابیاں لے کر دروازے سے ہی واپس آ گئے اور واپسی پر جب انہوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے کیونکہ اب اس پلاٹ میں تقریب کا نام ونشان تک نہ تھا۔ صرف 5 منٹ میں اتنی بڑی تقریب کو سمیٹ لینا انسانوں کا کام کسی صورت نہیں ہوسکتا۔ بھائی یونہی حیران کھڑے تھے کہ وہاں سے گزرنے والے چوکیدار نے بھائی سے پوچھا کہ تم یہاں اس وقت کیوں کھڑے ہو اور کیا دیکھ رہے ہو تو بھائی نے اسے تمام واقعہ سنایا اور پوچھا کہ لوگ کہاں گئے۔ چوکیدار نے بھائی کا کاندھا تھپکا اور پیار سے کہا کہ بیٹا آپ یہاں سے سیدھا گھر جاؤ اور راستے میں کہیں مت رکنا۔ جب ہم گھر واپس آئے تو بھائی نے ہمیں یہ واقعہ سنایا۔ تو ہم سب بہت حیران ہوئے۔ وہ پلاٹ وہاں پر ابھی تک خالی ہے۔ یعنی اس پر گھر نہیں بنا اور اس وقت کی طرح اس کے ایک کونے میں ریت کی ڈھیری بھی ابھی تک لگی ہوئی ہے۔ آج بھی ہمیں جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے بھائی کو کسی بھی نقصان سے محفوظ رکھا۔ (۲۱)

❁❁❁❁❁

روحوں سے ملاقات

ایک عامل نے کہا کہ میں چور کو حضرت سلیمان کے دربار میں بلوالوں گا

کیا آپ ہی مسٹر ملک ہیں؟ اس شخص نے مجھ سے پوچھا اور بجائے اس کے کہ میں ہاں یا ناں میں اسے کوئی جواب دیتا میں نے اپنا منہ شانتی کی طرف کر لیا۔ گویا اس سے استفسار کر رہا ہوں کہ اس شخص کو میرا نام آپ نے بتایا یا یہ اپنے علم کے زور سے مجھے اس نام سے پکار رہا ہے؟ چونکہ شانتی مجھے بتلا چکی تھی کہ حاضرات کی مجلس میں شرکت کے لئے پہلے سے اپنا نام کھلوانا پڑتا ہے اور وقت لینا پڑتا ہے اس لئے میں نے مذکورہ شخص کو اگلا سوال داغنے سے پہلے ہی بتا دیا کہ ہاں مجھے بھی اس نام سے پکارتے ہیں۔ اب وہ شخص کہنے لگا میرے ہاں آپ کا نام موجود ہے۔ آپ کے نام کے سامنے وقت بھی درج ہے لیکن فیس کا کہیں اندراج نہیں۔ کیا آپ نے وقت لیتے سمئے فیس جمع کروا دی تھی یا اب ادا کر رہے ہیں؟ میں نے جواباً کہا۔ میں فیس ادا کر رہا ہوں اور میں نے جیب میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اس سے پوچھا کتنی فیس؟ اور اس کے بتلانے پر میں نے وہ فیس ادا کر دی اس بار وہ مجھ سے کہنے لگا۔ تھوڑا انتظار فرمائیے...... وہ شخص ایک کمرے کا دروازہ کھول کر ہمیں اندر بٹھا کر خود چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ایک ہاتھ میں منرل واٹر کی ایک بوتل تھی اور دوسرے میں دو گلاس یہ سب کچھ وہ ہمارے سامنے رکھ کر ایک بار پھر کہیں چلا گیا۔ میں نے بوتل کا ڈھکنا کھول کر دونوں گلاسوں میں پانی ڈالا پھر ڈھکنا بوتل پر چڑھا کر اسے میز پر رکھ دیا اور ایک گلاس شانتی کے آگے کر دیا۔ دو گھونٹ اس نے لئے اور شاید دو تین میں نے ہم نے گلاسوں کو پھر میز پر رکھ دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ شانتی مجھ سے کچھ پوچھنا چاہ رہی ہے کیونکہ اس کا مسلسل میری طرف دیکھتے رہنا کچھ اس انداز کا تھا کہ میں نے انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ دیا اور خود آنکھیں بند کر کے اس شخص کا انتظار کرنے لگا جو جاتی دفعہ کہہ گیا تھا تھوڑا انتظار فرمائیے۔

اس شخص کے واپس آنے تک مجھے کہا کیا یاد آیا اور کہا کچھ میں نے خود بھلانا چاہا اس کی تھوڑی سی تفصیل لکھ دیتا ہوں تا کہ کل کلاں کو اگر آپ کو بھی حاضرات کی کوئی مجلس اٹینڈ کرنی پڑ جائے تو آپ بھی تجربے کی صحیح امپیکٹ لینے کے لئے خالی الذہن ہوں اور شفاف نتائج اخذ کر سکیں...... یہ میرے بچپن کا ایک واقعہ ہے۔ ہمارے ایک عزیز کے گھر میں چوری ہو گئی۔ چور کیا کچھ لے گئے یہ وہ چور جانیں ہمارا عزیز ہمیں مال مسروقہ کی تھوڑی سے اگ سگ بھی دینے سے گریزاں تھا مگر اس پر بضد تھا کہ اس نے چور کا پتہ لگوا لینا ہے ان دنوں پولیس قدرے ایماندار تھی وہ چور کو ڈھونڈنے اور چوری کے مال کی بازیابی تک سرگرم رہتی تھی اور اگر مدعی نے جھوٹ کیس درج کروایا ہوتا تو وہ اس کی شامت لے آتی تھی۔ ہمارے عزیز پولیس کی کارکردگی اور کچھ پولیس کے ڈر خوف کی وجہ سے پرچہ درج کروانے سے آخر وقت تک ہچکچاتے رہے اور عاملوں کے ذریعے چور کا پتہ یا چور کو ڈھونڈنے کے چکروں میں پڑ گئے۔ یہاں میں یہ کہوں گا اگر عامل حضرات اتنے ہی کامل ہوں اور چور کی نشاندہی اور مال مسروقہ کی تفصیل بتانے کی پوزیشن میں ہوں تو پھر محکمہ پولیس چھتیں، ساڑھے چھتیں انچ والی چھاتی کے نوجوان بھرتی کرنے کی بجائے دو چار عامل ہی رکھ لے۔ بس یہ ٹیوے ہیں ٹل ہیں اور تکے ہیں جو کبھی کبھی لگ جاتے ہیں اور ایک شخص کو عامل بنا دیتے ہیں...... قصہ مختصر میرے عزیز کئی ایک عاملوں کے پیچھے پھرتے رہے لیکن بے سود، ایک عامل نے میرے عزیز سے کہا اگر تمہارے خاندان میں نو سال کی عمر سے کم کوئی لڑکا ہے تو اسے میرے پاس لے آؤ میں چور کو حضرت سلمان کے دربار میں بلوالوں گا میرے عزیز کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی حالانکہ خاندان میں میرے ہم عمر کے اور لڑکے بھی تھے۔ اب میرے عزیز مجھے اپنے خاندان والے شخص کے پاس گئے وہ اس وقت اپنی دوکان میں تھا۔ میرے عزیز اس کے شاگردے اتنا کہہ کر ہم ایک گھنٹہ بعد آتے ہیں واپس گھر آ گئے اور دو گھنٹے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ لے کر اس شخص سے ملنے چل پڑے۔ یہ شخص جس کے پاس ہم دوسری بار آئے ہوئے تھے پیشہ کے لحاظ سے درزی تھا اور عمر کے لحاظ سے کوئی ساٹھ باسٹھ کے پیٹے میں گندہ اتنا کہ اس پر

عیسائی سونے کا گمان ہوتا تھا۔ گندی رنگ، آنکھوں کے ڈیلے باہر کو نکلے ہوئے، دانت پہلے اور منہ سے تمباکو کی بدبو لیکن گفتگو نپی تلی اور وزن دار یہ تھا اس شخص کا حلیہ اور سرمایہ ہمیں اس نے دوکان کے اندر بلا کر بٹھالیا اور اپنے شاگرد کو چائے کا آرڈر دے کر بھیج دیا۔ پھر اس نے اپنی جیب میں سے ایک پنسل نکالی اور اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر رگڑنے لگا۔ ناخن جو پہلے پیلاہٹ کی حد سے زیادہ میلا تھا اب چمکدار سرمئی رنگت میں ڈھلنے لگا۔ پھر اس نے پنسل اپنی جیب میں رکھ لی اور انگوٹھے کے ناخن کو غور سے دیکھنے لگا اور کچھ پڑھنے بھی۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں پھر اس نے آنکھیں کھول کر مجھ سے کہا میرے انگوٹھے پر اپنی نظریں جماؤ اور میرے کچھ پڑھتے رہنے تک اسے دیکھتے رہو۔ پھر اس نے مجھ سے یکے بعد دیگرے یہ سوالات پوچھنے شروع کر دیے کیا تمہیں چاروں کش نظر آ رہے ہیں؟ کیا تمہیں سقے نظر آ رہے ہیں؟ کیا تمہیں دریاں بچھانے والے نظر آ رہے ہیں؟ کیا تمہیں تخت سجانے والے دکھائی دے رہے ہیں؟ کیا تمہیں سجا ہوا دربار نظر نہیں آ رہا؟ کیا تمہیں درباری اپنی کرسیوں پر آ کر بیٹھتے نظر نہیں آ رہے؟ کیا تمہیں بادشاہ سلامت بھی دکھائی نہیں دے رہے؟ میرے اتنا کہنے پر کہ مجھے ابھی تک کچھ بھی نظر نہیں آیا وہ عامل خفگی سے بولا مجھے تو سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ حضرت سلیمان کا دربار لگ چکا ہے درباری اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے ہیں اور اب حضرت سلیمان کی آمد آمد ہے تمہیں یہ سب کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا اور پھر وہ میرے عزیز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا آج رات آٹھ بجے کے بعد اس جگہ بیٹھ کر یہ عمل دوہراؤں گا آپ (یعنی میرے عزیز) مٹی کا ایک نیا دیا، ایک چھٹانک چنبیلی کا تیل ایک نیا مستطیل شیشہ تھوڑی سی روئی اور مٹھائی کا ایک ڈبہ خرید کر لا رکھنا...... میرے عزیز مجھے لے کر واپس گھر تو آ گئے لیکن سارے رستے مجھے کہتے رہے وہ بزرگ آدمی سب کچھ دیکھ رہا تھا اور تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کیا وجہ ہے؟ تم نے دلچسپی نہیں لی اور اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا میرا خیال ہے کہ میں تمہاری جگہ (ایک اور لڑکے کا نام لے کر) اسے اس حاضری میں بٹھاؤں اس پر میں نے کہا یہ آپ کی مرضی ہے لیکن اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہر طرح سے تعاون کروں گا...... رات ہوئی وہ بزرگ آدمی (عامل) بھی آ گیا ادھر مجھے

نہلا دھلا کر سفید جوڑا پہنا دیا گیا تھا اور کچھ خوشبو بھی میرے اوپر مل دی گئی تھی اس شخص نے حاضری کے لئے وہی کمرہ منتخب کیا جس میں چوری کا واقعہ ہوا تھا اور بیٹھنے کے بعد روئی کی بتی بنا کر دیئے میں رکھ دی اور اس میں چنبیلی کا تیل انڈیل دیا اور دیا سلائی سے بتی کو روشن کرنے کی کوشش کرنے لگا پھر اس نے اس جلتے ہوئے دیئے کے سامنے مستطیل شیشہ اسٹینڈ پر کھڑا کر دیا اور مجھے اشارہ کیا کہ میں قریب آ جاؤں میں قریب چلا گیا۔ اس نے مجھے دیئے اور شیشے کے سامنے قعدہ کی حالت میں بیٹھ جانے کی ہدایت کی میں نے اس کے کام کی تعمیل کی اور ادب سے بیٹھ گیا اب وہ میرے بائیں طرف ذرا میرے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اور یہ نئی ہدایت دینے لگا تم نے دیئے کی لائٹ کو نہیں دیکھنا بلکہ شیشے کے اندر دیئے کی لاٹ کا جو عکس نظر آ رہا ہے اس کے اندر دیکھنا ہے ڈرنا بالکل نہیں میں تمہارے پیچھے بیٹھا ہوں اور خود وہ کچھ پڑھنے لگا۔ میرے عزیز ہم دونوں سے تھوڑے فاصلے پر دم بخود ہو کر بیٹھے رہے یہ شخص دو تین منٹ کچھ پڑھنے کے بعد بولنے لگا اب جھاڑو کش صفائی کے لئے آ گئے ہیں، صفائی ہونے لگی ہے اب سقے آ گئے ہیں چھڑکاؤ ہونے لگا ہے اب دریاں بچھنے لگی ہیں کرسیاں رکھی جا رہی ہیں اب درباری آنا شروع ہو گئے ہیں وہ بیٹھتے جا رہے ہیں اب ہر طرف خاموشی ہے بادشاہ سلامت کی آمد آمد ہے کیا تمہیں یہ سب کچھ نظر آ رہا ہے؟ اس پر میں نے کہا مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا سوائے ایک جلتے ہوئے شعلے کے عکس کے اس پر وہ خفا ہو گیا اور میں پسینے سے شرابور پنکھا کمرے میں موجود تھا لیکن وہ اس لئے نہ جلایا گیا کہ کہیں دیئے کی لاٹ نہ ہلنے لگے اور میرے لئے اپنی نگاہیں اس پر مسلسل ٹکائے رکھنا مشکل نہ ہو جائے عامل صاحب نے اپنا عمل دوبارہ شروع کر دیا اور حسب معمول بادشاہ سلامت کی آمد آمد ہے کے جملے کے مجھ سے پوچھنے لگا۔ کیا تمہیں یہ سب نظر آ رہا ہے؟ اور میرے منفی جواب پر قدرے برانگیختہ ہو کر بولا میں ایک بار پھر پورا زور لگا دیتا ہوں ضرور کچھ نہ کچھ نظر آ جائے گا اور اگر تم نے سچ کو چھپانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا حضرت سلمان تمہیں مٹی کے ساتھ مٹی کر دیں گے۔ اب تجسس کے ساتھ خوف کے جذبہ نے بھی میرے ذہن میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ لیکن میں وہی کچھ بتانا چاہتا تھا جو مجھے نظر آئے نہ کہ وہ کچھ جس کے لئے وہ

مجھے تیار کر رہا تھا۔ میرا مطلب ہے میرا عزیز جو اتنا بڑا دعوی کر رہا تھا کہ میں نے چور کا پتہ لگوا لینا ہے اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی عورت یا مرد ضرور بٹھا ہوگا اور وہ خود اس کا نام لینے کی بجائے عامل کے منہ سے یا پھر ایک ایسے نابالغ کے منہ سے جس پر ابھی روزے بھی نہ فرض ہوئے ہوں کہلوانا چاہتا تھا القصہ میں نے عامل کے لئے ایزی ٹول بننا پسند نہ کیا اور تمام عرصہ ہوش و حواس خمسہ سے کام لیتا رہا اور وہی کچھ بیان کرتا رہا جو مجھے دکھائی دیتا رہا...... آج جب بھی آنکھیں بند کر کے اس واقعہ پر ایک تجزباتی نظر ڈال رہا تھا تو مجھے وہ شخص دوسرا راسپوتین لگ رہا تھا میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کسی نے میرا کاندھا ہلایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے سامنے شانتی کھڑی تھی کہنے لگی یہ استقبالیہ کا آدمی کہہ رہا ہے کہ آپ کی باری آچکی ہے اور اندر آپ کا انتظار ہو رہا ہے آپ اس کے ساتھ جائیں اور میں آپ کے واپس آنے تک سونے کی ناکام کوشش کرتی ہوں اب میں اس شخص کے ساتھ بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا مختلف کمروں میں سے گزرتے ہوئے ہم ایک مرے کے دروازے پر پہنچ گئے یہاں وہ شخص مجھ سے کہنے لگا میری حد بس یہیں تک ہے اس سے آگے جانے کی مجھے اجازت نہیں میں اب پلٹا ہوں آپ دروازے پر دستک دیں جو کوئی دروازہ کھولے گا وہ آگے تک آپ کو ایسکورٹ کرے گا میرے کھڑے کھڑے وہ شخص واپس پلٹ گیا۔ میں نے دستک دی دروازہ کھلا ایک آواز آئی لیس کم ان اور میں اندر داخل ہو گیا اندر گھپ اندھیرا تھا اور بالکل خاموشی مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے کہ میں باہر سے آیا تھا لیکن یہ ایسکورٹ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا تھا مجھے اتنا یاد ہے کہ اس اندھیرے میں مجھے فالومی کی ایک آواز آئی تھی اور میں کسی کے قدموں کی چاپ پر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا وہ بھی ایک دروازے پر پہنچ کر رک گیا اور جب میں دروازے کے قریب پہنچ چکا تو اس نے دروازے کا ایک کواڑ کھولا اور آہستہ سے مجھے کہا اندر جایئے جونہی میں کمرے کے اندر داخل ہوا اس نے وہ کواڑ بند کر دیا۔ اب میں کھڑا تھا اور سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس سمت بڑھوں آگے دائیں یا بائیں، پھر مجھے چند کرسیوں کے ہلنے اور کچھ آدمیوں کے حرکت کرنے کا احساس ہوا اور کہیں سے ایک بہت مدھم روشنی کے ایک خالی کرسی پڑنے کا بھی اب میں کمرے کا مختصر جائزہ لینے کی حیثیت میں تھا یہ ایک مستطیل کمرہ تھا درمیان میں انڈے نما ایک میز رکھی تھی جس کے گرداگرد آٹھ کرسیاں تھیں سروں پر دو کرسیاں آمنے سامنے کی خالی تھیں اور دائیں طرف تین کرسیوں پر تین آدمی اور اسی طرح بائیں طرف تین کریوں پر تین آدمی۔ میرے سب سے قریب کھڑے شخص نے مجھے خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا میں بیٹھ گیا اور اسی کے ساتھ وہ کل چھ آدمی جو کرسیوں پر پہلے سے بیٹھے تھے اور میرے کمرے میں داخل ہونے سر اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے۔ مدھم روشنی بھی ماند پڑنے لگی اور بالآخر بجھ گئی...... یہاں میں ایک ذکر ضروری سمجھنے لگا ہوں۔ میرے لئے وقت لیتے وقت شانتی اور یہاں کے کسی شخص کے درمیان کیا گفتگو ہوئی وہ تو مجھے شانتی نے نہیں بتائی لیکن اس کمرے کے اندر جب میرے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے یہ کہا کہ آپ اپنی والدہ کی روح سے ملاقات کرنی پسند کرتے ہو۔ ٹھیک ہے نا؟ تو وہ سب کچھ جو میں نے شیاطین جنات جادو پریوں، روحوں اور بدروحوں کے بارے میں پڑھا تھا میرے دماغ کے کسی کونے میں گونجنے لگا۔ اب میرا دھیان شانتی کی طرف بھی گیا کہ کہیں یہ اس کی کارستانی نہ ہو۔ لیکن وہ اس حلقے کی رکن تو نہ تھی لہٰذا اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ میرے ممکنہ سوالات کی خبر ان تک پہنچاتی۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی سن لیجئے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے خطاب کر رہے تھے کہ اچانک آپ کے منہ سے دو تین بار یہ جملہ نکلا یا ساریا الجبل الجبل یا ساریا نماز کے بعد چند مقتدی آپ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے اور پوچھنے لگے خطبہ میں آپ نے ایک جملہ بولا تھا اس کی سمجھ نہیں آئی۔ حضرت عمر نے اس کی تفصیل بتائی کہ دشمن نے پیچھے سے حملہ کر دیا تھا اور میں ساریا کی توجہ اس پہاڑ کی طرف کروا رہا تھا جہاں سے دشمن بڑھتا چلا آ رہا تھا...... فتح کے کئی روز بعد جب حضرت ساریا مدینہ پہنچے لوگوں نے پہاڑ والے واقعہ کے بارے میں استفسار کیا تو حضرت سارا نے بتایا کہ مجھے حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ پہاڑ کی طرف بھی مڑ کر دیکھو وہاں سے دشمن تم پر حملہ کر رہا ہے۔ میں نے امیر کی اطاعت کی اللہ نے میرے نصرت کی اور میں فتح مند ہوا...... (۲۲)

* * *

خوفناک چڑیل

یہ واقعہ میرے ایک دوست کے والد کے ساتھ پیش آیا۔ آیئے ان کی زبانی سنتے ہیں۔

یہ واقعہ ان دنوں کا ہے جب میں نے میٹرک کے امتحان دیئے تھے اور اپنی نانی کے ہاں شاہلا کوٹ گیا ہوا تھا۔ مجھے پرانے کھنڈر اور عمارتیں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ہاں تو میں نے اپنے کزن کاشف سے کہا کہ یہاں کوئی پرانا مکان یا کھنڈر ہیں تو اس نے کہا جی ہاں ہم تمہیں کل ہی پرانے قبرستان لے چلتے ہیں۔ مگر شرط نہیں لگانی کہ وہاں کیا کیا کرنا ہے۔ ورنہ ساری عمر نہیں آئیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہیں۔ میں نے بھی سن رکھا تھا کہ یہ قبرستان بہت خطرناک ہے۔ مگر مجھے اس پر یقین نہ تھا۔ قبرستان گاؤں سے تقریباً 15 یا 20 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ہمیں ایک موٹر سائیکل بھی درکار تھی۔ جو میرے کزن کاشف کی تھی۔ ہمیں وہاں جانے کے لئے تقریباً ایک گھنٹہ ہی لگا ہوگا کہ ہم وہاں پہنچ گئے۔ سامنے قبرستان تھا۔ اور اس کے گیٹ پر تاریخ لکھی ہوئی تھی۔ جو تقریباً صدیوں پرانا تھا۔ وہاں پر اب کوئی شخص کسی کو بھی دفنانے نہیں جاتا تھا۔ جب ہم اندر گئے تو وہاں دیکھ کر حیران ہو گئے کہ قبریں پھٹی ہیں اور اندر مردے صاف نظر آ رہے ہیں۔ ہڈیوں کے پنجرے دیکھ کر ہمارے ہوش کھو گئے اب شام کے ساڑھے 6 بج رہے تھے ہم نے گھر میں اطلاع کی تھی کہ ہم اپنے دوست کی سالگرہ پر جا رہے ہیں تو ہمیں اجازت مل بھی گئی تھی۔ اور قبرستان میں پرانے درختوں کی وجہ سے کافی سناٹا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ میں نے اپنی ٹارچ روشن کی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن ہمیں کچھ نظر نہ آیا میں نے جب اپنی ٹارچ سے مندر کی اوٹ میں دیکھا تو ہمیں وہاں سے دھواں نکلتا دکھائی دیا۔ ہم دونوں نے ہمت کی اور وہاں چلے گئے جب ہم وہاں پر پہنچے تو ایک بوسیدہ قبر سے دھواں نکل رہا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بھیانک چہرہ میں تبدیل ہو گئی۔ اس چڑیل کے منہ سے 2 فٹ کے قریب دو دانت باہر کو لٹک رہے تھے اس کی آنکھیں سرخ شعلے اگل رہی تھی ہم نے وہاں سے دوڑ لگا دی اور کافی دور بھاگ آئے اور اپنی سانس کو بحال کرنے لگے کہ ہمارے سامنے مردے قبرستان سے نکل رہے تھے اور جلدی ہی ہمارے گرد حصار بنا لیا۔ اور وہ چڑیل ہمارے قریب آ کر کاشف کو اٹھانے لگی مگر دور جا کر گری اس لئے کہ کاشف کے گلے میں ایک اللہ کا نام جو لاکٹ پر کندہ تھا وہ دیکھ کر دور جا گری پھر سنبھل کر میری طرف آئی کاشف نے وہی لاکٹ میرے گلے میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے کے لاکٹ میرے گلے میں پہنچا کاشف کا گلہ خالی ہو گیا اور چڑیل نے کاشف کو پکڑا اور غائب ہو گئی۔ اگلے دن میں نے اپنے پیر بابا سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے کہا مجھے سب معلوم ہے اور تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔ میں نے اپنے پیر سے کہا وہ کیا ہے اس نے کہا میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں جو تمہیں اسی جگہ پر کرنا ہوگا جہاں پر چڑیل کاشف کو اٹھا کر لے گئی تھی۔ میں نے کہا آپ مجھے بتائیں میں تیار ہوں تو پیر بابا نے اسے وظیفہ بتایا۔ اور میں وہاں قبرستان کے وسط میں چلا گیا اور اپنے گرد دائرہ لگا کر بیٹھ گیا اور اپنا تین دن کا وظیفہ شروع کر دیا مجھے پہلے اور دوسرے دن تو کچھ نہ ہوا مگر تیسرے دن جب میں وظیفہ کے درمیان پہنچا تو قبروں سے مردے اٹھتے نظر آئے اور میری طرف بھاگنے لگے پیر جی کی آواز آئی کہ بیٹھے رہو یہ خود بخود مر جائیں گے۔ میں اپنا وظیفہ پڑھنے لگا اور مردے میرے قریب آئے اور خود بخود آگ میں جل گئے کچھ دیر بعد وہی چڑیل آئی اور کہنے لگی مجھے معاف کرو۔ میں تم کو کچھ نہیں کہوں گی۔ کاشف کو بھی واپس کر دوں گی۔ میں نے اپنا وظیفہ روک لیا۔ پھر مجھے پیر صاحب کی آواز آئی یہ تمہیں بھی مار دے گی۔ یہ تمہیں کاشف نہیں واپس کرے گی۔ اس کو ختم کر دو۔ میں نے اپنا وظیفہ پھر شروع کر دیا۔ اور چڑیل کو آگ لگ گئی اور مر گئی جہاں مری تھی وہاں پر سوائے راکھ اور کچھ نہ تھا میں کاشف کو قبرستان میں تلاش کرنے لگا پھر مجھے آواز آئی بیٹا تم مندر کی پچھلی جانب جاؤ وہاں پر ایک بہت بڑا کمرہ ہے اس میں کاشف کو قید کیا ہوا ہے اور تم اس کو اور وہ راکھ جو چڑیل کی ہے لے آؤ ورنہ یہ خطرناک چڑیل دوبارہ بھی واپس آ سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا شیطان بہت شکتی والا ہے میں نے وہ راکھ کو اپنے مال میں اکٹھا کر لیا اور کاشف کو ساتھ لیا واپس باہر آئے تو ہمیں اپنی موٹر سائیکل دیکھ کر حیرانگی ہوئی کہ یہ ابھی تک یہاں ہے اور جب ہم اپنے پیر کے پاس گئے تو ہم نے اسے سلام کیا اور وہ رومال ان کو دے دیا۔ اور اپنے گھر چل پڑے ہمارے گھر والے بڑے پریشان تھے اور کہنے لگے آج آپ کو گھر سے گئے 4 دن ہو گئے ہیں ہم نے ان کو یہ مکمل داستان سنائی تو وہ بہت حیران ہوئے اور اس پیر صاحب کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ (۲۳)

انوکھے شاہ صاحب

میں آج بھی اس مادرزاد ننگے پیر کی کرامات فراموش نہیں کر سکا

یہ تقریباً چالیس برس پہلے کا واقعہ ہے اور بیان اس لئے کر رہا ہوں کہ میں خود بھی اس کہانی کا ایک کردار ہوں۔ ان دنوں میرے گھر والے اپنے رشتہ داروں کے ہاں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ یہ گھر میرے پھوپھی زاد بھائیوں کا تھا۔ ایک کا نام نور خان تھا جو کہ دکاندار تھا۔ جبکہ دوسرا زمینداری کرتا تھا۔ اگر چہ میرے گھر والے اس مکان میں رہتے تھے مگر میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں پنڈی میں رہتا تھا۔

ایک دن جب میں چھٹی پر گھر آیا ہوا تھا وہاں ایک افسوسناک واقعہ ہو گیا۔ ہوا یوں کہ میرے پھوپھی زاد نور خان کے سیف میں رکھے ہوئے کانٹوں کی ایک جوڑی نکل گئی۔ نور خان کو شک تھا کہ یہ سونے کی چوڑیاں میرے گھر والوں میں سے کسی نے اٹھائی ہیں جبکہ میرے گھر والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا چونکہ رشتہ داری کا معاملہ تھا اس لئے میں نے پھوپھی زاد کو کانٹوں کی نئی جوڑی بنوا دی۔

ابھی اس واقعہ کو چند روز بھی نہ گزرے تھے مجھے بذریعہ خط اطلاع ملی کہ گھر میں میرے پھوپھی زاد نے کچھ رقم رکھی ہوئی تھی اس میں سے سو سو کے تین نوٹ غائب ہو گئے ہیں پھر کچھ دن چھوڑ کر چھوٹی بچی کی بالیاں غائب ہو گئی ہیں۔

میں جب چھٹی پر گھر آیا تو میری پھوپھی زاد بہن کہنے لگی ’’بھائی جان میں نے تین سو روپے قرآن مجید کے صفحات میں رکھے ہوئے تھے ایک روز میں نے جب دیکھا تو اس میں سے سو روپے کا ایک نوٹ غائب تھا مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ یہ سب کیسے ہوا مگر میں خود کو گھر والوں کے سامنے چور محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے کئی جگہ حساب بھی کروایا ہے۔ تعویذ بھی لا کر رکھے ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سب گھر والوں کا کہنا ہے کہ اگر گھر سے ایسے چیزیں

غائب ہونے لگیں تو بنک بھی خالی ہو جائیں۔ لہٰذا اس نئی مصیبت کا کوئی حل ہونا چاہیے۔

میں نے اپنی پھوپھی زاد بہن کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ ضرور کوئی راہ دکھائے گا اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں اور میرے پھوپھی زاد بھائی اور بہن ایک ہی کمرے میں بیٹے تھے۔ ساتھ میں ایک اور کمرہ تھا جس میں گھر کا قیمتی سامان اور زیورات وغیرہ بھی رکھے تھے۔ ہم باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک ساتھ والے کمرے سے تڑک کی آواز آئی جیسے کوئی سخت چیز ٹوٹ گئی ہو۔ آواز سن کر ہم سب چونک پڑے۔ میرا چھوٹا پھوپھی زاد جو بالکل سادہ طبیعت کا مالک تھا اس نے کہا ’’میرے خیال میں ہمارا کچھ نقصان ہو گیا ہے۔ پھر اگلے ہی لمحے جب ہم نے اندر جا کر دیکھا تو صندوق کا کنڈا کھل کر نیچے کی طرف لٹکا ہوا تھا اور اس میں جو رقم تھی اس میں سے سو سو روپے کے دو نوٹ غائب تھے مگر میرا ذہن اب بھی یہ بات قبول نہیں کر رہا تھا بلکہ مجھے تو یہ سب ڈرامہ لگتا تھا۔‘‘

خیر میں چھٹی کاٹ کر واپس راولپنڈی چلا گیا۔ چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ میری پھوپھی زاد بہن میرے پاس اکیلی راولپنڈی آئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرا آج کل کے پیروں فقیروں پر نہ پہلے اعتماد تھا اور نہ اب ہے۔ ایک تو گھریلو نقصان ہو رہا ہے۔ دوسرا میں بھائیوں کے سامنے چور بنی جا رہی ہوں۔ مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ مری سے دو تین میل آگے ایک سید فقیر ہیں جن کا نام لال شاہ ہے۔ وہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ ان سے حساب کرانے کے لئے آپ میرے ساتھ چلیں۔ بہرکیف اس پیر کی تلاش میں ہم دونوں مری چلے گئے۔ لاری اڈہ سے اتر کر دوسری گاڑی میں بیٹھ کر جہاں لال شاہ صاحب کا ڈیرہ نزدیک ہی تھا سڑک پر اتر گئے۔ سڑک سے نیچے کافی ڈھلوان تھی۔ ان دنوں بڑی سخت برف باری ہو رہی تھی اور سخت جھکڑ چل رہے تھے۔ ہم نے لوگوں سے راستہ پوچھ کر نیچے کی طرف جانا شروع کیا۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ کہ راستے میں تھوڑی تھوڑی جگہ پر الگ الگ مکان بنے ہوئے تھے۔ وہاں شروع دیہات کی طرح گلیاں وغیرہ نہیں تھیں۔ اس لئے ہمیں جگہ

جگہ۔ جب کوئی مرد یا عورت ملتی تو اس سے راستہ دریافت کرنا پڑتا۔ وہ لوگ ہمیں راستہ بھی بتاتے اور ساتھ ہی کھانے وغیرہ کا بھی پوچھتے۔ غالباً وہ شاہ صاحب کی وجہ سے مسافروں کا احترام کر رہے تھے۔ ایک آدھ گھنٹے میں ہم شاہ صاحب کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ وہاں جاتے ہی میں نے کیا دیکھا کہ شاہ صاحب چاروں طرف پہاڑیوں کے درمیان تھوڑی سی ہموار جگہ پر ماورازاد ننگے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور صحت کے لحاظ سے اتنے کمزور نظر آتے تھے کہ جیسے ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔

وہ پاؤں کے بل گھٹنوں کو سکیڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد تقریباً سو کی تعداد میں آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور چند عورتیں تھوڑی دور ایک چھوٹے سے درخت کی اوٹ میں بیٹھی ہوی تھیں۔ میں نے پھوپھی زاد بہن کو ان کے ساتھ بٹھا دیا۔ اور خود ان آدمیوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔

وہاں میں نے یہ دیکھا کہ شاہ صاحب آدمیوں کو اپنی زبان میں گالیاں دے رہے ہیں اور ایک آدمی کے ہاتھ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں یعنی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گولائی میں انہیں گھما رہے ہیں۔ اس طرح بیک وقت چالیس چالیس پچاس آدمی گولائی میں جدھر شاہ صاحب منہ کرتے ہیں اسی طرف گھوم جاتے ہیں۔ میں ان آدمیوں سے پیچھے تھوڑا ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ یا تو ہم سب لوگ پاگل ہیں یا شاہ صاحب کے دماغ میں کوئی فرق ہے۔ یہ نہ کسی سے کوئی بات پوچھتے ہیں اور نہ کچھ کہتے ہیں بلکہ سوائے گالی اور مار کے کچھ بھی نہیں کرتے۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ میں جس مقصد کے لئے آیا ہوں۔ وہ یہاں پورا نہیں ہوگا۔ لوگ شاہ صاحب کے لئے عام طور پر نسوار کے پڑے لاتے تھے۔ شاہ صاحب نسوار کے ہر پڑے میں سے چٹکی بھر نسوار لیتے تھے اور باقی پھینک دیتے تھے۔

اسی طرح ایک آدمی نے کیک دیا۔ شاہ صاحب نے اس کا کاغذ اتار کر رکھ لیا اور باقی کیک پھینک دیا۔ ایک آدمی جس کی عمر تقریباً ۳۰ سال ہوگی۔ اس نے بھی نسوار کا پڑا آگے کیا۔ شاہ صاحب کے پاس ایک سونٹی جو کہ بانس کی بنی ہوئی تھی وہ چھڑی انہوں نے اس

آدمی کی ٹانگوں پر مارنا شروع کر دی۔ اور ساتھ ہی گالیاں بھی دیتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قتل کر کے میرے پاس آ جاتے ہو۔ میں کوئی مجسٹریٹ لگا ہوا ہوں۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ۔ اس آدمی کو مار پڑ رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ آگے ہی آگے ہو رہا تھا۔ جب شاہ صاحب نے کہا کہ دفعہ ہو جاؤ تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس آدمی کے پاس گیا تو اس نے بتایا۔

”میں ہری پور ہزارہ کا رہنے والا ہوں اور مجھ سے جھگڑے کے دوران قتل ہو گیا تھا۔ اب میں ضمانت پر آیا ہوں۔ اور شاہ سے دعا کرانے کی غرض سے آیا تھا میں نے شاہ صاحب کو تو کچھ نہیں بتایا۔ وہ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ جا دفعہ ہو جا۔ بری ہو جائے گا۔ میں انشاءاللہ اب بری ہو جاؤں گا۔“

ادھر مجھے نزدیک جانے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور دوسرا میں مار سے بھی ڈر رہا تھا۔ ابھی چند لمحے گزرے ہوں گے۔ دو سوٹڈ، بوٹڈ نوجوان آتے ہی شاہ صاحب کے قریب بیٹھ گئے۔ دوسرے آدمی تھوڑا پیچھے ہٹ گئے۔ شاہ صاحب نے بھونی بیٹھ کر اپنی پنڈلیوں کو ان کے آگے کر دیا۔ انہوں نے پنڈلیوں کو دبانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر پہلے شاہ صاحب نے کیک سے جو کاغذ اتارا تھا وہ کاغذ انہوں نے پھاڑ کر ان نوجوانوں کو دے دیا۔ انہوں نے وہ کاغذ تہ کر کے کوٹ کی اندر کی جیب میں ڈال لیا۔ پھر شاہ سے پوچھا کہ ہمیں اجازت ہے، ہم لوگ جائیں تو شاہ صاحب نے انہیں کہا (گھپو) یعنی جاؤ۔ میں حیران اور پریشان تھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے یہاں تو لوگوں کو دھکے اور گالیوں کے علاوہ مار بھی پڑتی ہے۔ مگر ان کے ساتھ اچھا سلوک بھی کیا اور جلدی واپسی کی اجازت بھی دے دی۔ جب وہ دونوں لڑکے منڈیر پر جانے کے لئے چڑھے تو میں ان کے آگے ہو گیا۔ اور پوچھا کہ آپ لوگوں کا کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارا خاندان سڑکوں کا ٹھیکیدار ہے اور ہم جدّی پشتی شاہ صاحب کے مرید ہیں ہمیں جب بھی کوئی مشکل پڑتی ہے حتی کہ اگر کوئی گھر میں بیمار بھی ہو تو ہم ڈاکٹر کی بجائے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اب ہمارے بل رکے ہوئے ہیں اور ان کی ادائیگی میں افسران لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں اور ہمارا کام رکھنے کا خطرہ پڑ گیا ہے۔ لہٰذا اب ہم

ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ مریدگی کی وجہ سے اچھا پیش آتے ہیں۔ جو کاغذ انہوں نے دیے ہیں سمجھو کہ ہمیں رقم مل جائے گی اور جاتے ہی ہمارا کام ہو جائے گا۔

اب ظہر کا وقت ہو چکا تھا مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ وہاں قریب ہی شاہ صاحب کا خادم بھی تھا جس نے دال اور روٹی پکا رکھی تھی۔ میں نے اس سے پیسوں کے عوض دال اور دو روٹیاں لیں۔ میں نے پھوپھی زاد بہن کو کہا کہ تم بھی کچھ لقمے کھا لو۔ مگر اس نے کہا کہ مجھے بھوک نہیں۔ تم خود کھا لو اور شاہ صاحب کے قریب جاؤ۔ کیونکہ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ اور رات کو ہمیں ہر حالت میں پنڈی پہنچنا ہے۔ میں نے کہا کہ کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔

آخر میں شاہ صاحب کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں یہاں آپ کو بتاتا چلوں کہ ہم دو دوستوں نے محرّم کے احترام میں ڈاڑھی نہ منڈوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ محرّم کے جب دس دن گزر گئے تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ڈاڑھی ہم کو اچھی لگتی ہے۔ اس لئے اب نہیں منڈوائیں گے، لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ ڈاڑھی کی وجہ سے کچھ لوگ ہمیں اوئے صوفی اوئے ملاں کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اچھی قسم کے بابو لوگ تھے۔ کوٹ پتلون اور کلین شیو میں۔ لوگ احترام بھی کرتے تھے اور بعض تو ہمیں کوئی چھوٹا موٹا افسر بھی سمجھتے تھے۔

بہر حال میں تو اب تک اللہ کے فضل و کرم سے قائم ہوں مگر میرے دوسرے دوست نے چھ ماہ بعد ہی ڈاڑھی صاف کرا دی تھی تاہم نماز کے اتنے عادی بھی نہیں تھے اور نہ ہی نماز کی مکمل پابندی تھی۔ قصہ مختصراً یہ کہ جونہی میں شاہ صاحب کے نزدیک گیا۔ انہوں نے اس زور سے میرے منہ پر مکہ رسید کیا کہ مجھے دن کے وقت تارے نظر آنے لگے۔ میں سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ مگر شاہ صاحب بائیں طرف منہ کر کے کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ مگر نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اب مجھے سمجھ آیا کہ یہ مجھ سے مخاطب ہیں۔ ایک لمحہ ٹھہر کر پھر کہنے لگے۔

"تمہیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے بٹھائے رکھا ہے کہ تمہاری جو چیزیں گم ہوئیں وہ واپس لائی جا سکیں۔ مگر اس مکان پر اور گھر پر اتنی پلیدی ہے کہ وہاں نوری

فرشتے جا نہیں سکتے۔ اب آئندہ آگے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تم (گچھو) جاؤ۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ لاری تیار ہے۔ جلدی (گچھو) جاؤ۔"

وہ خدمت گار لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ تمہیں اجازت ہو گئی ہے۔ اب تمہارا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔"

میں نے تو شکر کیا کہ میری جان چھوٹ گئی ہے۔ خیر ہم اسی وقت مری کے لئے واپس چل پڑے۔ اس وقت مری سے آخری بس ۴ بجے چلتی تھی۔ جب ہم پہنچے تو ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کئے کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے ہی انتظار میں ہو۔ ہم فوراً لاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی نے ہمیں پنڈی پہنچا دیا۔ میں نے راستے میں ساری بات پھوپھی زاد بہن کو بتائی۔ اور پوچھا کہ تم تو پیروں فقیروں کو نہیں مانتی تھی۔ اب ان کے پاس آنے کا کیسے ارادہ کیا۔

مجھے اس نے بتایا کہ واقعہ یوں ہے کہ ہمارے گاؤں کے پاس ایک نہایت ہی چھوٹی سی ڈھوک جس میں پچاس ساٹھ گھر آباد ہیں۔ اس ڈھوک کے ایک آدمی کی بہت اچھی نسل کی دودھ دینے والی گائے تھی۔ جو دوسرے مویشیوں کے ساتھ چرانے کے لئے گاؤں کے باہر کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ ڈھوک کے ساتھ میدانی علاقہ کے علاوہ کس والی یعنی کھڈ والی جگہ تھی۔ مویشی چرتے چراتے اس طرف نکل گئے۔ اتفاق سے ایک گائے چرتے چرتے ایک کھڈ جس کی گہرائی تقریباً ڈھلوان کی شکل میں پانچ چھ فٹ کے قریب تھی۔ اس کے اندر لڑھک گئی۔ گائے نے باہر نکلنے کی کافی کوشش کی مگر وہ باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر تھک ہار کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ جب باقی مویشی چر کر واپس آ گئے تو مالک کو فکر ہوا کہ ایک گائے واپس نہیں آئی۔ لہٰذا اس نے تلاش کرنی شروع کر دی۔ ڈھوک کے دوسرے آدمیوں نے بھی بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی اور رات پڑ گئی۔ دوسرے دن انہوں نے قریبی گاؤں اور منڈیوں میں تلاش کیا۔ مگر گائے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ان کا خیال تھا کہ گائے کو چور کسی دور دراز علاقے میں لے گئے ہیں۔

ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ مریدگی کی وجہ سے اچھا پیش آتے ہیں۔ جو کاغذ انہوں نے دیے ہیں سمجھو کہ ہمیں رقم مل جائے گی اور جاتے ہی ہمارا کام ہو جائے گا۔

اب ظہر کا وقت ہو چکا تھا مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ وہاں قریب ہی شاہ صاحب کا خادم بھی تھا جس نے دال اور روٹی پکا رکھی تھی۔ میں نے اس سے پیسوں کے عوض دال اور دو روٹیاں لیں۔ میں نے پھوپھی زاد بہن کو کہا کہ تم بھی کچھ لقمے کھالو۔ مگر اس نے کہا کہ مجھے بھوک نہیں۔ تم خود کھالو اور شاہ صاحب کے قریب جاؤ۔ کیونکہ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ اور رات کو ہمیں ہر حالت میں پنڈی پہنچنا ہے۔ میں نے کہا کہ کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔

آخر میں شاہ صاحب کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں یہاں آپ کو بتاتا چلوں کہ ہم دو دوستوں نے محرّم کے احترام میں ڈاڑھی نہ منڈوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ محرّم کے جب دس دن گزر گئے تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ڈاڑھی ہم کو اچھی لگتی ہے۔ اس لئے اب نہیں منڈوائیں گے، لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ ڈاڑھی کی وجہ سے کچھ لوگ ہمیں اوئے صوفی اوئے ملاں کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اچھی قسم کے بابو لوگ تھے۔ کوٹ پتلون اور کلین شیو میں۔ لوگ احترام بھی کرتے تھے اور بعض تو ہمیں کوئی چھوٹا موٹا افسر بھی سمجھتے تھے۔

بہر حال میں تو اب تک اللہ کے فضل و کرم سے قائم ہوں مگر میرے دوسرے دوست نے چھ ماہ بعد ہی ڈاڑھی صاف کرادی تھی تاہم نماز کے اتنے عادی بھی نہیں تھے اور نہ ہی نماز کی مکمل پابندی تھی۔ قصہ مختصراً یہ کہ جونہی میں شاہ صاحب کے نزدیک گیا۔ انہوں نے اس زور سے میرے منہ پر مکہ رسید کیا کہ مجھے دن کے وقت تارے نظر آنے لگے۔ میں سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ مگر شاہ صاحب بائیں طرف منہ کر کے کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ مگر نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اب مجھے سمجھ آیا کہ یہ مجھ سے مخاطب ہیں۔ ایک لمحہ ٹھہر کر پھر کہنے لگے۔

”تمہیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے بٹھائے رکھا ہے کہ تمہاری جو چیزیں گم ہوئیں وہ واپس لائی جا سکیں۔ مگر اس مکان پر اور گھر پر اتنی پلیدی ہے کہ وہاں نوری

فرشتے جا نہیں سکتے۔ اب آئندہ آگے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ تم (گچھو) جاؤ۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ لاری تیار ہے۔ جلدی (گچھو) جاؤ۔“

وہ خدمت گار لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ تمہیں اجازت ہو گئی ہے۔ اب تمہارا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔“

میں نے تو شکر کیا کہ میری جان چھوٹ گئی ہے۔ خیر ہم اسی وقت مری کے لئے واپس چل پڑے۔ اس واقت مری سے آخری بس ۴ بجے چلتی تھی۔ جب ہم پہنچے تو ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کئے کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے ہی انتظار میں ہو۔ ہم فوراً لاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی نے ہمیں پنڈی پہنچا دیا۔ میں نے راستے میں ساری بات پھوپھی زاد بہن کو بتائی۔ اور پوچھا کہ تم تو پیروں فقیروں کو نہیں مانتی تھی۔ اب ان کے پاس آنے کا کیسے ارادہ کیا۔

مجھے اس نے بتایا کہ واقعہ یوں ہے کہ ہمارے گاؤں کے پاس ایک نہایت ہی چھوٹی سی ڈھوک جس میں پچاس ساٹھ گھر آباد ہیں۔ اس ڈھوک کے ایک آدمی کی بہت اچھی نسل کی دودھ دینے والی گائے تھی۔ جو دوسرے مویشیوں کے ساتھ چرانے کے لئے گاؤں کے باہر کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ ڈھوک کے ساتھ میدانی علاقہ کے علاوہ کس والی یعنی کھڈ والی جگہ تھی۔ مویشی چرتے چراتے اس طرف نکل گئے۔ اتفاق سے ایک گائے چرتے چرتے ایک کھڈ جس کی گہرائی تقریباً ڈھلوان کی شکل میں پانچ چھ فٹ کے قریب تھی۔ اس کے اندر لڑھک گئی۔ گائے نے باہر نکلنے کی کافی کوشش کی مگر وہ باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر تھک ہار کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ جب باقی مویشی چر کر واپس آ گئے تو مالک کو فکر ہوا کہ ایک گائے واپس نہیں آئی۔ لہٰذا اس نے تلاش کرنی شروع کر دی۔ ڈھوک کے دوسرے آدمیوں نے بھی بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی اور رات پڑ گئی۔ دوسرے دن انہوں نے قریبی گاؤں اور منڈیوں میں تلاش کیا۔ مگر گائے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ان کا خیال تھا کہ گائے کو چور کسی دور دراز علاقے میں لے گئے ہیں۔

گائے کے مالک کا ایک لڑکا جو فوج میں مری ملازم تھا، تیسرے دن کسی آدمی نے اس کو خبر دی کہ تمہاری گائے گم ہوگئی ہے اور آج تیسرا دن ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اب مالکوں کو یہ شک ہی نہیں تھا کہ ہماری گائے لڑھک کر کسی گہرے کھڈ میں پڑی ہوئی ہے، چونکہ گائے کے فوجی مالک کو شاہ صاحب کے بارے میں کچھ معلومات تھیں، لہٰذا وہ یونٹ سے اجازت لے کر فوراً لال بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی وہ شاہ کے سامنے ہی ہوا تھا۔ اور لوگ ہمیشہ کی طرح ان کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے فوجی کو دیکھتے ہی کہا کہ (ہیراچھ) ادھر آؤ۔ تمہاری گائے گاؤں کے ساتھ کھڈ میں بھوکی پیاسی پڑی ہے۔ بے زبان کو فوراً اسی وقت جا کر نکالو۔ فوجی سنتے ہی اپنی یونٹ سے ایک دن کی چھٹی لے کر اسی وقت پنڈی آ گیا۔ وہاں سے ایک ہی ٹرین شام کو بھون کی طرف آتی تھی۔ بسیں اس وقت کم تعداد میں ملتی تھیں۔ لہٰذا وہ ٹرین پر بیٹھ رات نو بجے اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ اس نے گاؤں والوں کو بتایا کہ آپ فوراً لالٹینیں لے کر مذکورہ جگہ گائے کو تلاش کریں۔ لہٰذا سب لوگ اپنی اپنی بتیاں لے کر اسی طرف چل پڑے۔ آخری تھوڑی سی کوشش کے بعد گائے کو کھڈ میں پڑے ہوئے دیکھا۔ گاؤں سے رسے منگوا کر بہت سے آدمیوں نے مل کر اس کو کھینچ کر باہر نکالا۔ گائے کافی کمزور تھی۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ تھی۔ بھوکی اور پیاسی تھی۔ اس لئے اس کو تھوڑا سا گندم کا چارہ اور تھوڑا سا گرم پانی پینے کے لئے دیا، تو اس میں چلنے کی طاقت بحال ہوگئی۔ اور وہ لوگ گائے کو گھر لے آئے۔

لہٰذا یہ بات جب میری پھوپھی زاد بہن کو معلوم ہوئی تو فوراً میرے پاس پنڈی چلی آئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت سے لے کر آج تک کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اور یہ گھر بہت بڑی تباہی سے بچ گیا، کیونکہ گھر کا ہر فرد ایک دوسرے کو چور سمجھ رہا تھا۔

شاہ صاحب آج اس دنیا میں نہیں ہیں مگر ان کی کرامات مجھے مرتے دم تک نہیں بھولیں گی۔ (۲۴)

* * *

جنات اور جادو کا علاج ناممکن نہیں!

روحانی امراض کی تشخیص اور علاج کے ماہر سید مزمل حسین شاہ سے انٹرویو

میرے لیے یہ خبر کسی اچنبے سے کم نہ تھی۔ جب میرے ایک صحافی دوست سیف اللہ خالد نے بتایا کہ ان کے ایک دوست شاہ صاحب موکلات کی کتاب حاضری کے ذریعے ہر قسم کے روحانی امراض کی تشخیص کا عمل جانتے ہیں۔ یہ خبر سن کر مجھے مزید تفصیل جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک دن میں سیف اللہ خالد صاحب کے ہمراہ کتاب پر موکلات کی حاضری کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے موکلات کی حاضری کا عمل دکھانے کی استدعا کی۔ رسمی تعارف اور حال واحوال کے بعد سید مزمل حسین شاہ صاحب نے کتاب پر موکلات کی حاضری کا عمل دکھایا۔ اس حاضری کے عمل کے دوران شاہ صاحب کو ایک معاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حاضری میں معاونت کے لئے شاہ صاحب نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا تا کہ مجھے مشاہدہ کرنے میں آسانی رہے۔ حاضری کا یہ عمل میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا، حیران کن اور ناقابل یقین۔ میں نے بہت باریک بنی کے ساتھ ہر طرح سے تسلی کی کہ حاضری کے اس عمل میں کہیں شعبدہ بازی کا عمل دخل تو نہیں۔ مگر مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ حاضری کے اس عمل میں پس پردہ کوئی ان دیکھی غیر مرئی قوت کام کرتی ہے۔ جو ہمیں نظر تو نہیں آتی مگر ہمارے سوالات کے بعد ردعمل کا اظہار ضرور کرتی ہے، جو ہمیں صاف طور پر کتاب کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے۔

حاضری کا یہ عمل تقریباً پانچ منٹ تک جاری رہا۔ اس دوران میں نے مختلف سوالات کے جوابات دریافت کئے۔ ان کا صحیح جواب ملا۔ حاضری کے مبنی برحقیقت ہونے پر میرا یقین اس وقت مزید پختہ ہو گیا جب سید مزمل حسین شاہ صاحب نے میرے متعلق سوال پوچھ لیا کہ جو صاحب حاضری کے عمل میں شریک ہیں وہ خود عامل تو نہیں؟ تو کتاب بائیں

طرف کو گھوم گئی۔ یعنی جواب ''نہیں'' میں ملا۔ دوسرا سوال انہوں نے یہ کیا کہ کیا یہ صاحب روحانی عملیات کے شعبہ کو سمجھتے ہیں تو جواب ملا ''ہاں''۔ یعنی کلاک تیزی کے ساتھ دائیں طرف گھوم گئی۔ شاہ صاحب کے ساتھ چونکہ یہ میری پہلی ملاقات تھی اس لئے انہوں نے بغیر کسی تکلف کے میرے متعلق اپنی تسلی کر لی کہ آنے والے کا اصل مقصد کیا ہے۔

سید مزمل حسین شاہ صاحب سے پہلی ملاقات ہی بہت خوشگوار رہی۔ ان سے مل کر اندازہ ہوا کہ اس جہان میں دولت کی ہوس سے بے نیاز ہو کر روحانی امراض کا علاج کرنے والے ابھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ شاہ صاحب نے کم عمری میں ہی روحانی عملیات میں وہ کمال حاصل کر لیے ہیں جس کے لیے لوگوں کو برسوں خاک چھاننا پڑتی ہے۔ شاہ صاحب کی مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے پاس لمحہ بھر کے لئے بھی فالتو وقت نہیں ہوتا۔ اس لئے مقررہ اوقات ملاقات کے علاہ ان سے انٹرویو کے لیے وقت حاصل کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب کے پاس ہر وقت روحانی امراض میں مبتلا مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے انہوں نے مدرسہ علوم ربانیہ کے نام سے ایک درس گاہ کی بنیاد بھی رکھی ہے۔ جہاں علاقے کے بچوں کو بلا معاوضہ اسلامی علوم سکھائے جاتے ہیں۔ مدرسہ میں درس و تدریس کے بعد جو وقت بچتا ہے وہ مدرسہ سے ملحقہ مطب میں مریضوں کے علاج پر صرف ہو جاتا ہے۔

ہمہ وقت جہالت و گمراہی کے خلاف برسر پیکار اس انسان دوست شخصیت سے بالآخر مجھے انٹرویو کا وقت مل ہی گیا۔ شاہ صاحب کا یہ انٹرویو قارئین کو روحانی امراض کی حقیقت اور ان کے علاج سے متعلق مفید معلومات مہیا کرے گا۔ روحانی صلاحیتوں سے مالا مال، عامل باعمل سید مزمل حسین شاہ صاحب نے اپنے ابتدائی حالات زندگی اور خاندانی پس منظر کے سوال کے جواب میں فرمایا:

''میرے والد محترم حضرت مولانا سید غلام ربانی شاہ صاحب ساہیوال کے قریب ایک گاؤں ''بلوآنہ'' میں معروف طبیب کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انہوں نے گھر میں

بچوں کی تعلیم کے لئے ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی بنایا ہوا تھا۔ جبکہ گاؤں کی مسجد میں امامت کے فرائض بھی ان کے ذمہ تھے۔ اس کے علاوہ میرے والد محترم روحانی عملیات میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ سورہ مزمل کے باموکل عامل تھے۔ مگر انہوں نے اپنی روحانی صلاحیتوں کے روزگار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ دیگر بہت سے عملیات کے علاوہ میرے والد صاحب کے پاس آگ پر ابلتے ہوئے سرسوں کے تیل میں پاؤں کی ایڑھی ڈال کر دم کرنے کا بہت مجرب عمل تھا۔ یہ عمل سوکڑے کے مرض میں مبتلا بچوں کی صحت یابی کیلئے کیا جاتا تھا۔

اس عمل کے دوران میرے والد صاحب اپنے دائیں پاؤں کی ایڑھی کو آگ پر رکھے ہوئے ابلتے تیل میں ڈال کر باہر نکالتے اور مریض بچے کو سیدھا لٹا کر اس کے جسم کے چھ مختلف مقامات پر ایڑھی کو لگا کر عمل مکمل کرتے۔ اس عمل کو کرنے کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ سوکڑے کا دم کرانے والوں کو گیارہ چھٹانک سرسوں کا تیل لانا پڑتا۔ والد صاحب اس تیل کو ایک کڑاہی میں ڈال کر دہکتی ہوئی آگ پر رکھ دیتے۔ جب تیل ابلنا شروع ہو جاتا تو والد صاحب آگ پر رکھے ہوئے ابلتے تیل پر چند آیات پڑھ کر پھونک مارتے۔ اس کے بعد وہ اپنے دائیں پاؤں کی ایڑھی تیل میں ڈال کر بچے کے جسم پر چھ مرتبہ ایڑھی کو لگاتے۔ کسی بھی مریض کو سوکڑے کا علاج مکمل کرانے کے لئے تین بدھ یا تین اتوار آنا پڑتا۔ تینوں مرتبہ اسی تیل کو دوبارہ گرم کر کے دم کیا جاتا جو تیل آخر میں بچ جاتا اس کے ساتھ اکتالیس دن تک بچے کو مالش کی جاتی۔ والد صاحب مریض کے لئے دو تعویز بھی دیتے تھے۔ ایک گلے میں ڈالنے کے لئے اور دوسرا اکتالیس دن پانی میں حل کر کے پلانے کے لئے۔ والد صاحب کے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں بچوں کو شفاء سے نوازا۔

والد صاحب کی وفات کے بعد اسی طریقہ سے سوکڑے کے بچوں کا علاج میرے بڑے بھائی مولانا حکیم سید سیف اللہ شاہ صاحب کرتے ہیں۔ یہ عمل میرے پاس بھی ہے۔ اگر میں اس کے ذریعے علاج کرنا چاہوں تو میرے لئے کچھ مشکل نہیں مگر مجھے کبھی اس عمل کو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔''

سید مزمل حسین شاہ صاحب نے بتایا کہ ''میرے والد محترم اپنے پیر و مرشد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے بیعت تھے۔ ان کی رحلت کے بعد وہ حضرت مولانا صوفی یار محمد نقشبندی سے بیعت ہوئے۔ والد صاحب جب کبھی ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو میں اکثر ان کے ہمراہ ہوا۔ بچپن ہی میں ان کے قریب رہ کر مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے دینی فکر پر مبنی خیالات اور پراثر روحانی شخصیت نے بہت جلد میری زندگی میں دینی انقلاب برپا کر دیا۔ اس کے علاوہ والد محترم کی عملی زندگی نے بھی مجھے بہت متاثر کیا۔ مگر زندگی نے انہیں زیادہ دیر مہلت نہ دی اور ہم ان سے بہت کچھ سیکھنے سے محروم رہ گئے۔''

سوال...... شاہ صاحب آپ کو روحانی عملیات کو سیکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

جواب...... میرے ایک قریبی دوست پر اس کے کسی رشتہ دار نے جادو کا بہت سخت وار کرایا۔ عاملوں نے تشخیص کے ذریعے بتایا کہ اس کا معدہ جادو کے ذریعے جکڑ دیا گیا ہے۔ اس پر کسی قسم کی دوا اثر نہ کرتی۔ تمام عامل اس کے علاج سے قاصر رہے اور میرے اس دوست کی موت واقع ہوگئی۔ یہ 1995ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ روحانی علوم کو سیکھنے کی کوشش کروں گا تا کہ جادوگروں کے ہاتھوں ستائے مجبور و بے کس لوگوں کو علاج کے لئے در در کے دھکے نہ کھانا پڑیں۔ ابتدائی طور پر میں نے بازار میں دستیاب مختلف کتب عملیات کا مطالعہ کیا۔ تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ روحانی امراض کا باقاعدہ علاج کرنے کے لئے بغیر استاد کے روحانی عملیات کی دنیا میں قدم رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ یہاں میں ایک وضاحت کر دوں کہ جو وظائف یا عملیات اپنے اہل خانہ کے علاج کی غرض سے کئے جاتے ہیں ان میں خطرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر کوئی اپنا علاج خود کرنا چاہے تو مسنون وظائف یا کسی مستند کتاب میں درج وظائف سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال...... ابتدائی طور پر روحانی عملیات سیکھنے کیلئے آپ کو کیا کیا جتن کرنے پڑے؟

جواب...... میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے دوسرے عاملوں کی طرح در در کی خاک چھاننا نہیں پڑی۔ جن دنوں مجھے روحانی عملیات سیکھنے کا شوق پیدا ہوا میری ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی جو بھارت کے شہر سہارنپور کے رہائشی تھے۔ یہ تھے شیخ الحدیث محمد عبداللہ صاحب۔ ان دنوں وہ پاکستان میں تبلیغی دورے پر آئے ہوئے تھے۔ مجھے کسی نے بتایا کہ وہ روحانی عملیات میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ میرا کسی حوالہ سے ان کے ساتھ غائبانہ تعارف موجود تھا۔ جب بالمشافہ ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے میرے جذبات کو دیکھتے ہوئے اپنے چند عمل مجھے ویسے ہی عطا کر دیئے جبکہ بہت سے روحانی عملیات کا طریقہ سمجھا کر انہیں کرنے کی اجازت دے دی۔ پہلے مرحلے میں ہی یہ کامیابی آئندہ زندگی میں میری خوداعتمادی میں اضافے کا سبب بنی۔ اس کے علاوہ فیصل آباد کے معروف عالم دین مولانا عبدالمالک صاحب جن کا تبلیغی جماعت کے ساتھ گہرا تعلق ہے ان سے فیض حاصل کرنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ بعض روحانی بزرگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بہت شفقت و محبت کے ساتھ رہنمائی کی اور عملیات سکھائے۔ مگر انہوں نے اپنا حوالہ دینے سے منع کر دیا۔ میری اب بھی عادت ہے کہ مجھے جہاں بھی کسی اللہ والے کا علم ہوتا ہے تو میں مزید رہنمائی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ان کا عقیدہ صحیح ہو اور وہ مخلوق خدا سے مدد مانگنے والے نہ ہوں۔

سوال...... اب تک آپ نے کئے عملیات پر دسترس حاصل کی ہے؟

جواب...... بارہ پندرہ عمل تو ایسے ہیں جن سے جادو اور جنات کے زیر اثر مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گھر میں لٹکانے والے وزن کے نیچے دبانے والے، گلے میں ڈالنے والے، گھول کر پلانے والے و دیگر باموکل تعویزوں کا عمل کیا ہوا ہے۔

سوال...... ایک آدھ عمل سے کام نہیں چلتا؟

جواب...... کام تو چل جاتا ہے مگر اپنے ترکش میں جتنے زیادہ تیر ہوں تو دشمن کا مقابلہ کرنے اور اسے خوفزدہ کر کے بھگانے میں آسانی رہتی ہے۔ علاج کے دوران بعض اوقات

ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمل سے کام نہیں چلتا اور جنات مقابلے پر اتر آتے ہیں یا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ کے فضل سے وہی عامل کامیاب رہتا ہے جس کے پاس زیادہ سے زیادہ عملیات ہوں۔

سوال...... کتاب پر موکلات کی حاضری کا عمل آپ کو کہاں سے ملا؟

جواب...... یہ عمل مجھے حافظ عبدالعزیز صاحب سے ملا۔ انہوں نے مجھ پر شفقت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ حافظ عبدالعزیز صاحب ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک سکول میں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ امام مسجد بھی ہیں اور اس کے علاوہ عامل باعمل فی سبیل اللہ بھی۔ ان کے ساتھ میرا تعارف سید اسرار شاہ صاحب کی معرفت ہوا جو میرے قریبی عزیز بھی ہیں اور روحانی عامل بھی۔

کتاب پر موکلات کی حاضری ایک ایسا عمل ہے جو صرف تشخیص مرض میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جبکہ مریض کا علاج کرنے کے لئے بکرے کی سری والے یا دیگر عملیات کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سوال...... کتاب پر حاضری کا عمل آپ نے کیسے کیا؟ اور حاضری کے عمل سے حاصل ہونے والے نتائج کس حد تک درست نکلتے ہیں؟

جواب...... حاضری کے عمل کو کرنے کے لئے مجھے اکتالیس، اکتالیس دن کے تین چلے کرنے پڑے۔ جس میں روزانہ تقریباً ایک گھنٹہ تک وظائف کی پڑھائی کرنی پڑتی ہیں جب میرا عمل مکمل ہو گیا تو پہلی حاضری میں نے حافظ عبدالعزیز کی موجودگی میں ان کے سامنے کی۔ اس حاضری میں، میں نے اپنے ایک دوست کے متعلق دریافت کیا جو کافی عرصہ سے نامعلوم مرض میں مبتلا تھا۔ حاضری کے ذریعہ معلوم ہوا کہ کسی نے جادو کے ذریعے اس پر بیماری مسلط کی ہوئی ہے۔

نتائج کے حوالے سے میرا جواب یہ ہے کہ حاضری بعض اوقات نہیں بھی ہوتی مگر صرف اس صورت میں جب حاضری میں میری عاونت کرنے والا شخص بداعمال ہو یا اس کا

عقیدہ درست نہ ہو۔ اس کے علاوہ حاضری کی صورت میں جو نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ میں انہیں 99 فیصد درست سمجھتا ہوں۔

سوال...... اوپر آپ نے بکرے کی سری کے عمل کا ذکر کیا ہے۔ اس عمل کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے؟

جواب...... اگر کسی شخص پر بہت سخت جادو کا وار کیا گیا ہو یا جادو کرانے والا بار بار حملہ آور ہو رہا ہو تو صرف باموکل تعویزوں سے مریض کو کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ ان حالات میں بکرے کی سری پر کیا ہوا عمل فوری مثبت اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے ان جنات کی فوری روک تھام ہو جاتی ہے جو جادو کے ذریعے نقصان پہنچانے کی نیت سے بھیجے جاتے ہیں۔ جادو کے توڑ کے لیے یہ ایک بہترین عمل ہے۔ اس عمل میں بکرے کی سری کو دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارا مشورہ یہ ہوتا ہے کہ سری کا گوشت ضائع نہ ہو۔ اسے احتیاط سے اتار کر استعمال کر لیا جائے۔ اگر مریض سری کا گوشت کھانے میں دلچسپی نہ رکھتا ہو تو بکرے کی سری سے دماغ نکال کر مغز والے حصہ کو خالی کر لیا جاتا ہے۔ اس خالی جگہ میں مریض کے سر کے بال، پاؤں کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی اور دیگر کچھ سامان جو بازار سے آسانی سے مل جاتا ہے۔ مثلاً لونگ، کالی مرچ، سندور، مریض کا نام اور ایک باموکل تعویز جس پر بہت زیادہ پڑھائی کی ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں کو سری کے اندر خالی جگہ میں رکھنے کے بعد سری کا حصار کر کے اسے اوپر سے مضبوطی کے ساتھ بند کر کے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ دم کے ذریعے سری کا حصار اس لیے ضروری ہے کہ اگر حصار نہ کریں تو جنات دفن کی ہوئی سری کو باہر نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ اس کے نقصان سے محفوظ رہنے کے لئے۔

سوال...... بکرے کی سری کو قبرستان میں دفن کرنے کا عمل آپ خود کرتے ہیں یا یہ مریض کی ذمہ داری ہے؟

جواب...... یہ کام مریض خود بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ نہ کرنا چاہے تو میں کسی شاگرد کو

قبرستان بھیج کر اس سے یہ کام کروالیتا ہوں۔ اس میں زیادہ بہتری ہے۔

سوال...... سری کو کسی خاص وقت پر دفن کیا جاتا ہے؟

جواب...... اس عمل کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔ سری کو دن کے کسی بھی حصہ میں دفن کیا جاسکتا ہے۔

سوال...... قبرستان والے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے؟

جواب...... قبرستان والوں کو اس پر بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ کیونکہ گورکن کو ہم قبل از وقت ہی بتادیتے ہیں کہ ہم نے بکرے کی سری کو دفن کرنے کا عمل جادو کے توڑ کے لئے کیا ہے۔ سری کو دفن کرنے کے لئے گڑھا کھودنے کے لئے اس کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے کہ ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جہاں تیسری قبر بننے کی گنجائش نہ ہو۔ عام طور پر دو پرانی قبروں کے درمیان ایک ہاتھ گہرائی میں گڑھا کھود کر سری دفن کردی جاتی ہے۔

سوال...... کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے قبرستان میں سری کو دفن کیا ہو اور جنات نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا ہو؟

جواب...... ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں سری پر حصار کرنا بھول گیا۔ ڈیفنس کے رہائشی میرے ایک دوست فاروق بٹ صاحب نے اپنی اہلیہ کے لئے سری پر عمل کرایا۔ میں نے جادو کا توڑ کرنے کے بعد سری ان کے حوالے کردی کہ اسے قبرستان میں دفن کردیں۔ مجھے سری کا حصار کرنا یاد نہ رہا۔ بٹ صاحب نے بتایا کہ انہوں نے اپنے والد صاحب کی قبر کے قریب ہی سری دفن کردی۔ تین دن بعد وہ دوبارہ اپنے والد صاحب کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ جس جگہ سری دفن کی گئی تھی وہاں سے گڑھا کھود کر سری باہر نکال کر اس میں موجود سامان کو بکھیر دیا گیا تھا۔ سری غائب تھی۔ کوئی ایسے شواہد موجود نہ تھے کہ اس سری کو کسی انسان یا جانور نے باہر نکالا ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ فوراً میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ پھر میں نے نئے سرے سے دوبارہ سری والا عمل کیا اور حصار کر کے اسے قبرستان میں دفن کرایا۔ الحمدللہ اس علاج کے بعد اب ان کی اہلیہ صحت یاب ہوگئی ہیں۔

سوال...... بٹ صاحب کی اہلیہ کو کیا بیماری تھی؟

جواب...... انہیں مختلف قسم کی بیماریوں نے گھیرا ہوا تھا۔ یہ جسمانی بیماریاں ان پر جادو کے ذریعے مسلط کی گئی تھیں۔ سری دفن کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ جادو چاہے جتنا بھی سخت کیوں نہ ہو۔ اس سے جادو کے اثرات فوری طور پر رک جاتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اللہ کے حکم سے آدمی مکمل طور پر صحت یاب ہوجاتا ہے۔

سوال...... اب تک آپ جادو کے توڑ کے لئے بکرے کی سری پر کتنے عمل کرچکے ہیں؟

جواب...... الحمدللہ...... سینکڑوں سریاں دفن کراچکا ہوں۔

سوال...... بکرے کی سری پر عمل کرنے کیلئے کسی خاص رنگ کے بکرے کی شرط تو نہیں؟

جواب...... یہ سب عاملوں کے فراڈ ہیں۔ بکرا کالے رنگ کا ہو یا سری اس سائز کی ہو۔ بکرے کی سری پر عمل کرنے کے لئے سائز اور رنگ کی کوئی قید نہیں۔

سوال...... اس عمل کے لئے مریض کا آپ کے پاس آنا ضروری ہے؟

جواب...... کم از کم ایک مرتبہ مریض کا آنا ضروری ہے کیونکہ مریض سے علامات کی دریافت کے بعد سو فیصد درست تشخیص ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ مریض نہ بھی آئے تو علاج ممکن ہے۔

سوال...... آپ کے خیال میں بکرے کی سری پر عمل میں کوئی غیر شرعی مسئلہ تو نہیں ہے؟

جواب...... بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ کہیں یہ عمل غیر شرعی تو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں علم نہیں کہ یہ عمل کیسے کیا جاتا ہے۔ میرے پاس کئی مریض ایسے بھی آئے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ عمل نہیں کرانا۔ ان میں اکثر مریض وہ تھے جو پیشہ ور عاملوں کے ڈسے ہوئے تھے۔ اعتراضات سے بچنے کے لئے کچھ عرصہ پہلے میں نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں مفتی حضرات پر مشتمل بورڈ سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بکرے کی سری پر جادو کے توڑ کے لیے عمل کا طریقہ بیان کر کے ان سے

اس کی شرعی حیثیت دریافت کی۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر یہ عمل غیر شرعی ہے تو میں اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ انہوں نے مجھ سے چند سوال پوچھے۔

☆......آپ بکرے کی سری کے اندر قرآنی آیات لکھ کر رکھتے ہیں؟

☆......اس عمل کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے؟

☆......اس عمل کے دوران کسی طرح کے کوئی شرکیہ کلمات تو ادا نہیں کیے جاتے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ مخلوق خدا کو مدد کے لئے پکارنا وغیرہ؟

میرا جواب نہ کی صورت میں تھا۔ میرا جواب سننے کے بعد انہوں نے اس عمل کو جائز قرار دیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اس عمل سے متعلق فتویٰ لکھ کر دے دیں گے کہ یہ ایک جائز عمل ہے۔ فتاویٰ بورڈ کے تاثرات سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے غیر اسلامی اور گمراہ کن عملیات سے بچائے رکھا۔ (۲۵)

* * * * *

قرآن وسنت کی روشنی میں

جادو ٹونے کا علاج

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ ابن بازؒ کی یادگار تحریر

دور حاضر میں بہت سے لوگ علم طب کا دعویٰ کرتے ہیں، جادو اور ٹونہ کے ذریعے علاج کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہاں کے سیدھے سادھے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہاں کے سیدھے سادھے لوگوں کو اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے نصیحت کے طور پر یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ علاج میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے بہت خطرات ہیں کیونکہ اس طریقہ علاج کا غیر اللہ کے ساتھ تعلق ہے۔ نیز اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی مخالفت بھی ہے۔

علاج کرانا بالاتفاق جائز ہے اور مسلمان ہر طرح کے امراض کیلئے ڈاکٹروں کے پاس جاسکتے ہیں تاکہ وہ اس کے مرض کی تشخیص کر کے علم طب میں اپنی معرفت کے مطابق شرعی طور پر مباح اور مناسب دواؤں سے ان کا علاج کریں۔ اس میں اسباب کا استعمال ہے اور یہ توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیماری کے ساتھ دوا بھی نازل کی ہے۔ دوا کے متعلق بہت سے لوگ جانتے ہیں اور بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے ایسی چیز میں شفا نہیں بتائی جسے ان پر حرام کر دیا ہے۔ اس لئے کسی مریض کیلئے ایسے کاہنوں کے پاس جانا درست نہیں، جو علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اسی طرح وہ جن باتوں کی خبر دیں ان کی تصدیق کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ غیب کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مقصد کیلئے جنوں کو حاضر کر کے ان سے مدد لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا معاملہ کفر اور گمراہی کا ہے کیونکہ یہ غیبی باتوں کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان ۲۲۳۰، واحمد فی المسند ۴/ ۶۸)

''جو کسی غیب کی خبر دینے والے کے پاس جا کر اس سے کچھ پوچھتا ہے، چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

(سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الکھان، ح ۴: ۳۹۰، ومسند احمد ۲/ ۴۰۸، ۴۷۶)

''جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی۔''

حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں۔

مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاھِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

''جو کسی غیب کی خبر دینے والے یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے شریعت محمدؐ کا انکار کیا۔''

لیکن ایک اور روایت حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْ تُطُیِّرَ لَهٗ اَوْ تَکَهَّنَ اَوْ تُکُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِّرَ لَهٗ وَمَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

''جو شخص خود فال نکالے یا اس کے لئے فال نکالی جائے یا خود کاہن بنے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص کاہن تجویز کرے یا جو شخص خود جادوگر ہو یا اس کیلئے کوئی دوسرا شخص جادوگر تجویز کرے، تو وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے شریعت محمدیہؐ سے کفر کا ارتکاب کیا۔''

ان احادیث شریفہ میں غیب کی خبر دینے والوں کے پاس جانے سے ان سے کچھ پوچھنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیز اس پر وعید بھی سنائی گئی ہے۔ اس

لئے حکام یا جس کے پاس بھی طاقت ہو، ان پر واجب ہے کہ کاہنوں اور عرافین وغیرہ کے پاس جانے سے سختی سے منع کریں اور اس سے باز پرس کریں نیز جو شخص ان کے پاس جاتا ہو، اس سے بھی باز پرس کریں۔

اس بات سے کوئی دھوکا نہ کھائے کہ ان کی بعض باتیں سچی ہوتی ہیں یا یہ کہ ان کے پاس بہت سے اہل علم جاتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا علم پختہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ لوگ ممنوع چیز کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے جاہلوں میں سے ہیں۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے کاہنوں کے پاس جانے ان سے کچھ سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑا منکر ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ کاہن جھوٹے اور فاسق ہوتے ہیں جیسا کہ ان مذکورہ بالا احادیث میں کاہن و جادوگر کے کفر کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ غیب جاننے کا دعوٰی کرتے ہیں اور یہ دعوٰی کفر ہے۔ نیز یہ لوگ اپنے مقصد کے حصول کے لئے جن سے خدمت لیتے ہیں اور اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک ہے، اسی طرح جو شخص بھی ان کے علم غیب کی تصدیق کرتا ہو، وہ بھی انہی کی طرح ہے۔ جو شخص بھی ان لوگوں سے یہ باتیں سیکھتا ہے، رسول اللہؐ اس سے بری ہیں۔

علاج کے بارے میں ان لوگوں کے خیالات جیسے طلسمات کا ورد یا گولی پھینکنا یا ان کے علاوہ جو بھی خرافات وہ کرتے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی تسلیم کرنا مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کہانت ہے اور کہانت لوگوں کیلئے دھوکا ہے۔ جو شخص انہیں تسلیم کرتا ہے گویا وہ باطل اور کفر پر ان کی مساعدت کرتا ہے۔

اسی طرح کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کاہنوں وغیرہ میں سے کسی کے پاس جا کر یہ پوچھے کہ اس کا لڑکا، یا اس کا کوئی قریبی عزیز کس سے شادی کرے گا اور زوجین یا دونوں خاندانوں کے درمیان محبت و وفاداری ہوگی یا دشمنی اور جدائی؟ اس لئے کہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں جانتا۔

جادو کفر کے محرکات میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں دو فرشتوں کے

قصے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنُ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيْطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲/۱۰۲)

”اور وہ دونوں (یعنی ہاروت اور ماروت) کسی کو (جادو) نہیں سکھاتے ہیں۔ جب تک یہ نہیں کہہ لیتے ہم تو (اللہ کی) آزمائش ہیں۔ پس تم کفر نہ کرو، اس پر بھی وہ ان سے ایسی باتیں سیکھتے جن کی وجہ سے میاں بیوی میں جدائی کرادیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر وہ کسی کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور وہ ایسی باتیں سیکھتے ہیں جن میں فائدہ کچھ نہیں، نقصان ہی نقصان ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو جادو خریدے، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ کاش! انہیں خبر ہوتی کہ جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے، وہ بہت برا ہے۔“

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جادو کفر ہے اور جادوگر میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادیتے ہیں۔ اسی طرح آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جادو بذات خود کسی طرح کا نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اثر کرتا ہے۔ خیر و شر دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔

یہ افتراء پرداز جنہوں نے ان علوم کو مشرکین سے سیکھا اور کمزور عقل کے لوگوں کو اس میں ملوث کردیا، خود بہت زیادہ نقصان میں ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

جیسا کہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ جادو سیکھتے ہیں، وہ انہیں نقصان

پہنچاتے ہیں، فائدہ نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کیلئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی وعید ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں ان کے سخت رویئے پر دلالت کرتی ہے۔ نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کاہنوں نے اپنے آپ کو بہت ہی کم قیمت پر فروخت کردیا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی یوں مذمت کی ہے۔

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

”انہوں نے اپنے آپ کو کتنی گھٹیا قیمت پر فروخت کردیا کاش کہ وہ سمجھتے۔“

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو جادوگروں اور کاہنوں وغیرہ کے شر سے محفوظ رکھے اور مسلمانوں کو ان سے بچنے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے کی توفیق دے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے ان کے ضرر اور خباثت سے محفوظ رہیں۔

جادو سے بچنے کی تدابیر:

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ بہت بڑی نعمت اور احسان ہے کہ اس نے ایسی چیزیں بھی بتائیں جن سے لوگ جادو کے واقع ہونے سے پہلے اس کے شر سے بچ سکتے ہیں۔ نیز ایسی چیزوں کی بھی وضاحت فرمادی ہے جن کے ذریعے جادو کے واقع ہونے کے بعد اس کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

ہم شرعی طور پر ان مباح چیزوں کو بیان کررہے ہیں جن سے جادو کے واقع ہونے سے پہلے اس سے بچا جاسکتا ہے، اور ان چیزوں کو بھی بیان کررہے ہیں جن کے ذریعہ جادو کے واقع ہونے کے بعد اس کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

قسم اول: جادو کے وقوع سے پہلے جن چیزوں کے ذریعے جادو سے بچا جاسکتا ہے، ان میں سے سب سے اہم اور سب سے نفع بخش شرعی اذکار، دعائیں اور ماثر تعویذات (پناہ مانگنے والی دعائیں) وغیرہ کا پڑھنا ہے، جن میں سے چند دعائیں حسب ذیل ہیں۔

ہر فرض نماز میں مشروع اذکار اور سلام کے بعد آیۃ الکرسی کا پڑھنا۔ اسی طرح سوتے

وقت آیۃ الکرسی پڑھنا۔ آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت ہے اور وہ یہ ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ وہ زندہ اور سب کو سنبھالنے والا ہے۔ اور وہ اونگھتا ہے اور نہ سوتا ہے۔ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں اسی کی ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر اس کے پاس کون سفارش کر سکتا ہے؟ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ سب جانتا ہے۔ وہ اللہ کے علم میں سے صرف اتنا جانتے ہیں کہ جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اس کی کرسی آسمان و زمین سب کو محیط ہے اور ان کی حفاظت اس پر بھاری نہیں اور وہ اونچا اور بڑا ہے۔‘‘

ہر فرض نماز کے بعد سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس پڑھنا، نیز نماز فجر کے بعد دن کے شروع میں اور نماز مغرب کے بعد رات کے شروع میں مذکورہ تین سورتوں کو تین تین بار پڑھنا۔

رات کے شروع میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھنا جو یہ ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ

’’رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی

اور مومنوں نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوںؑ میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا۔ ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کیلئے ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اللہ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخشش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔‘‘

من قرا آیة الکرسی فی لیلة، لم یزل علیه من الله حافظ ولا یقربه شیطان حتی یصبح (واصله فی البخاری ٤/٤٨٧)

’’جو شخص رات کو آیۃ الکرسی پڑھ لیتا ہے، اس کے پاس صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ رہتا ہے اور شیطان اس کے قریب نہیں آتا۔‘‘

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ قَرَا الْاٰیَتَیْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ فِی لَیْلَۃٍ کَفَتَاہُ

’’جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیتا ہے وہ اس کیلئے پریشانی کا حل ہوتی ہیں۔‘‘

۴...... دن رات میں زیادہ سے زیادہ یہ دعا پڑھنا۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

’’میں اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

اس دعا کو گھر میں، صحرا میں، فضا میں، سمندر میں، گویا کہیں بھی ہوں، پڑھنا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ
لَمْ يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ

جو شخص کسی جگہ اترنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

”میں اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعے اس شر سے جو اس نے پیدا کیا، پناہ چاہتا ہوں۔“

تو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کر جائے۔

۵......دن اور رات کے شروع میں یہ دعا تین بار پڑھنا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ
وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

”اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کہیں بھی کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچا سکتی وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

نبی اکرمؐ سے یہ دعا پڑھنے کی ترغیب ثابت ہے اور یہ دعا ہر تکلیف سے سلامتی کا ذریعہ بھی ہے۔

اگر کوئی شخص صدق، ایمان، اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور انشراح صدر کے ساتھ ان دعاؤں کو پڑھتا رہے تو یہ اس کیلئے جادو وغیرہ کے شر سے بچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہوں گی۔

جادو کا علاج:

اسی طرح جادوں واقع ہونے کے بعد اس کے ازالے کیلئے بھی یہی دعائیں اہم ہتھیار ہیں۔ البتہ کثرت سے تضرع کے ساتھ پڑھی جائیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ضرر اور پریشانی کو دور کر دے۔

ویسے جادو وغیرہ جیسی بیماریوں کے علاج کیلئے نبی اکرمؐ سے جو دعائیں ثابت ہیں اور جن سے نبی اکرمؐ اپنے اصحابؓ کا علاج کرتے تھے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاْسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا

شِفَآءُكَ شِفَآءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا (سنن ابی داؤد کتاب الطب باب فی تعلیق التمائم)

”اے اللہ! تو تمام لوگوں کا رب ہے۔ بیماری کو دور کر دے اور شفا عطا کر، تو شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا عطا کر جو کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے۔“

وہ دعا جس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرمؐ کا علاج کیا تھا وہ دعا اس طرح ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ
اَوْعَیْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ ○

”اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے اور ہر نفس کے شر سے یا حاسد کی نظر سے اللہ آپ کو شفا دے گا، اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔“

اس دعا کو تین بار پڑھے۔

جادو واقع ہو جانے کے بعد اس کا ایک ہی نفع بخش علاج یہ ہے کہ جب انسان اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت سے فارغ ہو تو بیری کے سات سبز پتے لے اور انہیں پتھر وغیرہ سے باریک پیس کر کسی برتن میں رکھ دے اور پھر اس میں اتنا پانی ڈالے جو اس کے غسل کے لئے کافی ہو۔ پھر اس پر آیۃ الکرسی سورہ کافرون، سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورہ ناس اور سورہ اعراف میں جادو سے متعلق جو آیات ہیں، وہ پڑھیں جو یہ ہیں۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ○
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ○
(الاعراف ۷/۱۱۷-۱۹۹)

”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیں، ان کا عصا ان کے جادو کو نگلنے لگا، آخری سچی بات ثابت ہوگئی اور ان کا کیا کرایا، سب ناکام ہو گیا اور

فرعون اور اس کے ساتھی وہیں شکست کھا گئے اور ذلیل ہو کر لوٹ گئے۔''

اس کے بعد سورہ یونس کی یہ آیتیں پڑھیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (یونس۱۰/۷۹،۸۲)

''اور فرعون نے کہا کہ ہر پکے اور کامل جادوگر کو میرے پاس لے کر آؤ۔ اور جب جادوگر آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا: ''جو تم کو ڈالنا ہے، ڈالو!'' اور جب انہوں نے اپنا فن پیش کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ جو تم لے کر آئے ہو، یہ تو جادو ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مفسدین کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے سے ثابت کر دے گا، چاہے مجرمین اس کو ناپسندی ہی کیوں نہ کریں۔''

اس کے بعد سورہ طٰہٰ کی یہ آیتیں پڑھیں۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ○ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی (طٰهٰ ۲/۶۵.۶۹)

جادوگر کہنے لگے: ''اے موسیٰ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) ڈالو یا ہم (اپنی لاٹھیاں) پہلے ڈالیں'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''تم ہی پہلے ڈالو۔'' اور جب انہوں نے اپنا کرتب دکھایا تو موسیٰ کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔ موسیٰ اپنے دل ہی دل میں سہم گئے۔ ہم نے کہا: ''ڈرو مت! تم ہی غالب رہو گے اور جو عصا تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، اسے ڈال دو، وہ ان کے کرتب کو نگل جائے گا۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ جادو کا تماشا ہے اور جادوگر کہیں سے بھی آ جائے، کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

ان مذکورہ آیتوں کو پانی پر پڑھنے کے بعد کچھ پانی پی لے اور باقی سے غسل کر لے۔ انشاء اللہ پریشانی دور ہو جائے گی اور اگر یہ عمل کئی بار کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جادو کا سب سے بڑا نفع بخش علاج یہ ہے کہ جادو زمین یا پہاڑ وغیرہ پر جہاں کہیں چھپایا گیا ہو اس کا پتہ لگایا جائے، اگر وہ مل جائے تو اسے ضائع کر دیا جائے تو جادو ختم ہو جائے گا۔

یہ جادو سے بچنے اور اس کا علاج کرنے کیلئے بعض طریقے ہیں جنہیں ہم نے بیان کر دیا۔ (واللہ ولی التوفیق)

جادو کا جو علاج جادوگر کرتے ہیں۔ یعنی کوئی جانور ذبح کر کے یا کسی اور طریقے سے جن کا تقرب حاصل کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ شیطانی عمل بلکہ شرک اکبر میں سے ہے، اس لئے اس سے بچنا واجب ہے۔ اسی طرح کاہنوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں سے سوال کرنا اور ان کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کا علاج کرنا بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ نیز یہ جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں۔ یہ علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نبی اکرمؐ نے ان کے پاس جانے اور ان سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔

رسول اکرمؐ سے ثابت ہے کہ آپ سے (نشرہ) (منتر) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هِیَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ

ترجمہ: ''وہ شیطانی عمل ہے۔''

(سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی النشرۃ ح ۳۸۶۸)

نبی کریمؐ کا جسمانی طریقہ علاج:

ہم اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہوئے ان مفردات و مرکبات روحانی اور قدرتی چند دواؤں کے ذریعے نبی کریمؐ کے طریقے علاج ذکر کریں گے جو آپ سے مروی اور ثابت ہیں:

نظر بد کا علاج:

سنن ابی داؤد میں حضرت سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک سیلانی علاقے سے گزرے، میں نے اس میں داخل ہو کر غسل کیا، لیکن باہر آتے آتے مجھے بخار ہو گیا۔ نبی اکرمؐ کو اس کی خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا: ”ابو ثابت سے کہو کہ وہ ”اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھیں۔“

روای کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ”اے میرے آقا! کیا دم کرانا اچھی بات ہے؟“

آپؐ نے فرمایا: ”جھاڑ پھونک صرف نظر، بخار اور ڈنگ لگنے میں ہوتا ہے۔“

تعوذ اور دم کی صورت یہ ہے کہ آدمی معوذتین اور سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور پناہ مانگنے والی دعائیں پڑھے جن میں سے بعض یہ ہیں:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ (سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی القرآن)

”میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے ہلاک کرنے والے جانور سے اور ہر نظر والی آنکھ سے۔“

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (مسند احمد، ۳/۴۱۶)

”اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعے جن کو کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا، مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ وَمِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّیْلِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَارَحْمٰنُ (مسند احمد ۳/۴۱۹)

”اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا، اور پھیلا دیا، اور ان چیزوں کی برائی سے جو آسمان سے اترتی ہیں اور چڑھتی ہیں، اس سے بھی جس کو زمین میں پھیلایا اور جو زمین سے نکلتی ہے اور رات و دن کے فتنوں سے اور رات کے ہر آنے والے کی برائی سے، مگر وہ نہیں جو بھلائی کے ساتھ آئے، اے بڑی مہربانی والے۔“

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ

(سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقی، وسنن ترمذی، کتاب الدعوات باب دعا الفزع فی النوم)

”میں اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب اس کے عذاب سے، اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسے سے اور ان کے میرے پاس حاضر ہونے سے۔“

اَعُوْذُ بِوَجْہِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَا شَیْءٍ اَعْظَمُ مِنْہُ وَبِکَلِمَاتِہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَّاَسْمَآءِ اللّٰہِ الْحُسْنٰی مَا عَلِمْتُ مِنْھَا وَمَا لَمْ اَعْلَمُ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ لَا اُطِیْقُ شَرَّہٗ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

”میں اللہ برتر کی ذات پاک کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور ان پورے حکموں کے ذریعے جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے جن کو میں جانتا ہوں اور جنہیں نہیں جانتا ان چیزوں کے شر سے جنہیں اس نے پیدا کیا اور پھیلایا اور ہر شر والی چیز کے شر سے جس کی مجھے طاقت نہیں اور جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہر برائی سے محفوظ رکھے، ان کے دین کی حفاظت فرمائے اور انہیں اس کی سمجھ عطا فرمائے، نیز انہیں شریعت کے مخالف ہر چیز سے بچائے۔ (آمین) (۲۶)

* * *

قبرستان...... کیا جن بھوت یہاں بسیرا کرتے ہیں؟

قبرستانوں میں بھوتوں کی من گھڑت کہانیاں چلے باز عاملوں اور سماج دشمن عناصر نے اپنی سرگرمیاں چھپانے کے لئے پھیلا رکھی ہیں

دسمبر کی ایک سرد رات گل بیگم باغ کا رہنے والا محمد جمیل حسب معمول اپنے موٹر سائیکل پر میانی صاحب قبرستان کے درمیان سے گزر رہا تھا، اس علاقے کے رہائشی عموماً یہی راستہ استعمال کرتے ہیں، کیونکہ چوبرجی کی جانب سے گل بیگم باغ جانے کے لئے یہ راستہ مختصر اور آسان ہے، اس روز رات، زیادہ ہوگئی تھی، گھپ اندھیرے اور موٹر سائیکل کی کمزور روشنی میں درختوں کے سائے ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے سینکڑوں جنات، بھوت پریت اور ارواح رقص کناں ہوں۔ کبھی کبھار اسے یہ گمان ہوتا کہ کئی سائے اور غیر مرئی چیزیں اسکے دائیں بائیں اور آگے پیچھے اسکے ساتھ محو سفر ہیں۔ وہ ان راستوں کا عادی تھا مگر آج اسے کسی غیر معمولی چیز کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے خبردار کر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ آگے پہنچا، کچھ فاصلے پر موٹر سائیکل کی روشنی ایک جواں عورت پر پڑی، وہ عورت ایک بچے پر جھکی ہوئی تھی، پھر بچے کی چیخنے اور رونے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ موٹر سائیکل کی آواز سن کر عورت بھی سیدھی کھڑی ہوئی اور اس کی جانب ہاتھ لہرایا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ہاتھ اس کے چہرے کو اپنی گرفت میں لینے لگا ہے۔ وہ اس حد تک سراسیمہ ہوا کہ بریک لگاتے ہوئے اس نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ موٹر سائیکل پھسل کر الٹ جائے گی۔ وہ تیزی سے واپس پلٹا اور اندھا دھند موٹر سائیکل دوڑانے لگا۔ ہر لمحہ اسے یہ احساس رہا کہ وہ عورت اس کے ساتھ ہوا میں تیر رہی ہے۔

بہاولپور روڈ سے ہو کر وہ مزنگ چونگی جا نکلا، اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ گھر پہنچا۔ کسی سے کوئی بات کئے بغیر وہ بستر پر لیٹا اور قرآنی آیات پڑھتے سو گیا۔ صبح باتوں کی آواز سے وہ جاگا۔ کمرے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ اس کی پڑوسن اس کی بیوی سے باتیں کر رہی ہے۔ اس نے پڑوسن کو سلام کیا تو اس نے غصے سے اس کو دیکھا اور کہا کہ آپ مجھ سے بات نہ کیجئے۔ پھر اس نے خود ہی بتایا کہ رات کو وہ اپنے میاں اور بچے کے ساتھ قبرستان سے گزر رہی تھی کہ موٹر سائیکل خراب ہوگئی۔ شوہر ایک طرف لے جا کر اسے ٹھیک کرنے لگا۔ اسی وقت جمیل کو آتے دیکھ کر انہیں اطمینان ہوا۔ بچہ بھوک سے رو رہا تھا۔ جمیل کو دیکھ کر اس نے موٹر سائیکل روکنے کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ پلٹ کر چلا گیا۔ جمیل کو اس وقت احساس ہوا کہ اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ سمجھا کہ وہ کوئی چڑیل ہے۔ وہ اتنا بوکھلا گیا کہ اس نے اپنی ہمسائی کو پہنچاننے کی کوشش بھی نہیں کیا اور واپس بھاگ گیا۔

جمیل کی اس گھبراہٹ میں اس کا بھی قصور نہ تھا بلکہ اس کا سبب وہ قصے اور کہانیاں ہیں جو قبرستان کے متعلق مشہور ہیں۔ سینہ گزٹ داستانوں کے علاوہ رسائل و جرائد نے بھی اس قسم کے قصے مشہور کرنے میں نمایاں کردار سرانجام دیا ہے۔ پاکستان میں چھپنے والے مختلف رسائل و جرائد کا مطالعہ کیا جائے تو علم ہوگا کہ ایک ماہ میں مختلف رسائل میں تقریباً ایک ہزار سے زائد غیر مرئی واقعات شائع کئے جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ قومی اخبارات بھی اپنے سنڈے میگزین وغیرہ میں اس قسم کے واقعات کو خاص طور پر شائع کرتے ہیں۔ مواد کی مناسبت سے ان ڈائجسٹوں اور رسالوں کے نام بھی ڈراؤنے رکھے گئے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ حقائق سے دور جھوٹی داستانوں پر مشتمل یہ ڈائجسٹ اور رسالے اچھی خاصی تعداد میں فروخت بھی ہو رہے ہیں۔ لوگ خود بھی انہیں پڑھ کر ڈرتے رہتے ہیں۔ گھروں میں بھی ہوائی چیزوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے مگر قبرستان سے بے شمار داستانیں منسوب ہیں۔ سینہ بہ سینہ چلنے والی یہ داستانیں جلد ہی مشہور ہو جاتی ہیں اور ہر سننے والا ان میں مزید نمک مرچ لگا کر دوسروں کو سناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دن کی روشنی میں بھی قبرستان جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

قبرستان کے متعلق اس قسم کی داستانیں صدیوں سے منسوب ہیں۔ پرنٹ میڈیا کی ترقی کے ساتھ ایسی داستانوں کی بھی خاصی ترقی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی بات زبان خاص وعام پر ہو تو اس کی کوئی نہ کوئی حقیقت بھی ہوتی ہے۔ آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا ان داستانوں کی واقعی کوئی حقیقت ہے؟

کیا قبرستانوں میں واقعی آسیب، بھوت پریت اور چڑیلیں ہوتی ہیں؟ کیا رات کے وقت قبرستان میں جانے والے اکا دکا لوگ واقعی اس قسم کے واقعات سے دوچار ہوتے ہیں؟ کیا قبرستان ایسی بدروحوں کا خاص مسکن ہوتے ہیں؟

اس کی حقیقت جاننے کے لئے سب سے پہلے ان لوگوں سے ملاقات کی گئی کہ جنہیں زندگی کے کسی موڑ پر قبرستان میں آسیب سے پالا پڑا تھا۔ تقریباً ایسے چالیس افراد سے ملاقات کے بعد ایک خاص بات سامنے آئی کہ یہ لوگ بزدل، وہمی، دروغ گو اور خیالوں کی دنیا میں رہنے والے ہیں۔

ان افراد نے جو داستانیں سنائیں، اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ کسی کو قبرستان میں چڑیل نظر آئی، کسی کو بھوت نظر آیا اور کسی کو بزرگ نظر آئے۔ ان لوگوں نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اس طریقے سے پیش کیا کہ ان کی سچائی میں بظاہر کوئی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔

لاہور میں سب سے زیادہ واقعات میانی صاحب قبرستان سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لاہور کے بے شمار افراد ان واقعات کے عینی شاہد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ قبرستان لاہور کا سب سے قدیم اور بڑا قبرستان ہے۔ قبرستان کا خاصا بڑا حصہ رہائش اور تجارتی استعمال میں آچکا ہے۔ یہاں عام لوگوں کے علاوہ بے شمار شہداءؒ اور اولیاء کرامؒ بھی محو آرام ہیں۔ بڑے بڑے لوگ یہاں دفن ہیں قبروں پر لگے کتبے دیکھ کر دل دنیا ہی سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔

غیر مرئی واقعات کی حقیقت جاننے کے لئے کئی راتیں میں نے خود قبرستان کے وحشت زدہ ماحول میں گزاریں اور اس مقصد کیلئے گورکنوں اور پھول وغیرہ بیچنے والوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ رات گئے تک ان کے ساتھ اس قسم کی داستانوں کے متعلق گپ شپ ہوتی رہی۔ سوائے ایک آدھ شخص کے سب نے ایسی باتوں کی تردید کی اور ان لوگوں کو برا بھلا کہا جنہوں نے ایسی داستانیں پھیلائی ہیں۔

گل بیگم باغ کے رہائشی عبدالرشید نے بتایا کہ وہ 1966ء میں اس علاقے میں آئے تھے۔ اس زمانے میں یہ سارا علاقہ سنسان تھا۔ چند مکانات تھے۔ باقی سب قبرستان یا کھیت تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میری زندگی کے شب وروز اسی قبرستان میں بسر ہوئے ہیں مگر مجھے آج تک ایسی کسی چیز سے پالا نہیں پڑا اور نہ ہی کوئی چیز نظر آئی ہے۔ تمام کہانیاں لوگوں نے خود بنائی ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے ڈر کر بعض لوگ تو جنازے کے ساتھ قبرستان بھی نہیں جاتے۔ کیونکہ وہ خوف کا شکار ہوتے ہیں۔

میانی صاحب قبرستان کمیٹی کے سیکورٹی آفیسر راجہ محمد نے بتایا کہ وہ ریٹائرڈ آرمی آفیسر ہیں اور تقریباً بیس سال سے یہاں فرائض سرانجام دے رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ آج تک نہ کوئی آواز سنی ہے اور نہ کسی غیر مرئی شے سے واسطہ پڑا ہے اور نہ ہی آج تک کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔ دن رات قبرستان کے کسی بھی حصے میں ہمارا آنا جانا رہتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ قبرستان کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس قبرستان کے آس پاس ہزاروں مکانات ہیں، جن میں مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے بے فکری سے رہتے ہیں۔

محمد انور گورکن نے بتایا کہ میں 25 سال یہاں گزار چکا ہوں، رات گئے بھی سینکڑوں قبریں کھودی ہیں۔ مجھے آج تک کسی غیر معمولی واقعے سے سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی کوئی چیز نظر آئی ہے۔ ہمیں آج تک کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے کوئی آسیب یا غیر مرئی چیز دیکھی ہے۔ پھر پتہ نہیں کیسے اس قسم کی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں؟

گل فروش محمد طفیل نے کہا کہ اسی جگہ پھول بیچتے ہوئے پچاس برس گزر چکے ہیں، اتنے عرصے میں دنیا میں بے شمار پیش واقعات آئے، مگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ

جس میں کسی آسیب سے واسطہ پڑا ہو۔ اس نے بتایا کہ اسے آج تک نہ کوئی چیز نظر آئی اور نہ ہی رات کے وقت اس نے قبرستان سے کسی کے ہنسنے یا رونے کی آواز سنی۔ نہ کسی عورت کو اولاد کے حصول کی خاطر کسی بچے کا کلیجہ نکال کر کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میری دکان رات گئے کھلی رہتی ہے، مجھے تو آج تک کسی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے کسی شے کو دیکھا ہے۔ میں نے پچاس سالوں میں کسی کو خوفزدہ ہو کر قبرستان سے بھاگتے نہیں دیکھا کہ اس نے آسیب دیکھ لیا ہے۔ اگر کسی کو آسیب نظر آئے تو وہ سیدھا ہمارے پاس آئے گا۔ یہ سب من گھڑت داستانیں ہیں۔ یہاں آسیب کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا البتہ کسی زمانے میں لوٹ مار اور جرائم کے واقعات ہوتے رہتے تھے۔

محمد ریاض گورکن کو بھی اس قبرستان میں قبریں کھودتے پچاس سال گزر چکے ہیں۔ اس نے کہا کہ خوف انسان کے اندر رہتا ہے، پچاس سالوں میں اسے کسی غیر مرئی شے سے واسطہ نہیں پڑا اور نہ ہی اس نے کبھی کوئی آواز سنی ہے۔ محمد شریف گورکن نے بھی تقریباً یہی الفاظ کہے۔ اسی علاقے کے رہائشی دکاندار محمد منیر نے کہا کہ یہاں کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور نہ ہی کوئی آسیب دیکھا گیا ہے۔

گل بیگم باغ کے رہنے والے محمد انور نے کہا کہ وہ 1962ء میں اس علاقے میں آئے تھے۔ یہ علاقہ بالکل سنسان ہوتا تھا۔ شہر جانے کیلئے ہم چار پانچ لوگ اکٹھے ہو کر قبرستان سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھار ہمیں چیخوں کی آوازیں آتی تھیں۔ کچھ آوازیں ہمارا نام لے کر ہمیں بلاتی تھیں مگر آبادی بڑھنے کے ساتھ یہ چیزیں ختم ہو گئیں۔ (بابا محمد انور کے بیان کی کسی دوسرے فرد یا ذرائع سے تصدیق نہ ہو سکی)

گل فروش شوکت علی نذیر احمد نے بتایا کہ گزشتہ 25 سالوں میں اسے کوئی آسیب بزرگ یا کوئی اور شے کبھی نظر نہیں آئی ہے۔

قبرستان کے اندر مختلف کاروبار کرنے والے افراد قبرستان کے ساتھ ملحقہ آبادیوں کے رہائشی، گورکنوں اور دوسرے سینکڑوں افراد کے ساتھ ملاقات کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ قبرستان کے ساتھ منسوب ایسے تمام واقعات کے علاوہ اچھرہ اڈہ قبرستان، سنگھ پورہ قبرستان، باغبانپورہ قبرستان، وڈا میاں داس قبرستان، چائنہ سکیم قبرستان، سکیم نمبر 2 قبرستان، ماڈل ٹاؤن قبرستان، سوڈیوال قبرستان، شاہ کمال قبرستان، اقبال ٹاؤن قبرستان، گارڈن قبرستان، ٹاؤن شپ قبرستان، گلبرگ قبرستان، فیصل ٹاؤن قبرستان، وغیرہ تمام قبرستان اب آبادیوں میں گھر چکے ہیں۔ ان تمام قبرستانوں کے آس پاس آبادیاں ہیں۔ یہاں گورکن بھی رہتے ہیں، ان متعلقہ افراد سے بھی رابطہ کیا گیا تو تقریباً سو فیصد نے ایسے واقعات کی مکمل طور پر تردید کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبرستانوں سے منسوب یہ داستانیں کیسے مشہور ہوئیں؟ ان کا اصل محرک کیا تھا؟

ماہر تعلیم مطیع اللہ گوہر تقریباً بیس سال سے سعودی عرب میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ سعودی عرب میں تو قبرستانوں کے متعلق جن بھوت اور آسیب کی بات آج تک جاننے کا موقعہ نہیں ملا اور نہ ہی وہاں لوگ ایسی لغویات پر یقین رکھتے ہیں۔ وہاں قبرستان میں خوف بھی محسوس نہیں ہوتا۔ یہاں تو قبرستان میں بلند و بالا مزارات، ٹوٹی پھوٹی قبریں، ویرانی، خودرو پودے اور اس قسم کا ماحول انسان کو دہشت زیادہ کر دیتا ہے۔

ایک بزرگ بخاری شاہ صاحب نے بتایا کہ میں قبرستانوں میں تقریباً بیس سے زائد چلے کاٹ چکا ہوں۔ ہر چلہ کم از کم چالیس دن کا تھا۔ قبرستان میں چلے کاٹنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہاں بڑی تعداد میں غیر مرئی قوتیں دستیاب ہو جاتی ہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شہر کے نزدیک صرف یہ جگہ ایسی ہوتی ہے کہ جہاں آپ سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنا مقصد حل کر سکتے ہیں۔ لوگ آپ کو ڈسٹرب کرنے نہیں آتے۔ ہمارے ہاں بہادر سے بہادر آدمی بھی قبرستان کے ماحول سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ شہر یا محلے میں رہ کر بھی آپ الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ خیال یہی ہے کہ عامل حضرات نے بھی ایسے قصے مشہور کئے ہوتے ہیں تاکہ لوگ قبرستانوں کا رخ نہ کریں اور وہ آرام کے ساتھ چلے وغیرہ کاٹ سکیں۔ بخاری صاحب

نے بتایا کہ جنات وغیرہ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ قبرستان یا کوئی خاص جگہ ان کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

ایک پولیس آفسر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ قبرستانوں میں جن بھوت وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ جرائم پیشہ افراد ایسی افواہیں پھیلا دیتے ہیں۔ آج سے بیس سال پہلے شاہ کمال (راواں) کے قبرستان کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں سر کٹے گھومتے رہتے ہیں۔ ان افواہ سے وہاں خوف وہراس پھیل گیا۔ مگر تحقیق کے بعد علم ہوا کہ یہ سب جرائم پیشہ افراد کا کیا دھرا ہے۔ کیونکہ وہاں وسیع پیمانے پر جوا کھیلا جاتا ہے۔ چوری، چکاری اور ڈکیتی کی وارداتیں بھی ہوتی تھیں۔ بچوں اور خواتین کو اغوا کر کے وہاں لایا جاتا تھا۔ پولیس اقدامات کے نتیجے میں یہ گروہ گرفتار ہوا تو لوگوں کا خوف وہراس ختم ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ تقریباً تمام قبرستانوں میں جوا بھی کھیلا جاتا ہے۔ منشیات بھی استعمال کی جاتی ہیں دوسرے جرائم بھی ہوتے ہیں۔

اس پولیس آفیسر کے اس بیان کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ میرا اپنا واسطہ قبرستانوں میں مختلف جرائم پیشہ افراد سے پڑا۔ یہ لوگ ویران جگھوں پر اپنے مذموم مقاصد کیلئے میٹنگز وغیرہ کرتے ہیں اور سکون سے چھپ کر بیٹھے رہتے ہیں۔ نشئی بھی بڑی تعداد میں قبرستان اور مزاروں پر نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی شہری ان کے نزدیک سے گزرے تو شرارت بھی کر دیتے ہیں، میں خودرات کے وقت میانی صاحب قبرستان کے وسط سے گزر رہا تھا تو ایک مزار سے ایک ہیروئن پینے والا نمودار ہوا اور عجیب وغریب حرکات کرنے لگا۔ جب میں نے اسے پکڑ کر دو تین تھپڑ لگائے تو معافیاں مانگنے لگا۔ اسی طرح ایک ’’عامل صاحب‘‘ ایک مزار کے عقب میں چلہ کاٹ رہا تھا۔ گورکنوں کو بھی اس کا علم تھا، جب میں اس کے نزدیک .... بعد میں علم ہوا کہ اس جگہ کے متعلق عاملوں نے بے شمار افواہیں پھیلا رکھی ہیں اور لوگوں کے خوف سے فائدہ اٹھا کر وہ سکون کے ساتھ چلے کاٹتے ہیں۔ ایک نامور عامل نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عاملوں اور اس قسم کے افراد نے

قبرستانوں کے متعلق بے شمار قصے مشہور کر رکھے ہیں۔

عام لوگ قبرستان جاتے ہوئے کیوں ڈرتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جماعت اسلامی کے رہنما فرید احمد پراچہ نے کہا کہ یہ تصور دراصل ہندوؤں کا پیدا کردہ ہے کہ ارواح بھٹکتی ہیں اور مردے میں بدروح داخل ہو جاتی ہے یا جو لوگ وقت سے پہلے مر جاتے ہیں اور وہ بھوت بن جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہندوؤں کی حد تک کچھ باتوں میں سچائی ہو کیونکہ وہ مردوں کو جلاتے ہیں اور زندگی میں بھی بتوں وغیرہ کو پوجا کرتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق مرنے کے بعد بھی ہندوؤں کی روحوں کو چین نہ ملتا ہو۔ انڈیا میں کالے جادو وغیرہ کیلئے بھٹکتی ہوئی ارواح کو بھی قابو کیا جاتا ہے مگر مسلمانوں میں ایسا نہیں ہے۔ چونکہ عام لوگ مردے سے خوفزدہ رہتے ہیں حتی کہ ان کا کوئی عزیز بھی فوت ہو جائیں تو اس سے بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ قبرستانوں میں داخل ہونے سے اجتناب ہی کرتے ہیں۔ وجہ دراصل ڈر اور خوف ہوتا ہے یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ حقائق کا اس قسم کے قصے کہانیوں سے دور دور کا تعلق نہیں ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اسلام کا مطالعہ اور اس کے قسم کے عقائد سے بچنا بہت ضروری ہے۔ ایک عامل نصیر بھٹی کا کہنا ہے کہ قبرستانوں میں جن و بھوت وغیرہ نہیں ہوتے۔ یہ کسی بھی جگہ نظر آسکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ قبرستان وغیرہ پاک جگہیں ہوتی ہیں۔ جبکہ اس قسم کے عملیات کے لیے ناپاک جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بھٹکتی ہوئی ارواح بھی ناپاک جگہوں پر رہتی ہیں۔ قربستانوں کا ان چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ سب سے زیادہ کلام پاک قبرستانوں میں پڑھا جاتا ہے اور سب سے زیادہ قرآنی آیات بھی قبروں پر ہی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا کلام الٰہی کی موجودگی میں بھوت پریت، جنات اور بدروحیں قبرستان میں کیسے رہ سکتی ہیں؟ قبرستان، جن، بھوت اور غیر مرئی واقعات لازم وملزوم سمجھے جاتے ہیں۔ مگر بعد از تحقیق ان چیزوں کا آپس میں رابطہ ثابت نہیں ہوا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ من گھڑت داستانوں کو پھیلانے کی بجائے

حقائق کو مدنظر رکھا جائے اور قبرستانوں سے خوف کھانے کی بجائے انہیں اپنا آخری ٹھکانہ سمجھ کران کے اچھے طریقے سے دیکھ بھال کی جائے اور انہیں جرائم پیشہ افراد کی دسترس سے محفوظ رکھا جائے۔ انہیں خوشنما اور صاف ستھرا بنایا جائے جہاں جا کر خوفزدہ ہونے کی بجائے انسان روحانی سکون محسوس کر سکے۔ (۲۷)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆

جادو یا آسیب

محترم ناز صاحب! میری شادی کو پانچ برس ہو چکے میری اہلیہ اچھے گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ شادی کے دو سال بعد ایک دن وہ اچانک بے ہوش ہوگئی۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ کافی دیر بعد ہوش میں آئی۔ عام صحت اچھی ہے مگر اس کے باوجود ان دوروں نے عجیب شکل اختیار کر لی یعنی اب وہ دوروں کے دوران گفتگو کرتی ہے۔ اس کی آواز بھاری اور مردانہ ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں تبت کا جن ہوں اور یہ یعنی میری اہلیہ کا معمول ہے۔ اس سلسلے میں گھر والوں نے تعویذ گنڈے والے بلوائے سب نے یہی کہا کہ آسیب زدہ ہے۔ اکثر اوقات کسی بزرگ کے پڑھنے سے وہ ٹھیک بھی ہو جاتی ہیں مگر چند دنوں بعد پھر دورہ پڑ جاتا ہے۔ اب بڑی مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہر منگل کو باقاعدہ دورہ پڑتا ہے اور محلے کی خواتین آ پہنچتی ہیں اس سے اپنے مستقبل کا حال پوچھتی ہیں۔ وہ اس طرح مردانہ آواز میں سب کے حالات بتاتی چلی جاتی ہے۔ چند ایک تو اس نے بالکل درست بتائے اور یہی بات میری پریشانی کا باعث بن چکی ہے۔ میں اسے قطعی طور پر ذہنی علالت سمجھتا رہا ہوں مگر اس کی پیشگوئی اور طرز گفتار نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کی علالت ہے۔ اگر علالت ہے تو آواز کا بدل جانا اور باتوں کا درست نکلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یا پھر میں بھی جن بھوت اور روحوں پر ایمان لے آؤں۔ میرے علم اور عقل میں جنگ ہو رہی ہے اس کا علاج بھی ختم کر دیا ہے اب صرف روحانی علاج ہو رہا ہے۔

محترم جعفری صاحب! علام اصطلاح میں اس مرض کو ہسٹیریا کہا جاتا ہے، ہسٹیریا کا مریض جذباتی ناآسودگی اور محرومی (فرسٹریشن) کا شکار ہوتا ہے۔ غیر آسودہ جذبات کا دباؤ جب شدت اختیار کرتا ہے تو مریض تناؤ اور غنودگی (ٹرانس) کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ غنودگی اس قسم کی ہوتی ہے کہ بظاہر مریض بے ہوش سا نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت میں سب کچھ

سنتا اور دیکھتا ہے۔ چونکہ وہ توجہ کا محتاج ہوتا ہے اور دورے کے عالم میں گھر والے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس طرح کسی حد تک وہ اپنی محرومی کا علاج کرتا ہے۔ جب اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ اس طرح گھر بھر کا مرکز بن گیا ہے تو لاشعور ان دوروں سے لذت حاصل کرنے لگتا ہے۔ اگر اس دوران کسی نے جادو ٹونے یا جن بھوت کا تذکرہ کر دیا۔ تو چونکہ مریض سب باتیں سن سکتا ہے اس لیے لاشعوری طور پر وہ اپنے آپ پر ایسی کیفیت طاری کرنے لگتا ہے جس سے جن بھوت کا تصور پیدا ہوتا ہو۔ ایک دفعہ اگر وہ اس حربے میں کامیاب ہو جائے تو پھر ہر بار وہ یہی ڈھونگ رچانے لگتا ہے۔ دوسری طرف اس کے عقاید اور کلام الٰہی پر یقین اسے تذبذب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی بارعب بزرگ آ کر کچھ پڑھے تو وہ کچھ اس خوف سے کہ اگر اس نے دورے کو ختم نہ کیا تو ہو سکتا ہے اس بزرگ کے کلام سے اسے نقصان پہنچے دوسری طرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ واقعی آسیب زدہ ہے، عارضی طور پر صحت یاب ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ مریض کسی ایک بزرگ شخصیت سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اگر دوسرے حضرات آئیں تو اس کا دورہ ختم نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اس شخص کو نہ بلایا جائے جس سے وہ متاثر ہے۔ اس طرح دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آسیب یا جن واقعی بہت سخت ہے جو صرف ایک بہت بڑے عامل کے قابو میں آتا اور دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مریض کی یہ تمام حرکات لاشعور کے تابع ہوتی ہیں اس طرح وہ گھر والوں سے انتقام بھی لیتا ہے اور اپنی محرومیوں کا علاج دوسروں کی توجہ حاصل کر کے کرتا ہے۔ وہ گھر میں ایک خاص مقام حاصل کر لیتا ہے جو اسے اور کسی طرح حاصل نہ ہوتا۔ وہ تمام لوگ جو اس پر رعب جماتے تھے اس سے خوف زدہ رہنے لگتے ہیں۔ دورے کے دوران اس کی دیکھ بھال اور خاطر مدارات بھی کرتے ہیں۔

ہسٹیریا کے مریض کا بہترین علاج یہی ہے کہ اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دی جائے اسے تنہا چھوڑ کر کمرے سے نکل جانا چاہیے کچھ عرصے بعد اس کے دورے کافی حد تک کم ہو جائیں گے۔ اس پر جتنی توجہ مبذول کی جائے گی، دورے اتنے ہی شدید ہوں گے۔ اس کے ساتھ نفسیاتی علاج بھی کرانا لازم ہے۔

اب رہا آپ کی پریشانی، اس کی مردانہ آواز، پیشگوئیاں! تو محترم مریض، چونکہ لاشعوری طور پر علیل ہوتا ہے اس کے لیے آواز بدل لینا معمولی بات ہے۔ آپ ایک بات لکھنا تو بھول گئے کہ آپ کی محترمہ غیر معمولی قوت کا مظاہرہ بھی کرتی ہوں گی۔ اگر اسے دو چار آدمی پکڑ کر جکڑنے کی کوشش کریں تو ایک ہی جھٹکے میں سب کو پچھاڑ دیتی ہوں گی۔ دراصل اس قسم کا مریض ایک ایسی غنودگی میں ہوتا ہے جسے ٹرانس کہا جاتا ہے آپ کو علم نہیں کہ اگر کسی آدمی کو ہپناٹائز کیا جائے تو اس کے اندر غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً اس کو لٹا کر اس کے سر اور پاؤں کے نیچے میز وغیرہ رکھ دی جائے اور اس کے درمیان دھڑ پر بوجھ لاد دیا جائے تو وہ اس بوجھ سے ہرگز نہیں لچکے گا جبکہ عام حالات میں درمیان میں معمولی وزن سے بھی وہ خم کھا جائے گا۔ ہوتا یہ ہے کہ عام حالات میں آدمی اپنی قوت کا ۲۰/۱ حصہ بھی استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ اسے خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ہڈی پسلی نہ ٹوٹ جائے۔ یہ خوف ایک مدافعتی حربہ ہے۔ لیکن جب وہ تنویم میں ہوتا ہے تو اس کا یہ خوف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر چھپی ہوئی قوت بیدار ہو جاتی ہے۔ تقریباً یہی حالت ہسٹیریا میں ہوتی ہے۔ اس طرح عمل تنویم کے ذریعے ہم آواز بھی بدلوا سکتے ہیں۔ اگر مریض کو یہ کہا جائے کہ وہ عورت ہے تو اس کی آواز بھی عورتوں جیسی ہو جائے گی۔ یہ اس کی لاشعوری حرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہسٹیریا میں مریض اپنی آواز بدل سکتا ہے۔ اب رہی پیشگوئی کی بات تو محترم آزما کر دیکھئے شاید سو میں سے ایک آدمی کے متعلق پیشگوئی صحیح ثابت ہو گی۔ اگر اس کے اندر واقعی کوئی غیر مرئی طاقت (جن بھوت) ہے تو پھر سو فیصد باتیں درست ہونی چاہئیں۔ اسی طرح اگر سو مریض آئیں اور وہ ان پر دم کر کے پھونک دے تو ان میں سے دس یقیناً صحت یاب ہو جائیں گے جو ویسے بھی وقت پر صحت یاب ہو ہی جاتے۔ بہرحال یہاں میں نے بڑے اختصار سے آپ کو سمجھانے کی سعی کی ہے۔ آپ اپنی اہلیہ کا نفسیاتی علاج کروائیں اگر آزمانا ہی چاہتے ہیں تو کسی معالج سے بجلی کے دو جھٹکے لگوائیں پر دیکھئے جن کیسے بھاگتا ہے۔ (۲۸)

فال، رمل، دلیل

"میں کسی کے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن لوگوں کے دلوں کے وہ وہ بھید جانتا ہوں جنہیں وہ اپنے آپ سے بھی چھپائے پھرتے ہیں...... میں سوسائٹی کا راز داں ہوں۔"

جیجے تانگے والے کے انٹرویو (سالنامہ ۱۹۶۶) کے معاً بعد قارئین کی فرمائشوں کی قطار لگ گئی۔ کسی نے ٹیکسی والے کے انٹرویو کی فرمائش کی بہتوں نے رکشا والے کے انٹرویو کے لیے کہا۔ بعض نے پان سگریٹ والے کے انٹرویو پر زور دیا۔ ان 'والوں' کی قطار خاصی لمبی ہوگئی اور میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل کہ کس 'والے' کا انٹرویو لوں۔

ایک روز ایک دوست سے ملاقات ہوگئی۔ بولا...... "ایک رمل فال والے کا انٹرویو لو گے؟"...... اور وہ رمل فال والے کی زبان میں کہنے لگا...... "جو پوچھو گے بتلائے گا"...... مجھے حسرت ہوئی لیکن سوچا کہ دوسروں کا حال بتانے والا اپنے دل کی بات کبھی میرے سامنے نہیں اُگلے گا۔ میرے دوست نے یہ مشکل بھی آسان کر دی کہنے لگا۔ "وہ میرا دوست ہے اور میں اس کے ساتھ تمہارے متعلق بات کر چکا ہوں۔ وہ کوئی بات نہیں چھپائے گا۔ شرط یہ ہے کہ اس کا نام نہ لکھنا۔"

میں حیران سا ہوا کہ رمل فال والا میرے دوست کا دوست کیونکر ہو سکتا ہے لیکن میرے دوست نے ایک ڈرامائی کہانی سنا ڈالی۔ ہوا یوں کہ میرا دوست جب پرائمری سکول میں پڑھا کرتا تھا تو اس کا ایک ہم جماعت تھا جو ماں باپ کا اکلوتا بچہ تھا۔ لاڑ پیار سے بگڑا ہوا! یہ بچہ باپ کے ساتھ سکول آیا کرتا تھا اور چھٹی کے وقت اسے باپ ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ وہ تیسری جماعت میں تھا کہ اس بچے کی ماں مر گئی۔ چند ہی ماہ بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی اور اس گھر میں اسی حزنیہ ڈرامے کے پردے اٹھنے شروع ہو گئے جس کی کہانی ہمارے معاشرے میں ہر روز دہرائی جاتی ہے۔ اس کہانی میں کوئی انوکھا پن نہیں، کوئی ندرت نہیں اور ہمیں یہ کہانی زبانی یاد ہو گئی ہے۔ یہ بچہ بھی آہستہ آہستہ باپ کی شفقت سے محروم ہونے لگا۔ میرے دوست کو آج بھی یاد ہے کہ جس روز یہ بچہ پہلی بار باپ کے بغیر سکول آیا وہ دن بھر ڈرا ڈرا اور رنجیدہ رہا جیسے پہلی بار سکول میں آیا ہو۔ چھٹی کی گھنٹی بجی، بچے غل غپاڑہ کرتے سکول سے بھاگ گئے لیکن یہ بچہ پھاٹک میں کھڑا خلاؤں میں باپ کو ڈھونڈتا رہا۔ میرے دوست کو اس کے ساتھ خاصا لگاؤ تھا۔ اس نے بچے کو ساتھ لیا اور گھر چھوڑ آیا۔ ہر لمحہ ہنسنے کھیلنے والا بچہ بالکل ہی بجھ کے رہ گیا۔

چند دنوں بعد وہ سکول سے غیر حاضر رہنے لگا۔ پڑھائی میں وہ ایسا برا نہیں تھا لیکن وہ کلاس کا کند ذہن بچہ بن گیا اور ماسٹر نے اسے بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ پہلے روز جب ماسٹر نے اسے تھپڑ مارا تو وہ سارا دن روتا رہا تھا پھر ہر روز کی پٹائی کا ایسا عادی ہوا کہ اف تک نہ کرتا تھا جیسے پتھر بن گیا ہو۔ چند ہی ماہ پہلے کا خوش شکل اور خوش پوش بچہ، جو روز دھلے دھلائے، استری کیے ہوئے کپڑے پہن کر آتا تھا۔ اب کئی کئی روز ایک ہی شلوار قمیض پہنے رکھتا۔ اس کی تو شکل وصورت ہی بگڑ گئی تھی۔

ماں کی موت اور سوتیلی ماں کی آمد نے اسے پیار اور محبت سے محروم کر دیا تھا۔ اس کی جیب میں ہر روز دو چار آنے ہوا کرتے تھے یہ اس دور کی بات ہے جب دو چار آنے سے ایک پورے کنبے کی ہانڈی پک جایا کرتی تھی مگر اب وہ ہمجولوں کے مٹھی بھر چنوں اور ریوڑیوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا جس ننھے سے دل میں پیار ہی پیار تھا۔ اس دل میں اب چنگاریاں سلگنے لگیں۔ باپ دوسری بیوی کی ذات میں گم ہو چکا تھا اور وہ اپنی ذات کی چنگاریوں میں جلنے لگا۔

جب وہ میرے دوست کے ساتھ چوتھی جماعت میں پہنچا تو وہ ماسٹر کے لیے ہی نہیں ساری کلاس کے لیے آفرسودہ بن گیا۔ وہ اب اس پر غیبی قوت کے خلاف جوابی حملے پر اتر آیا

تھا جس نے اسے ممتا اور باپ کی شفقت سے محروم کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس قوت سے تو واقف نہ تھا، اس کے سامنے کلاس کے بچے تھے۔ ہر روز کسی نہ کسی بچے کو بے دردی سے پیٹ دینا اور ماسٹر سے مار کھا لینا اس کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔

ایک روز اس کے باپ نے آ کر ماسٹر سے شکایت کی کہ بچہ گھر سے پیسے چرا لیتا ہے اور اپنی سوتیلی ماں کو پتھر مارتا ہے۔ یہ وہی باپ تھا جو اس بچے کو بڑے پیار سے سکول چھوڑ بھی جاتا تھا۔ مگر اس روز اس کا لب و لہجہ ایسا تھا جیسے یہ بچہ اس کا اپنا تھا ہی نہیں۔ ماسٹر نے اس ایک شکایت کے جواب میں شکائتوں کا دفتر کھول دیا۔ اس روز پتہ چلا کہ بچہ گھر میں بھی مار کھاتا ہے اور رات بہت دیر سے گھر آتا ہے۔

اب وہ نہایت تیزی سے تباہی کی طرف جا رہا تھا۔ ایک روز ماسٹر نے اپنا کوٹ کرسی کے پیچھے لٹکایا اور باہر نکل گیا۔ اس بچے نے کوٹ کی جیب سے پیسے چرا لیے لیکن پکڑا گیا اور ماسٹر نے اسے اس قدر پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس روز کے بعد وہ کئی کئی دن جماعت سے غیر حاضر رہنے لگا اور ایک روز اس خبر نے کلاس پر سناٹا طاری کر دیا کہ اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ اس نے ایک دکان سے پیسے اڑانے کی کوشش کی تھی۔ پولیس نے اس کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ سکول کے بچے اسے دیکھنے کے لیے یوں بھاگے جیسے وہ کسی اور جہاں کی مخلوق ہو لیکن وہ گھر نہیں آیا تھا۔ وہ اب کسی اور ہی جہاں کو سدھار گیا تھا اس کے بعد نہ وہ کبھی سکول میں نظر آیا نہ قصبے میں۔

یہ پینتیس ۳۵ برس پہلے ہوشیار پور کا حادثہ ہے۔ وقت گذرتا چلا گیا اور ایک بچہ وقت و زمانہ کے اندھیروں میں کھو گیا۔ ذرا سے ہی عرصے میں وہ ہوشیار پور والوں کے دلوں سے اتر گیا۔ اس کے بعد اس کے ہم جماعت دسویں پاس کر کے تتر بتر ہو گئے اور ۱۹۴۷ء میں ہوشیار پور کی ساری ہی مسلمان مخلوق تتر بتر ہو گئی اور میرا دوست اپنے خاندان کے ساتھ لاہور آ گیا۔

چند دنوں کی بات ہے کہ میرا دوست فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر جوتشی نے اسے اسی طرح روک لیا جس طرح جوتشی راہ گیروں کو روکا کرتے ہیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں میلا سا تھیلا، دوسرے میں سلیٹ اور سلیٹ پر سنگلی رکھی تھی۔ وہ چہرے مہرے اور ہر زاویے سے جوتشی تھا۔ اس نے میرے دوست کو روک کر اس کی پیشانی پر انگلی رکھی اور جوتشیوں کی مخصوص آواز میں بولا...... ”برا نہ جانیو بابو، تیرے ماتھے پر ایک لکیر ہے جو کسی ماتھے پر نہیں ہوتی۔ پر تیرے کو پتہ نہیں بابو۔ ہم کو تیرے سے کوئی لالچ نہیں بابو، من کی موج ہے۔ کہو تو تیرے من کی دو باتیں بتا دیں۔......“

میرے دوست کو کوفت سی ہوئی اور وہ اس سے گلو خلاصی کرانے لگا لیکن جوتشی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا...... ستارے کا چکر تیرے کو لاہور لے آیا ہے، پر ہوشیار پور کی لکیر مدھم نہیں ہوئی......“ ہوشیار پور کے نام پر میرا دوست چونکا۔ اس نے دیکھا جوتشی مسکرا رہا تھا۔ بولا...... ”پہچانا نہیں دوست! تم ایزی ہو نا! میرا نام...... ہے......“ اور اس نے میرے دوست کو بچپن کے واقعات یاد دلا دیئے۔ وہ میرے دوست کا وہی ہم جماعت تھا جو ماں باپ کے کھوئے ہوئے پیار کی جستجو میں چوتھی جماعت سے بھاگ گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر دس برس تھی اور آج عمر پینتالیس برس سے تجاوز کر رہی تھی۔ وہ میرے دوست کو بڑے پیار سے ملا۔ پھر اسے اکثر ملتا رہا۔

اور ایک روز میرا دوست اسے طے شدہ پروگرام کے تحت میرے ہاں لے آیا۔ اس نے میرے ساتھ ہاتھ ملایا تو اس کے مصافحہ میں گرم جوشی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں اس کے بچپن کی داستان سن چکا تھا جس نے میرے لیے اس کی دکھتی رگ پکڑنے کا کام سہل کر دیا تھا لیکن اس نے مجھے تمہید کی مہلت ہی نہ دی بیٹھتے ہی بولا...... ”ایزی۔ (میرا دوست کہتا تھا کہ آپ میرے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں لیکن میرے متعلق کچھ نہ لکھیے کیونکہ وہ صرف ایک ہی آدمی کی کہانی بن جائے گی......“ وہ ہنس پڑا اور بولا ”میں تو آدمی نہیں ہوں، میں چلتا پھرتا فراڈ ہوں۔ آپ میرے فراڈ کی کہانیاں لکھیے کیونکہ یہ کہانیاں صرف میری نہیں ہوں گی۔ یہ ہر اس جوتشی اور فال رمل والے کی کہانی ہو گی جو شہروں کے فٹ پاتھوں پر التی

پالتی مارے راہ گیروں کو پھانستے رہتے ہیں یا گلیوں میں عورتوں کے دلوں کے حال معلوم کرتے رہتے ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جنھوں نے کوٹ پتلون پہن کر باقاعدہ دفتر کھول لیے ہیں اور ان کہانیوں میں آپ لوگوں کی قسمتوں کا ہی نہیں ان کے دلوں کا حال بھی جان جائیں گے۔ سچی بات تو یہ ہے جناب! صرف میں ہی نہیں ساری سوسائٹی فراڈ ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سوسائٹی خود ایسے فراڈ کی شکار ہے۔ جس کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی، سوائے فراڈ کے''

وہ بلا رکے بولے جا رہا تھا اور میں نے انٹرویو کا جو ڈھانچہ ذہن میں مرتب کر رکھا تھا وہ گڈمڈ ہونے لگا میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن وہ بولا...... ''ایک منٹ، ذرا میری بات سن لیجئے۔ اتوار کے روز کوئی اخبار اٹھا لیجئے تقریباً ہر اخبار میں آپ کو ایک کالم نظر آئے گا۔ ''آپ کا یہ ہفتہ کیسے گذرے گا؟'' یا آپ کی قسمت کا یہ ہفتہ'' یا'' آپ کا ستارہ''...... آپ کا نام 'ع' سے شروع ہوتا ہے۔ تمام اخباروں کو سامنے رکھ کر دیکھئے۔ ایک اخبار کا جوتشی کہتا ہے کہ اس ہفتے سفر پہ نہ جانا، نقصان اٹھاؤ گے لیکن دو اخبار کہتے ہیں کہ اس ہفتے سفر سود مند رہے گا۔ ایک خبار خوشخبری دیتا ہے کہ محبت کے معاملے میں کامیابی ہو گی لیکن دوسرا کہتا ہے کہ تعلقات ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے اس کے باوجود لوگوں کو قسمت کے ستاروں۔ ہم جیسے فنکاروں اور اخباروں نے ایسا جل دے رکھا ہے کہ وہ بے چارے الجھے ہوئے مسئلوں اور زندگی کے جھمیلوں کا حل ان ہی اندھیری بھول بھلیوں میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

''رمل فال کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ علم مستقبل کے پردے اٹھا سکتا ہے؟''

''سنا ہے کہ رمل فال اور جوتش کے نام کا بھی کوئی علم ہے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن عمر لگانی پڑتی ہے۔ یہ علم ان کے بس کی بات نہیں جو پوتھیاں اور سلیٹیں اٹھائے گلی گلی جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ مجھے یہ علم پڑھنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی نہ ہم فال رمل والے کسی کے مستقبل کے پردے اٹھا سکتے ہیں۔ میرے علم کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کے پردے چاک کر لیا کرتا ہوں۔ میں چہرہ دیکھ کر پہچان لیا کرتا ہوں کہ یہ آدمی یا یہ عورت کیا چاہتی ہے۔ آپ اتنی سی بات جان لیجئے کہ جب کوئی انسان جوتشی کے سامنے ہتھیلی پھیلا دیتا ہے تو اس کی ہتھیلی ہی نہیں اس کا ضمیر ننگا ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ ایک کامیاب رملی پہلے ہی دو فقروں میں سائل پر جادو طاری کر دیتا ہے پھر اسے اپنی زبان کے جادو سے نکلنے نہیں دیتا......''

اس نے اچانک میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میری ہتھیلی کو غور سے دیکھ کر بولا...... ''آپ کی زندگی میں دو موقعے ایسے آئے ہیں کہ آپ مرتے مرتے بچے ہیں اور ایک موقعہ ایسا آیا ہے کہ موت آپ کے کندھے پر ہاتھ مار کر ایک طرف ہو گئی تھی...... ذہن پر زور دیجئے اور بتائیے کہ میں نے جھوٹ تو نہیں بولا؟''

مجھے ذہن پر زور دینے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ مجھے فوراً شمالی مغربی سرحد کے قبائلی علاقے کا ایک برسوں پرانا واقعہ یاد آ گیا جب میری بٹالین ایک پوزیشن چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہی تھی۔ قبائلی پٹھانوں نے ہمیں شدید جھڑپ میں الجھا لیا تھا پیچھے چٹانیں اور سامنے میدان تھا جب ہم میدان میں آئے تو کسی قبائلی کی گولی میرے دونوں پاؤں کے درمیان زمین میں آ لگی، معاً بعد تین چار گولیاں میرے ایک ایک فٹ ادھر ادھر زمین پر لگیں اور میں لیٹ گیا تا کہ دشمن سمجھ جائے کہ اس کا نشانہ خطا نہیں گیا اور میں مر گیا ہوں۔ اس کے بعد مجھ پر گولی نہ آئی اور نصف گھنٹہ بعد جب میں اپنی پسپا ہوتی کمپنی سے جا ملا تو میرے ساتھی مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میں زندہ ہوں۔

میں نے یہ واقعہ اسے سنا دیا لیکن اس نے کہا۔ ''مجھ سے کوئی قسم لے لو کہ مجھے آپ کے ماضی کے متعلق ذرہ بھر بھی علم تھا یا کبھی ہو گا۔ کسی بھی آدمی کو کہہ دو کہ تم پر دو چوٹیں پڑ چکی ہیں اور تیسری آ رہی ہے تو اسے کوئی نہ کوئی دو چوٹیں یاد آ ہی جاتی ہیں اور تیسری سے بچنے کے لیے وہ رملی کے قدموں میں سر رکھ دیتا ہے۔ میں جب مسکرا کر کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہوں...... ایک روح ہے پر تیرے پیچھے بڑی بے حال ہے۔ دروازہ

پچھم کو کھلتا ہے پر تو پورب سے گذر جاتا ہے...... تو وہ آدمی جال میں پھنسے ہوئے بیٹر کی طرح پھرلیاں مارنے لگتا ہے۔ پچھم کی طرف تو سینکڑوں دروازے کھلتے ہیں اور ہر دروازے کے پیچھے ’روحیں‘ ہوتی ہیں جن میں سے ایک دو کو سائل جانتا پہنچانتا ہے۔ کوئی ’روح‘ اس کے پیچھے بے حال ہو نہ ہو، وہ ضرور بے حال ہو جاتا ہے اور اسے پچھمی دروازے سے کچھ وصول ہو نہ ہو رملی اپنی وصولی کر لیتا ہے۔‘‘

‘‘لیکن......’’ میں نے کہا۔ ‘‘وہ آدمی مایوس ہو کر پھر آپ کے پاس نہیں آتا؟’’

‘‘بہت آتے ہیں۔’’ اس نے کہا۔ ‘‘اور رملی چاہتا ہی یہی ہے کہ وہ پھر آئیں۔’’

‘‘پھر تو آپ کو کئی پینترے بدلنے پڑتے ہوں گے؟’’

‘‘بالکل نہیں!’’ اس نے کہا۔ ‘‘اس کے مایوس لوٹ آنے سے رملی کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ وہ اس آدمی سے اس پچھمی دروازے کا اتا پتہ پوچھ لیتا ہے جہاں سے وہ مایوس لوٹا ہے۔ پھر وہ بھانپنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ آدمی کتنے کی آسامی ہے۔ اگر وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہو تو ایک روز رملی اس مخصوص دروازے کے سامنے صدا لگا رہا ہوتا ہے...... ’فال، رمل، دلیل،...... اس روز نہ سہی تو دوسرے روز، دوسرے روز نہ سہی تو تیسرے روز۔ آخر ایک نہ ایک روز رملی کے سامنے ایک دبلا پتلا خوبصورت سا ہاتھ پھیلا ہوا ہوتا تھا۔ پھر رملی کی زبان کا طلسم اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتا۔ اس کے بعد رملی رملی نہیں رہتا۔ وہ پچھمی اور، پوربی، دروازوں کے درمیان چلتا پھرتا ٹیلیفون بن جاتا ہے جس کے تار کسی کو نظر نہیں آتے اور ایک روز دو روحوں کا ملاپ ہو جاتا ہے۔’’

اس نے مجھے حیرت زدہ سا دیکھ کر کہا۔ ‘‘میں جانتا ہوں آپ میری باتوں پر یقین نہیں کر رہے۔ لیکن آپ غور نہیں کر رہے کہ فال رمل والے اور جوتشی کے اس کام کو (یا اس گناہ کو) کون سے حالات آسان بناتے ہیں؟ آپ غور کریں تو آپ کو یاد آئے گا کہ فال رمل والے گلی محلوں میں کسی اتوار یا کسی چھٹی کے روز نظر نہیں آئیں گے کیونکہ اس روز مرد گھر ہوتے ہیں۔ رملی اس وقت گلیوں میں جاتے ہیں جب مرد اپنے کام کاج یا دفتروں کو چلے گئے

ہوتے ہیں اور عورتیں گھروں میں اکیلی ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت بجلی ہوتی ہے جو اچھے اچھے جابر مردوں کو زیر کر لیتی ہے لیکن جناب! میرا تجربہ ہے کہ عورت اس قدر کمزور چیز ہے کہ میں نے آدھے منٹ میں اچھی اچھی جابر عورتوں کے آنسو نکال دیئے ہیں۔ عورت کا دل گردہ اور جسم جثہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اس کے جذبات بڑے نازک ہوتے ہیں۔

ہمارے لئے دوسری آسانی آج کل کی فلموں، فلمی گیتوں، فیشن، سکوٹروں اور کاروں کی بھرمار نے پیدا کر دی ہے...... میں فلاسفر نہیں صاحب! میں جرائم پیشہ ہوں۔ آپ کتابیں پڑھ کر کتابیں لکھ سکتے ہیں لیکن میں انسانوں کے ضمیر پڑھ کر ان کے متعلق صرف باتیں کر سکتا ہوں اور یہ دعوے بھی کر سکتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے اور جو میں نے دیکھا ہے وہ آپ نہیں دیکھ سکتے۔ جناب ہمارے ملک میں اخلاق ختم ہو چکا ہے اور اخلاق کے خاتمے کو ہی لوگوں نے نئی تہذیب کا نام دے دیا ہے۔ ایک ہمارا تمہارا زمانہ تھا جب انسان انسان کی قدر کرتا تھا۔ ذرا سوچئے کہ ایزی بھائی کو میں نے چالیس برس بعد دیکھا تو فوراً پہچان لیا کیونکہ اُس کا بچپن کا چہرہ میرے سینے پر نقش تھا لیکن آج وہ زمانہ آ گا ہے کہ انسان کو پیسے سے پیار ہو گیا ہے۔ پیسہ، پیسہ، پیسہ...... جیسے دین و ایمان پیسہ بن گیا ہو۔ ہمارے غریبوں کا یہ حال ہے کہ غربت کو چھپانے کی خاطر اس قدر خرچ کرنے لگتے ہیں کہ مقروض ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ پیسے کے بغیر آج کل کسی کی عزت بھی محفوظ نہیں کم از کم لوگ یہی سمجھنے لگے ہیں۔ خیر یہ تو بڑی لمبی باتیں ہیں۔ میں صرف بتانا چاہتا ہوں۔ کہ لوگوں کی کمزوریاں کیا ہیں جنہوں نے ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔

ذرا خیال فرمایئے کہ ایک نوجوان لڑکی فلم دیکھ کر آ رہی ہے۔ اس فلم میں ہر فلم کی طرح سوائے عشق و محبت، بے حیائی، فحش گانوں، فیشن اور دولت پرستی کے اور کچھ نہیں۔ لڑکی یہی ایک تاثر لے کر سینما ہال سے نکلتی ہے کہ زندگی ہے تو یہ ہے یعنی فلمی ہیروئن کی سی زندگی۔ اس لڑکی کے ذہن پر کار سوار ہوتی ہے مگر وہ پا پیادہ گھر آ رہی ہے۔ اتنے میں اس کے قریب سے ایک کار زناٹے سے گذر جاتی ہے۔ کار سے کسی لڑکی کا قہقہہ بلند ہوتا ہے۔ جو اس لڑکی کی

ذات میں زلزلے بپا کر جاتا ہے۔ ایسے قہقہے تو سڑکوں پر گونجتے ہی رہتے ہیں جن میں ہنسی نہیں ہوتی بلکہ بے حیائی اور نمائش ہوتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ وہ بھی لڑکی ہے جو کار پر جا رہی ہے اور یہ بھی لڑکی ہے جو فٹ پاتھ پر جا رہی ہے۔ اس لڑکی کے خیالوں میں ایسا ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے کہ وہ برقعے کو تار تار کر کے اس گھر سے بھاگ جانا چاہتی ہے جہاں قالین نہیں پردے نہیں، صوفے نہیں اور جس کے دروازے کے سامنے کار نہیں اور جو گھر فلمی گھر کی طرح محل نہیں۔ اس لڑکی کے کردار کو تو فلم ڈنک مار کر تباہ کر چکی ہے اور جب وہ گھر آتی ہے تو اسے ریڈیو پر گانا سنائی دیتا ہے...... ‘‘تمہیں پیار کرنا سکھانا پڑے گا، فلم میں دیکھ آئی ہے کہ ہیروئن نے ایک کار والے سے پیار کیا تھا تو اسے کار مل گئی تھی اور وہ جو لڑکی کار میں قہقہے لگاتی قریب سے گزر گئی تھی۔ اس نے بھی کار اسی طرح حاصل کی ہوگی۔

اور جب ایک روز رملی اس کے دروازے کے سامنے کھڑا صدا لگاتا ہے۔ فال، رمل، دلیل...... تو یہ لڑکی گھر والوں کی نظر بچا کر ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دیتی ہے مگر پوچھنے سے گریز کرتی ہے کہ میری قسمت میں کار لکھی ہے؟ وہ پوچھے نہ پوچھے، رملی چہرے کے رنگ روغن سے دل کا حال معلوم کر لیتا ہے اور اس کے ہاتھ کو ذرا سا دبا کر کہتا ہے...... پنچھی پنجرے میں تڑپ رہا ہے۔ پر جانتا نہیں کہ پنجرہ کھلا ہے۔ یہ لکیر سیدھی کوٹھی میں جاتی ہے۔ پر راستے میں کانٹے ہیں...... ذرا سیدھے ہاتھ کی انگلی کسی خانے میں رکھ دے، بچی! پر اللہ کا نام لے کر...... اور جب لڑکی سلیٹ پر کسی خانے میں انگلی رکھتی ہے تو رملی اچھل کر کہتا ہے...... ’ہاہا! کاریں بول رہی ہیں۔ بیٹی بڑی بھاگوان ہے، پر ٹھنڈے دودھ کو پھونکیں مار رہی ہے جس خانے میں بیٹی کی انگلی ہے وہاں کسی شہزادے کا سایہ ہے۔ پر نظر نہیں آتا۔ ہم تیرے کو ابھی دکھا دیں گے...... پھر ایک روز رملی اسے کسی شہزادے کے پاس پہنچا دیتا ہے......’’

‘‘کیا آپ ہر لڑکی کے ساتھ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں؟’’ میں نے پوچھا۔

‘‘نہیں۔’’ اس نے کہا۔ ‘‘ہم چہرہ پہچان لیتے ہیں اور اگلے کے منہ سے دل کی دو باتیں اگلوا لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی لڑکی ذرا شرما کر یہ پوچھ بیٹھے کہ میرے منگیتر کے دل میں میری چاہت ہے؟ یا میرے بھائی کی منگنی وہاں ہو جائے گی۔ جہاں ہم کوشش کر رہے ہیں؟ تو ہم کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نہیں نکالتے ہم دراصل سائل کو اس کے دل کی باتوں کے مطابق گمراہ کرتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے جناب! کہ ہمارے ملک کی مخلوق ہے ہی گمراہ! یہی وجہ ہے کہ رملیوں اور جوتشیوں اور پیروں فقیروں کی منڈی چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ لوگ اس قدر بے بس اور مجبور ہیں کہ جھوٹے سہارے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ ذرا خود ہی سوچیں کہ جس ماں کا جوان بیٹا خیراتی ہسپتال کے برآمدے میں دم توڑ رہا ہو اور اس کے پاس اتنے پیسے نہ ہوں کہ کسی ڈاکٹر یا حکیم کے دروازے پر جا گرے تو وہ کیا کرے گی؟ زندگی کے تمام دروازے بند دیکھ کر وہ دوپٹہ پھیلائے کسی مزار کے مجاروں کے قدموں میں یا کسی پیر فقیر کے ڈیرے میں جا گرے گی یا راستے میں کوئی مجھ جیسا فال، رمل والا مل گیا تو اسی کے سامنے ہاتھ پھیلا دے گی اور جو دو چار آنے اس کے پاس پلے ہیں وہ رملی کی سلیٹ پر پھینک کر ایک ہی فریاد کرے گی کہ جوتشی بابا! میرا بیٹا اس روگ سے بچ جائے گا؟ رملی اسے کبھی نہیں کہے گا کہ تیرا بیٹا انہیں بیٹوں کی طرح بغیر علاج کے مر جائے گا جنہیں ہسپتالوں میں داخلہ نہیں ملتا اور جن کے پاس ڈاکٹروں کی فیس نہیں ہوتی...... ایسی مائیں ایک نہیں، دو نہیں، ہزاروں ہیں، جناب ہزاروں......

ذرا اس ماں کا تصور کرو جو ہر جوتشی اور ہر رملی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتی ہے اور ایک ہی سوال پوچھتی ہے کہ سائیں بابا! کوئی ایسا آدمی بتا دو جو میری بیٹی کو جہیز کے بغیر بیاہ لے جائے لیکن اس بدنصیب ماں کو فال، رمل والے کبھی نہیں بتاتے کہ مائی! جس بیٹی کی قسمت میں جہیز نہیں لکھا اس کی قسمت میں خاوند بھی نہیں ہوتا...... یہی ہوتی ہیں وہ مائیں جو اپنا پیٹ کاٹ کر پائی پائی جمع کرتی رہتی ہیں اور ایک روز پونجی دگنی کرانے کے لیے کسی مجھ جیسے سائیں بابا، کے حوالے کر دیتی ہیں۔ ان ماؤں کو ہزار کہو، ہزار اخباروں میں مضمون چھاپتے رہو کہ نوٹ کبھی دگنے نہیں ہوئے اور نوٹ دگنے کرنے والے چور اچکے ہوتے ہیں۔ لیکن

قسمت کے مارے ہوئے ان لوگوں کے اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکتا کہ پھر ہماری بیٹی کا بیاہ کیسے ہو گا؟ ہمارے بیٹے کا علاج کون کرے گا؟ ہم مر گئے تو ہمیں کفن کون پہنائے گا؟...... انہیں کوئی جواب نہیں ملتا تو وہ ہاتھوں کی لکیروں کے جال میں الجھ کر یوں گم ہو جاتے ہیں جیسے اندھیرے میں سوئی تلاش کر رہے ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قسمت انہی لکیروں کے گورکھ دھندے میں کھو گئی ہے......

جناب! آج کل تو لوگ آٹا بھی ان ہی لکیروں میں ڈھونڈنے لگے ہیں۔ جو باپ دن رات محنت مشقت کر کے اپنے بیوی بچوں کو پیٹ بھر روٹی بھی نہیں دے سکتا، وہ میری پوتھی اور میری سلیٹ پر کیوں نہیں آ گرے گا؟ ساٹھ روپے کا چپڑاسی اور چوکیدار اور ڈیڑھ سو روپے کا کلرک ساری کی ساری تنخواہ کا صرف آٹا کیسے خریدے گا؟...... جناب! یہ ملک چپڑاسیوں، چوکیداروں اور کلرکوں کا وطن ہے لیکن اس وطن کی قسمت دن دہاڑے سمگل ہو گئی ہے...... یہ لوگ آسمان کی طرف منہ کر کے آہیں بھرتے رہتے ہیں یا ہاتھ کی لکیروں کو بڑی غور سے دیکھنے لگتے ہیں اور جونہی کوئی فال، رمل والا ان کی راہ روک کر کہتا ہے...... تیرے ماتھے پر ایک لکیر ہے جو کسی ماتھے پر نہیں ہوتی، تو وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے۔ ہم رملی لوگ انہیں مایوس نہیں کرتے۔ ہم ان کے ساتھ کوئی بے ایمانی نہیں کرتے۔ وہ کسی بڑے ہی خوبصورت فریب میں مبتلا ہو کر اپنے اوپر ایسا نشہ طاری کر لینا چاہتے ہیں جو انہیں جینے کی تلخیاں بھلا دے۔ ہم رملی انہیں ایسے ہی فریب میں الجھا لیتے ہیں اور وہ باقی زندگی بڑے مزے سے بھوکے ننگے رہ کر گزار جاتے ہیں......

ان بدنصیبوں کو فال، رمل والا نہ ملے تو وہ ہر اتوار اخباروں میں آپ کی قسمت کا یہ ہفتہ، دیکھ کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اور یوں ان کی زندگی ہر ہفتے نئے سے نئے فریب میں الجھ کر ہفتوں کے حساب سے گزرتی جاتی ہے، حتیٰ کہ ان کی زندگی کا آخری ہفتہ آ جاتا ہے۔ کسی اور کی قسمت کا حال چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو، ان اخباروں کی قسمت ضرور جاگ اٹھتی ہے۔ صرف اس ایک کالم کی وجہ سے کئی پرچے فالتو بک جاتے ہیں......

میں آپ کو ایسے گھرانے دکھا سکتا ہوں جہاں رشوت بارش کی طرح آ سکتی ہے لیکن وہ اللہ کے نام سے اتنا ڈرتے ہیں کہ روکھی سوکھی کھا کے گزارا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن کر نہیں سکتے۔ انہیں جب دیانتداری بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں دیتی تو اس گھر کی عورتیں گلیوں میں پھرتے رملیوں کے آگے ہاتھ پھیلا دیتی ہیں۔ وہ زبان سے تو کچھ اور کہتی ہیں لیکن ان کے دلوں کی فریادیں ان کے چہروں پر لکھی ہوتی ہیں۔ وہ پوچھنا دراصل یہ چاہتی ہیں کہ رملی دیکھ تو ذرا۔ ہم بڑے نیک لوگ ہیں لیکن کوئی مراد پوری نہیں ہوتی۔ دیکھنا تو ہاتھ کی کوئی لکیر ٹیڑھی تو نہیں ہو گئی؟ ان کی الجھن دراصل یہ ہوتی ہے کہ ان ہی کے گلی محلے میں ایک آدمی ہے جس کی تنخواہ دو اڑھائی سو روپے ہے لیکن وہ تین مکانوں کا مالک ہے اور اس نے ایک لڑکے کی شادی کی تھی تو بڑے بڑے افسر بارات کے ساتھ آئے تھے۔ اس کے مقابلے میں وہ پانچ پانچ چھ چھ سو روپے ماہوار پانے والے لوگ رو پیٹ کر اپنی صرف وضعداری برقرار رکھ سکتے ہیں۔''

''تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ آج کل ہر آدمی کو چور ہونا چاہئے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ رشوت لے، حرام کھائے، چوری کرے؟''

''کہاں جی!'' اس نے کہا۔ ''آج کل چوری چکاری میں بھی کچھ نہیں ملتا۔ آپ سو روپے کی چوری کریں تو نوے روپے آپ کو تقسیم کرنے پڑیں گے ورنہ آپ پہلی چوری میں ہی پکڑے جائیں گے۔ استادوں نے علاقے بانٹ کر ہر طرف قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر آپ کسی استاد سے مل جائیں تو واردات کا آدھا حصہ وہ لے جاتا ہے یہی حالت رشوت، سمگلنگ اور چور بازاری کا ہے۔ محنت آپ کی ہوتی ہے اور دس حصے دار، گھر بیٹھے آپ کے پاس بڑی مشکل ہے دسواں حصہ چھوڑیں گے۔ دراصل جناب! زمانہ اس قدر بے ایمان ہو گیا ہے کہ چوری چکاری میں بھی کچھ وصول نہیں ہوتا۔ اس لیے تو میں نے یہ پیشہ چھوڑ دیا تھا ورنہ دوسرے چوتھے روز سو پچاس کی جیب کاٹ لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔''

میں چونک اٹھا اور پوچھا۔ ''کیا آپ یہ کام بھی کرتے رہے ہیں؟''

اس نے میرے دوست کی طرف دیکھا اور ہنس کر بولا:

ایزی بھائی! تمہارے دوست بھولے بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ ’’پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا...... ’’تو جناب! میں اب کیا کر رہا ہوں؟ یہ جو میں گلی گلی، فال، رمل، دلیل کی صدائیں لگاتا پھرتا ہوں یا سڑک کنارے سلیٹ پر سنگلی پھینک کر بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟ جیب تراشی ہی تو ہے! پہلے میری انگلیاں کام کرتی تھیں، اب زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ انگلیاں بھی جیب کاٹتی تھیں زبان بھی جیب کاٹتی ہے......‘‘

وہ آگے جھکا اور رازدرانہ لہجے میں بولا۔ ’’محترم جناب! فال، رمل، جیب تراشی اور رہزنی کی ایسی قسم ہے جسے کوئی قانون نہیں پکڑ سکتا اور لطف یہ ہے کہ جس کی جیب کٹ رہی ہوتی ہے وہ دیکھتے ہوئے بھی کچھ کر نہیں سکتا بلکہ اپنی جیب میری سلیٹ پر خالی کر جاتا ہے۔‘‘

آپ کی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ رمل فال اور جوتش کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ ’’میں نے کہا۔‘‘ پھر بھی......

’’پھر میں بھی کامیاب جوتشی ہوں۔‘‘ اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ’’میں ہی نہیں، پاکستان کا ہر جوتشی کامیاب جوتشی ہے صرف اس لیے کہ یہ تو زبان کا ہیر پھیر ہے۔ جس نے یہ فن سیکھ لیا وہ کامیاب رملی اور جوتشی بن گیا۔ مثلاً آپ نے دیکھا ہو گا کہ رملی یہ ضرور کہتے ہیں کہ دل میں کسی پھول کا نام رکھو اور جوتشی اکثر صحیح پھول بتا دیتے ہیں...... بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رملی غلط پھول بتا دیتا ہے۔ فرض کیجئے رملی نے کہہ دیا۔ تیرے دل میں گلاب کا پھول ہے...... لیکن اس آدمی نے کہا دیا...... نہیں میں نے دل میں رابیل کا پھول رکھا تھا...... اس وقت رملی ذرہ بھر پریشان نہیں ہوتا بلکہ آہ بھر کر اور اس آدمی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے...... ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ پھول رابیل کا ہے پر مجھے گلاب نظر آ رہا ہے۔ رابیل کا پھول گلاب کی جھاڑ کے پیچھے چھپ گیا ہے، آگے گلاب کے کانٹے آ گئے ہیں، تیرے من کا پھول آگے آئے تو کیسے آئے؟ لکھنے والے نے لکھ تو بھلے لکھے پر کلموئی اوپر کانٹے بکھیر گئی...... تیرا من رابیل کا پھول ہے پر گلاب کے کانٹوں نے

زخمی کر دیا ہے۔ من کی آشا کو پرائی چنتا کے کانٹے کھلنے نہیں دیتے۔ پر ایسی کوئی بات نہیں۔ سو اچھ آنے پوتھی پر رکھ کر دل میں پنج تن پاک غوث الاعظم کا نام لے کر انگلی یہاں کسی خانے میں رکھ دے...... اور بجائے اس کے سائل رملی کی اس لغزش کو پکڑ لے کہ اس نے پھول غلط بتایا ہے وہ اسکی باتوں کے جادو میں آ کر سوا چھ آنے کی بجائے آٹھ آنے رملی کی پوتھی کے کھلے ہوئے صفحے کے کسی خانے میں رکھ دیتا ہے......‘‘ اس نے قدرے اکتاہٹ سے کہا۔

’’جناب! میرا پیشہ تو سمندر ہے۔ آپ کتنی باتیں سن سکیں گے اور کتنی لکھ سکیں گے۔ میں تو سناتا ہی چلا جاؤں گا۔‘‘

’’زیادہ تر کس قسم کے لوگ فال، رمل کے چکر میں پھنستے ہیں؟‘‘ میں نے کہا۔ ’’ظاہر ہے کہ جو جس قدر غریب ہو گا وہ قسمت اور تقدیر کا اتنا ہی قائل ہو گا۔‘‘

’’جی نہیں!‘‘ اس نے کہا۔ ’’امیروں کا حال بھی ویسا ہی ہے۔ میں ان امیروں کی بات کر رہا ہوں جو ہاتھ کی صفائی سے امیر بن گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں دراصل ایسے ہی امیروں کی کثرت ہے ورنہ حق حلال کی کمائی پر آج کل کے زمانے میں کون محل کھڑے کر سکتا ہے؟ یہ ہاتھ کی صفائی والے امیر فال رمل کے زیادہ قائل ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی ذات تو کوئی ہوتی نہیں اور ان کے دلوں پر ہر وقت ایک خوف سا طاری رہتا ہے۔ میں نے ان لوگوں کو بہت قریب سے نہیں بلکہ ان کے دلوں کے پردے اٹھا کر ان کے ضمیر کو اور ان کی اصلیت کو دیکھا ہے۔ ان کی نہ کوئی شخصیت ہے نہ کردار، وہ دراصل دو اڑھائی سو روپے ماہوار کی حیثیت کے لوگ ہیں لیکن حرام کے دو اڑھائی سو جب ایک دن میں گھر آ جاتے ہیں تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ حرام کی دولت ان پر ایسا نشہ طاری کر دیتی ہے کہ انہیں اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ اپنی اصلیت سے ایک ہی چھلانگ لگا کر نکل آتے ہیں اور انگریز بن جاتے ہیں۔ ان کے گھروں میں بھائی کو بھابھی کی اور بہن کو بہنوئی کی تمیز نہیں رہتی۔ دوپٹے اڑ جاتے ہیں۔ بال کٹ جاتے ہیں، حیاداری کی جگہ فیشن آ جاتا ہے۔ بیٹیاں باپوں کے سامنے عریاں ہو جاتی ہیں اور باپ فخر کرتے ہیں کہ بیٹی، ایڈونس ہو گئی ہے اور یہ

لوگ اپنے آپ کو اس قدر اونچا سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کا نیچ پن اور زیادہ نکھر آتا ہے جسے وہ خود نہیں دیکھ سکتے بلکہ گلی محلے والے دیکھتے ہیں۔ وہ جوکر بن جاتے ہیں لیکن ان لوگوں پر ذرا سی مصیبت آپڑے تو وہ جھوٹے سہارے تلاش کرنے لگتے ہیں اور جب انہیں اپنی فلمی زندگی، فلاپ ہوتی نظر آتی ہے یا ان کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے تو وہ ہتھیلیاں جوتشیوں اور رملیوں کے آگے پھیلانے لگتے ہیں پھر جوتشی ان سے منہ مانگے دام وصول کرتے ہیں۔“

اس نے یکے بعد دیگرے تین کہانیاں سناڈالیں جو میرے لیے قطعاً عجیب نہیں تھیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں بھی آخر اسی معاشرے کا فرد ہوں اور ان کہانیوں کا عینی شاہد۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ مجھے سات پردوں کے اندر کی دنیا دکھا رہا تھا۔ مثلاً اس نے ایک لڑکی کی بات سنائی جس کی بہن عرصے سے بیمار تھی۔ اس لڑکی نے اس رملی سے رازدارانہ لہجے میں پوچھا...... میری بہن ٹھیک ہو جائے گی؟...... وہ کہتا ہے کہ اس لڑکی کے چہرے پر لکھا تھا کہ میری بہن کب مرے گی؟...... وہ دراصل اپنی بہن کے خاوند پر قابض ہونا چاہتی تھی کیونکہ وہ آدمی حرام کی کمائی کی وجہ سے خاص امیر آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اس لڑکی سے دل کی بات اگلوائی تھی۔

آپ مجھ سے یہ نہ پوچھئے کہ کون کون سے لوگ مجھے ہاتھ دکھاتے ہیں اور کیا پوچھتے ہیں۔“ اس نے کہا۔” بلکہ یہ سوچئے کہ وہ مجھ جیسے گلیوں میں دردر خوار ہوتے ہیں رملیوں پر بھروسہ کیوں کر لیتے ہیں...... وہ خود ہی بولا...... دراصل بات یہ ہے کہ جب انسان حالات سے بےبس ہو جاتا ہے تو وہ جھوٹے سہارے تلاش کرنے لگتا ہے۔ کوئی تو وہ ہیں جو اپنے ہاتھوں بےبس ہو گئے ہیں یعنی انہیں اپنے گناہوں نے بےبس کر رکھا ہے۔ لیکن زیادہ تر وہ ہیں جو اپنی ساری قوت صرف کر دیتے ہیں لیکن انہیں روٹی ملتی ہے تو کپڑا میسر نہیں آتا۔ کپڑا مل جائے تو دوادارو کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ وہ سر ڈھانپتے ہیں تو ٹانگیں ننگی ہو جاتی ہیں، ٹانگیں ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ آخر ان کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کی قسمت کی لکیر ٹیڑھی ہو گئی ہے جسے رملوں کے سوا کوئی سیدھا نہیں کر سکتا۔ سچ جانیئے کہ

ان دنوں کئی آدمی مجھ سے سوال کر چکے ہیں۔ جوتشی بابا! ست بھائی کب آئے گی؟...... جناب جوں جوں مہنگائی بڑھتی جاتی ہے رملیوں اور جوتشیوں کی منڈی چمکتی جاتی ہے......“

”آپ نے یہ پیشہ کب شروع کیا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”پچھلی جنگ عظیم میں۔“ اس نے کہا۔ ”شاید ۴۲ یا ۴۳ کی بات ہے۔ جنگ کا بڑا زور تھا۔ اس وقت کونسا گھر تھا جس کا ایک بیٹا فوج میں نہیں تھا۔ بیشتر جوان سمندر پار چلے گئے تھے اور پیچھے ان کے گھروں میں ماتم ہو رہے تھے۔ دیہات میں یہ حال تھا کہ کسی نہ کسی گاؤں میں ہر روز کسی نہ کسی کے بیٹے کے مرنے کا سرکاری تار آتا تھا۔ اس وقت پیروں فقیروں، سادھو منتھوں اور جوتشیوں کی منڈی خوب چمکی تھی۔ تعویذ دھاگے،۔ ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے منہ مانگے داموں بکتے تھے۔ ملا لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر سو سو روپے کے عوض لوگوں کے بیٹوں کی سلامتی کی خاطر چلے کاٹتے تھے۔ عامل، کتابیں نکالتے تھے اور رمل، فال رمل کا جادو چلاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جہاں توپیں اور مشین گنیں چلا کرتی ہیں وہاں جادو اور تعویذ دھاگے نہیں چلا کرتے لیکن یہ جادو سپاہیوں کی ماؤں، بہنوں اور بیویوں پر خوب چلاتا تھا......

میرے استاد نے مجھے کہا کہ پٹھے! دیہات کی طرف نکل جاؤ۔ دو چیلے ساتھ لے کر گورو بن جاؤ یا پیر بن جاؤ یا جوتشی کا روپ دھار لو۔ اس نے مجھے دو آدمی دے کر ہمیں ٹریننگ دے دی۔ رہتک حصار کے دیہات قریب تھے۔ ہم نے ادھر کا رخ کر لیا۔ میرے ساتھی مجھ سے پہلے ہی کسی گاؤں کے دو چار گھروں کے متعلق پتہ کر آتے تھے کہ فلاں گھر کے دو بیٹے برما فرنٹ پر ہیں فلاں کا ایک بیٹا اٹلی میں ہے، فلاں کا بیٹا جاپانیوں کی قید میں ہے اور فلاں گھر والوں کو اپنے داماد کا غم کھائے جا رہا ہے، ایک مدت سے اس کی خیر خیریت کی خبر نہیں آئی۔ ان معلومات کی روشنی میں میں سادھو بن کے وہاں چلا جاتا تھا یا اگر وہ مسلمان ہوں تو میں پیر فقیر بن جاتا تھا یا جوتشی کا روپ دھار لیتا تھا۔ پیشتر اس کے کہ سائل کچھ پوچھیں میں بول اٹھتا تھا...... تیرا بیٹا اٹلی کے مورچوں میں مجھے اچھا بھلا بیٹھا نظر آ رہا ہے...... اور وہ لوگ میری راہ میں آنکھیں بچھانے لگتے تھے۔ وہ بےچارے اس قدر بےبس اور مجبور تھے کہ اپنے جوان بیٹوں کی زندگی کی خاطر اندھے ہو گئے تھے۔ جنگ ختم ہوئی تو میرا کاروبار

بھی مندا ہو گیا پھر میں شہروں کی طرف نکل گیا......"

"جنگ تو پچھلے ستمبر میں بھی ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔ "آپ نے اپنی منڈی چمکانے کی کوشش نہیں کی؟"

اس کے چہرے کا تاثر یک لخت بدل گیا۔ پھر اس کا سر جھک گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ دھیمی سی آواز میں بولا...... "میں نے جو کچھ بھی آپ کو سنایا ہے آپ نے مان لیا ہے لیکن اب جو سناؤں گا آپ شاید یقین نہ کریں۔ پیدا کرنے والے کی قسم جو کہوں گا سچ کہوں گا لیکن آپ مانیں گے نہیں...... میں جنگ عظیم کا بھولا ہوا پاکستان اور ہندوستان کی جنگ شروع ہوتے ہی لائل پور کے ایک گاؤں میں وہی جنگ عظیم والا فراڈ چلانے چلا گیا۔ میں نے گاؤں کی گلیوں میں وہی صدا لگائی جسے سن کر رہتک حصار کی عورتیں مجھے گھیر لیا کرتی تھیں۔ لیکن لائل پور کے اس گاؤں میں میری طرف کسی نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ایک ہی رات میں پہلے اس گاؤں سے ذرا پرے بم گرے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ گاؤں کے کسی آدمی یا عورت کے چہرے پر خوف ادہشت نہیں تھی...... آخر ایک جگہ پانچ چھ عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں انہوں نے مجھے بلا لیا۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو ایک عورت نے پوچھا...... اے رملی! یہاں بیٹھ اور سچ مچ بتا کہ ہمارے غازی دلی کب پہنچیں گے ابھی تو کہتے ہیں کہ امرتسر بھی فتح نہیں ہوا؟...... سچی بات ہے جناب، کہ مجھے زبان کے تمام کرتب بھول گئے۔ میں نے دبی سی زبان سے پوچھا...... اس گاؤں کا کوئی جوان فوج میں نہیں ہے؟"

ایک عورت نے کہا...... اللہ کا فضل ہے ہمارا تو آدھا گاؤں فوج میں ہے......

جناب! میں نے تھیلا سمیٹا اور صرف اتنا کہہ کر واپس آ گیا کہ اللہ فتح دے گا۔ میں سیدھا لاہور آیا اور داتا دربار چلا گیا۔ داتا دربار سے ہمیں بہت شکار ملتا ہے لیکن اس روز وہاں کا بھی رنگ نرالا دیکھا۔ عورتوں اور مردوں کا ہجوم تھا اور ایک ہی فریاد سنائی دیتی تھی...... یا داتا ہمارے فوجیوں کی خیر۔ یا داتا! ہمارے فوجیوں کو فتح دینا......

"میرا خیال تھا کہ اب مجھے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا پڑے گا لیکن جناب! اب وہی

لوگ ہیں جو مجھے روک کر ہتھیلیاں میرے سامنے پھیلا دیتے ہیں۔ یہ انہیں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ہیں جو داتا دربار اور مسجدوں میں فتح کی دعا کے لئے اٹھتی تھیں۔ مگر اب پھر......"

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا ہے جیسے کوئی فلسفی کسی علمی پیچیدگی میں الجھ گیا ہو۔

> "میرے عزیز دوست!" اس نے کہا۔ "قوم کو پہلی بار پتہ چلا تھا کہ قسمت ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ان لوگوں پر پہلی بار یہ مقدس انکشاف ہوا تھا کہ ستارے جو خود خلا میں بھٹک رہے ہیں وہ انسانوں کی قسمت نہ بنا سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں جس انسان کے ایک ہاتھ میں رائفل اور دوسرے ہاتھ میں قرآن ہو، وہ ان ہاتھوں کی لکیریں اپنے زور سے سیدھی کر لیا کرتا ہے۔ لیکن میرے عزیز دوست! ہم لوگ آج پھر ٹیڑھی لکیروں کے گورکھ دھندے میں الجھ کر رہ گئے ہیں کیونکہ ہمارے دونوں ہاتھ خالی دیکھ کر قوم کو وہم ہو گیا ہے کہ شاید خالی ہاتھوں کی یہ لکیریں جل دے گئی ہیں......

"ایک زمانہ تھا کہ میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ میری خوشیاں اور میرا پیار ان ہی لکیروں میں غائب ہو گیا ہے۔" اس نے جذباتی اور قدرے رندھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ اس دور کی بات ہے جب میری ماں مر گئی تھی اور گھر پر میرے باپ پر سوتیلی ماں نے قبضہ کر لیا تھا۔ پھر ایک روز باپ نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ میں نے کئی بار جوتشیوں اور رملیوں کو ہاتھ دکھا کر پوچھا تھا کہ مجھے ماں کا پیار کہاں سے ملے گا؟......" وہ دکھیاری سی ہنسی ہنس پڑا اور بولا...... "آج یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس قوم کی بھی ماں مر گئی ہے اور باپ نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا ہے۔" وہ یک لخت شگفتہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ "جناب! آپ بڑے شوق سے مضمون لکھیے کہ فال رمل بکواس ہے اور فراڈ ہے۔ آپ کی کوئی نہیں سنے گا۔ آپ سے اگر کسی نے پوچھ لیا کہ فال رمل بکواس ہے تو آؤ، تم ہماری قسمت بدل دو، پھر آپ کیا جواب دیں گے؟"

اور میں اس روز سے سوچ رہا ہوں کہ میں کیا جواب دوں گا۔ (۲۹)

اوہام پرستی؟

شکو بھابی پڑھی خاتون ہے پڑوس میں رہتی ہے۔ ایک دن میں ان کے گھر گئی تو وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ ''بھابی کیا بات ہے۔ آپ کچھ پریشان نظر آتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ 'خدا خیر کرے تمہارے بھیا دورے پر گئے ہوئے ہیں اور میری دائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔'' بھابی نے بتایا۔ ''چھوڑیے بھابی آپ ناحق وہم کرتی ہیں۔ انشاء اللہ بھیا خیریت سے ہوں گے۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ ایک شکو بھابی کا کیا اکثر لوگ ایسے ہی بے بنیاد وہم کرتے ہیں۔ عید کا دن اور جواں مرگ رضیہ کی موت۔ بے چاری ایک بچے کو جنم دے کر ہمیشہ کی نیند سوگئی۔ پڑوس کا معاملہ تھا۔ سب لوگ تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے اہل خانہ غم سے بے حال تھے ابھی کل ہی کی تو بات ہے کیسی خوش خوش پھر رہی تھی لیکن موت سے کے مفر ہے۔

خالہ جان نے اظہار تعزیت ہمارے گھر آ کر کیا اور ہماری دیوار پر سے اس کی میت کو دیکھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا۔ ''بیٹا میرا بندھن ہے۔ میں میت اور چلے والے گھر میں نہیں جایا کرتی اور اگر چلی جاؤں تو بیمار ہو جاتی ہوں۔'' مجھے بہت حیرت ہوئی کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی انسانوں کی اوہام پرستی میں فرق نہیں آیا ہے۔

اوہام پرستی تقریباً ہر ملک و ملت میں پائی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ زمانہ قدیم کی یادگار ہیں اور مشرق کا ورثہ ہیں۔ ادھر مشرق کے تعلیم یافتہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سائنس کی ترقی نے مغرب میں اوہام کو ختم کر دیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے اب بھی مغرب کے پڑھے لکھے لوگ توہم پرستی کا شکار ہیں۔

عورتیں تو ناقص عقل ہیں ہی۔ لیکن مرد بھی توہم پرستی میں ان سے کم نہیں ہیں۔ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے تمام اوہام شگون وغیرہ کو باطل قرار دیا ہے اور

مسلمانوں کو ان کے چکروں سے نکال دیا ہے لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان تعلیم کی کمی کے باعث توہم پرستی کا شکار ہیں۔ ہمارے یہاں عورتیں بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا دھاگا باندھ دیتی ہیں۔ بیٹھے بیٹھے پاؤں ہلانے کو نحوست کی نشانی سمجھتی ہیں۔ آنکھ، ہاتھ، منہ، بازو کے پھڑکنے سے مختلف فالیں نکالتی ہیں۔ قسمت کا حال بتانے والوں اور جن بھوت پریت کے عاملوں پر یقین رکھتی ہیں اور نجانے کیا کچھ کرتی ہیں۔

ہندوؤں کی اوہام پرستی کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے اگر کوئی فرد کہیں جا رہا ہو اور بلی سامنے سے راستہ کاٹ جائے تو اسے اچھا خیال نہیں کیا جاتا ہے۔ جوتے پر جوتا چڑھ جائے تو سفر کی نشانی۔ کوا بولے تو مہمان کی آمد سمجھا جاتا ہے۔ ہندو لوگوں میں رواج ہے کہ منگنی کی گفتگو سے پہل اپنے توہمات دور کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے پوچھا جاتا ہے کہ جس لڑکے کے متعلق بات چیت ہو رہی ہے۔ اس کے مکان کا دروازہ لڑکی کے مکان سے کس سمت کو ہے۔ اگر دروازے کا رخ پنڈت کی بتائی ہوئی سمت کو نہ ہو تو خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شادی راس نہ آئے گی۔ اگر لڑکا کا والدین کی پہلی اولاد ہے تو اسکی جان کو سو خطرے ہیں۔ اس پر جادو اور عمل کا زیادہ اثر ہوگا۔ یہ ضدی ہوگا اور بیوی کی اپنے سامنے کچھ نہ چلنے دے گا۔ اگر دو بہنوں کے بعد ہوگا تو یہ تیلھڑا ہوگا۔ اس کی جان کو بھی سو خطرے ہوں گے۔ منگنی کے بعد شادی کی تاریخ ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیا ازدواجی تقریبات منانے کے لیے یہ دن مناسب رہے گا۔ کون سی ساعت مبارک ہوگی؟ اس سلسلے میں عام طور پر ماہر سیارگان سے بھی مشورہ لیا جاتا ہے۔ دلہن کی عروسی رسومات کی ادائیگی میں کوئی بیوہ یا ایسی عورت جس کے بچے مر جاتے ہیں۔ حصہ نہیں لے سکتی ہے مبادا اس کا سایہ دلہن کے لیے بھی تکلیف کا باعث ہو جائے۔ دلہا کے گھر جانے پر دلہن کے ہاتھ پر زندہ مچھلی رکھی جاتی ہے۔ اگر یہ مچھلی ہاتھ پر سے نہ پھسلے تو یہ نیک فال ہوگی۔ دلہن کے آتے وقت ایک برتن دودھ سے بھر کر جلتے چولہے پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر دلہن کے سسرال میں داخل ہوتے ہی دودھ ابل جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ دلہن سسرال کے کاموں کو ٹھیک طرح سرانجام دے گی۔

ہندوؤں میں یہ عقیدہ بھی ہے کہ لڑکی لکشمی دیوی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب لڑکی ماں باپ کے گھر سے روانہ ہونے لگتی ہے تو لڑکی کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ سسرال جاتے وقت لکشمی کو ساتھ نہ لے جائے۔ اسی لیے وقت رخصت لڑکی کچھ روپے اپنی ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتی ہے۔ اور دعا کرتی ہے کہ لکشمی سدا ماں باپ کے گھر رہے۔ شادی کے بعد فلاں اپنے ہاتھ سے ایک سرخ نشان دلہن کی پیشانی پر لگاتا ہے اب یہ دلہن کا فرض ہے کہ وہ تا زندگی اس نشان کو روشن رکھے جو اس کے سہاگ کی نشانی ہے۔ ہندو عورتوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ساوتری مندر سے لایا ہوا سرخ رنگ ہے جو ان کے نزدیک ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ شوہر کا نام لینا بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے جتنے وقت میں عورت اپنے خاوند کا نام زبان سے ادا کرتی ہے اتنی ہی مدت خاوند کی عمر گھٹ جاتی ہے۔

پنسلوانیا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے مغرب کے جدید اوہام کی فہرست مرتب کی ہے۔ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ٹرک میں بچے کے جوتوں کا جوڑا لٹکا دیا جائے تو ڈرائیور کسی حادثے کا شکار نہیں ہوتا ہے۔ مشہور عالم شکاری آنجہانی جم کاربٹ نے اعتراف کیا ہے کہ اس کا یقین ہے کہ وہ اگر کسی مہم پر پانچ سے زیادہ کارتوس لے گیا تو اسے کامیابی نصیب نہیں ہو گی اور وہ بڑی سے بڑی مہم پر جاتے ہوئے بھی پانچ سے زیادہ کارتوس نہیں لے گیا۔

فلاڈیفا (امریکہ) کا ایک مشہور سرجن اس وقت تک یقین نہیں کرتا جب تک وہ وہی چوغہ نہ پہن لے جو وہ کئی سال سے پہن رہا ہے اور یہ حقیقت کہ جب وہ اس چوغے کو پہن لیتا ہے تو اس میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نہایت سکون سے اپریشن کرتا ہے۔ جاپان کے لوگ چار کے ہندسے منحوس تصور کرتے ہیں اور مغرب والے تیرہ کے عدد کو اچھا نہیں سمجھتے۔

فرانس میں پانی میں ڈوب کر مر جانے والے شخص کی لاش کو دو پٹوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ماں اپنے کسی بچے کی لاش کے ساتھ اس کے کھلونے بھی دفن کر دیتی ہے تا کہ وہ اکیلا نہ رہے۔

جرمنی میں عقیدہ ہے کہ اگر مکڑی اپنا جالا نیچے کی طرف جھکا لائے تو خوش قسمتی اور اگر وہ آپ کی طرف اونچا کرے تو بد قسمتی کی علامت۔

روس میں مردے کے ہاتھ میں اس کے اخلاق و عادات سے متعلق ایک سند رکھ دیتے ہیں تا کہ وہ جنت کے دروازے پر فرشتے کو (سنیٹ پیٹر کو) دکھا کر جنت میں داخل ہو سکے۔

آئرلینڈ کے باشندے اپنا جنازوں کے آگے باجا بجایا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ باجے کے شور و غل سے بلائیں بھاگ جاتی ہیں۔

کیوبا میں لوگ چاندنی رات میں حتی الامکان اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ وہ چاند سے خوف کھاتے ہیں۔ اگر انہیں مجبوراً باہر نکلنا بھی پڑے تو وہ بدن ڈھانپ کر اور سر منہ چھپا کر نکلتے ہیں۔ وہ چاندنی رات میں سوتے بھی نہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں چاندنی میں سونے سے لقوہ ہو جاتا ہے۔

افریقہ میں سانپ کو مار کر درخت سے لٹکا دیتے ہیں اور نو مولود کے ہاتھ کو اس سانپ سے ملتے ہیں تا کہ سانپ دیوتا ان کی حفاظت کرے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ناگ دیوتا ان پر مہربان رہے گا اور وہ اس کی پناہ میں رہیں گے۔

اسکیمو بچے کے مر جانے پر اس کے ساتھ زندہ کتا بھی دفن کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں کتا کسی بھی جگہ ہو اپنا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ اس لیے کتا اس کا بہترین رہبر ثابت ہو گا اور آخرت میں بھی اس کی رہبری کرے گا۔

پرانے چین کے لوگ بہت اوہام پرست تھے۔ وہ ارواح خبیثہ سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں درخت کی ٹہنیاں لٹکائے رکھتے۔ ہونے والے میاں بیوی کو ایک غیر مرئی ریشمی دھاگے سے باندھ دیتے۔ ان کے خیال میں انہیں اس ڈوری سے موت ہی جدا کر سکتی تھی۔

یونانی ماں اپنے بچے کو اس کے جھولے میں لٹانے سے پہلے اپنا پسندیدہ گیت گاتے

ہوئے آگ کے سامنے چکر لگاتی ہے تا کہ بری روحوں کو دور کر سکے۔

برما والے خیرات کو اچھا نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ ظالم اور گناہ گار ہوں وہی اپنے گناہوں کو کم کرنے کے لیے خیرات کرتے ہیں۔

آسٹریلوی مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھتے ہیں یہاں کے قدیم لوگ مردے کے ناخن تراش کر اس کے دونوں ہاتھ آپس میں باندھ دیتے تھے تا کہ وہ اپنے ناخنوں سے قبر کھود کر باہر نہ آ جائے اور یہ زندہ انسان کا خون نہ چوس لے۔

جاپانی ناخنوں کو سفر پر جانے سے قبل کترنا اچھا نہیں سمجھتے۔ اگر کوئی شخص ناخن آگ میں پھینک دے تو ان کے خیال میں وہ ضرور کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو گا۔

امریکہ میں بھی بے شمار اوہام پرست ہیں۔ گائے کا آدھی رات کے بعد ''مو'' کی آواز نکالنا اہل خانہ میں سے کسی کی موت کی پیش گوئی سمجھی جاتی ہے۔ اگر مرغ گھر کے سامنے شور مچائے تو مہمان آتے ہیں جیسا کہ برصغیر میں کوے کے شور مچانے پر مشہور ہے۔

ایران میں مرغ جب بانگ دیتا ہے تو اس کے پنجوں کو چھو کر معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ گرم ہیں یا سرد، اگر وہ سرد ہوں تو موت کی دلیل اور اگر گرم ہوں تو خوشحالی اور برکت کی نشانی۔ اہل پنجاب، روسی اور انگریز اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اگر مرغی اذان دے تو خیر نہیں گزرتی۔ کیونکہ یہ نحوست کی نشانی ہے۔

ترک اس چیز کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص گلاب کے پتوں کو گرتے دیکھے تو یہ اس کی بدنصیبی کی علامت ہے۔

انگلستان کے قدیم لوگ اس وہم میں مبتلا تھے کہ اگر پھانسی دیے جانے والے شخص کو پھانسی کے وقت کوئی خوبصورت خاتون شادی کا پیغام دے تو وہ شخص پھانسی سے بچ جائے گا۔ اس قدر ترقی کے باوجود انگریز لوگ اب بھی ایک دیا سلائی سے بیک وقت تین سگریٹ نہیں سلگاتے۔ گھر کی مالکہ اپنے گھر کے سامنے والے دروازے سے مٹی کبھی صاف نہیں کرے گی۔ مبادا گھر کی برکت و خوشحالی جاتی رہے۔ شہد کی مکھیاں اگر سرسبز درخت کی کسی خشک شاخ پر اپنا ڈیرہ جمالیں تو اس سال اس گھر کے کسی فرد کی موت واقع ہو جائے گی۔ لومڑی کا رونا چلانا موت کی نشانی ہے۔ وہاں تیرہ کے عدد کو بھی اچھا نہیں خیال کیا جاتا ہے۔

اطالیہ میں مشہور ہے کہ اگر لڑکی کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھا کر دوسری طرف پھینک دی جائے تو اس لڑکی کی شادی کبھی نہیں ہو گی۔

سپین والوں کا خیال تھا کہ جہاں مکڑیاں کثرت سے ہوں وہاں سونا ضرور ہوتا ہے۔

برصغیر میں بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دولت کا سانپ ہوتا ہے اور اگر اس کو بھینٹ دی جائے تو وہ دولت دے دیتا ہے۔ دولت کو دوگنا کروانے کا خبط بھی تو اوہام پرستی میں شامل ہے۔ یہ ڈبہ پیر لوگوں کے ہی وہم کی زندہ مثالیں ہیں۔

ملائی لوگوں میں بھوت پریت، جادو منتر، ٹونے ٹوٹکے کے اثرات قدیم زمانے سے ہی چلے آ رہے ہیں۔ اچھا برا شگون لینے کا رواج بھی عام ہے۔ مغرب کی اذان کے بعد وہ بچوں کو باہر نہیں رہنے دیتے کہ کسی بھوت کا سایہ نہ پڑ جائے۔ رات کے وقت پھول نہیں توڑا جاتا۔ سر کے اترے ہوئے بالوں اور ہاتھوں کے ناخنوں کو بہت احتیاط سے ضائع کرتے ہیں تا کہ ان بالوں اور ناخنوں کی مدد سے کوئی دشمن عورت جادو نہ کر دے۔ بدروحوں اور چڑیلوں خاص طور پر ''پنتایانہ'' ...... نامی ایک چڑیل سے دکھ، بیماری اور تکلیف کا ہر وقت خوف رہتا ہے۔ ''پنتایانہ'' چڑیل لوہے کی کیل سے بہت ڈرتی ہے۔ اس لیے ہر ملائی عورت لوہے کی ایک کیل ہر وقت اپنے پاس رکھتی ہے۔ بہت سے مرد بھی اپنی ٹوپی میں لوہے کی کیل رکھتے ہیں۔ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے علاج کے باوجود بھوت پریت نکالنے والے عامل کو جو بوموکہلاتا ہے۔ ضرور بلایا جاتا ہے۔ وہ پان کے پتے پر چونا، کتھا، اجوائن وغیرہ جمع کر کے اس پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتا جاتا ہے۔ پھر پان کو چبا کر منہ، ناک آنکھ کان اور جسم پر چھڑکتا ہے۔

برطانیہ میں آج بھی بہت سے گھروں کی عورتیں، چودھویں کے چاند کو دیکھتی ہیں تو عجیب عجیب وہم کرتی ہیں انہیں چودھویں کے چاند میں کبڑی شکلیں جھاڑیوں پر سوار نظر آتی

ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اس جادوگرنی کا خون نچوڑ لے جس نے اس پر جادو کیا ہے تو وہ اس کے اثر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ڈیون شائر کے ایک شخص نے عدالت میں بیان دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس وجہ سے چھوڑا ہے کہ وہ جادو، ٹونے کرتی ہے۔

ہندوستان میں امیر علی کا نام کوئی نہیں بھول سکتا ہے اسے انگریزوں نے ٹھگ کہا۔ وہ ''ٹھگوں'' کا سردار تھا اور مدت تک وسط ہند کی ریاستوں اور آس پاس کے علاقوں کے عوام کے علاوہ حکومتوں کے لیے معمہ بنا رہا۔ ''امیر علی کی سرگزشت'' میں تحریر ہے کہ جب میں نے اپنے باپ سے ٹھگ بننے کی خواش کی تو میرے ابا مجھے سب آدمیوں کے ساتھ باہر کھلی ہوا میں لے گئے جہاں ابا نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ''کہ اے مہامیا بھوانی'' ہم تیرے داس ہیں۔ اپنے اس سیوک پر ہاتھ رکھ اور اس کی حفاظت کا یقین دلا اور ہمیں کوئی ایسا شگون دے جس سے ہمیں معلوم ہو جائے کہ تیری رضا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے کچھ عرصہ انتظار کیا۔ آخر ایک درخت پر سے الو کے بولنے کی آواز آئی۔ ''بھوانی ماتا کی جے ہو'' ''بھوانی ماتا کی جے ہو۔'' سب خوشی سے چلانے لگے۔ ابا نے مجھے گلے لگا کر کہا۔ خوش ہو جاؤ کہ یہ بہترین شگون ہے۔ ہمیں تو اس شگون کی امید بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ تمہیں بھوانی میا نے پوری طرح تسلیم کر لیا ہے۔

شگون کے بغیر ہم کسی مہم پر نہیں جاتے تھے۔ جب ہم کو اپنی منزل کا رخ کرنے کے لئے جدا ہونا ہوتا تو ہم سب سڑک کے کنارے جمع ہوتے۔ میرے ابا سب کے سردار تھے۔ انہوں نے جنوب کی طرف منہ کر کے، جدھر ہم رہے تھے، اپنا بایاں ہاتھ سینے پر رکھا اور نہایت عزت واحترام سے آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی۔ ''میا بھوانی ہماری پالن ہار! اگر تجھے ہماری یہ مہم پسند ہے تو ہمیں اپنی سو کا یقین دلا اور شگون دے جس سے تیری رضا کا اظہار ہو آدھ گھنٹے بعد ایک شگون ظاہر ہوا۔ بائیں ہاتھ ایک گدھا رینکا اور اس کے بعد فوراً ہی دائیں ہاتھ سے ویسی ہی آواز آئی۔ بڑا نیک شگون تھا۔ برسوں کے بعد ایسا نیک شگون ملا تھا مجھے یہ سب کچھ عجیب وغریب لگا۔ مگر ساتھیوں کا شگونوں پر پکا عقیدہ ان کی اہمیت ظاہر کر رہا تھا۔

ہر مہم کے بعد گڑ کی قربانی پیش کی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی رسم ہے جس کو کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ ایک چادر بچھا کر بدری ناتھ کو اس پر بٹھایا گیا۔ باقی سب لوگ بھی مغرب کی طرف منہ کر کے اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ سب کے منہ مغرب کی طرف تھے ابا نے چادر کے قریب زمین میں ایک سوراخ بنایا اور اس پر بدری ناتھ کی تبر رکھ دی۔ ساتھ ہی ایک پیسہ بھی رکھ دیا گیا۔ پھر اس سوراخ میں ابا نے تھوڑا سا گڑ ڈالا اور ہاتھ جوڑ کر دعا کی۔

میں نے بھی دعا دہرائی اور پھر ابا نے مقدس پانی کے چھینٹے تبر اور سوراخ پر ڈالے اور سب میں گڑ تقسیم کیا۔ میں نے ابھی تک کسی آدمی کو نہیں مارا تھا اس لیے یہ گڑ مجھے نہیں ملا بہر حال ابا نے میرے لیے اپنا حصہ رکھ چھوڑا اور مجھے دیا۔ جب میں اسے کھا چکا تو ابا نے بتایا۔ اب تم یہ گڑ کھانے کے بعد پکے ٹھگ بن گئے ہو۔ اس میں ایسا اثر ہے کہ اگر تم چاہو تو بھی اس پیشے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کی طاقت کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے جو بھی اسے کھا لیتا ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس پر اس کا یہی اثر ہوتا ہے ٹھگ خواہ کسی مذہب سے ہو، دیوی پر یقین رکھتے تھے۔

اہل مصر قدیم زمانے میں دریائے نیل پر شہر کی سب سے خوبصورت کنواری لڑکی کی قربانی دیتے تھے۔ یہ رسم حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ختم ہوئی اور آخر اہل مصر نے دیکھ لیا کہ یہ تمام رسمیں توہمات کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ان چند مثالوں کے علاوہ نجانے دنیا کے ملکوں اور قوموں میں کیا کیا اوہام پائے جاتے ہیں۔ اور زمانے کی اتنی ترقی کے باوجود کب تک رہیں گے ان کی افادیت یا اہمیت کچھ ہو یا نہ ہو، مگر انسانی روشن ضمیری اور سائنس کی تحقیق وترقی کے باوجود یہ ابھی تک موجود ہیں۔ (۳۰)

* * *

قصہ ایک جعلی پیر کا

اولاد سے محروم ایک خاتون کی سچی کہانی جو عصمتوں کے ایک شکاری کے جال میں پھنس گئی تھی

اخبار میرے سامنے پڑھا تھا میں سوچ رہی تھی اس ماہ یہ تیسرا پیر پکڑا گیا ہے. جس نے سادہ لوح عورتوں کو اپنے جال میں پھانس کر ہزاروں روپے کھرے کیے اور جو عورت پسند آتی اسے عزت بچانے کا موقع نہ دیا۔ خواتین اکثر ضعیف الاعتقاد ہوتی ہیں۔ وہ جعلی پیروں کے چکر میں پھنس جاتی ہیں اور ان کی آنکھیں تب کھلتی ہیں جب وہ سب کچھ لٹا چکتی ہیں۔ نام نہاد پیروں کے لیے سب سے آسان کام یہی ہے۔ ”ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے“ دس عورتیں بالفرض اولاد کے لئے دعا کرانے آتی ہیں اور سب کی سب بیٹے کی متمنی ہیں۔ ان دس عورتوں میں سے پانچ کے ہاں بیٹا ہو گیا تو پیر صاحب کی واہ واہ ہو جاتی ہے۔ یہی پانچ عورتیں پروپیگنڈہ کر کے پچاس عورتوں کو پیر صاحب کی سرکار میں لے آتی ہیں اور یوں پیری مریدی کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ چاندی سی اجلی پیشانی پر بالوں کی سیاہ لٹ لہرا رہی تھی۔ گھنیری پلکیں جکائے کپکپاتے ہونٹوں سے وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ آٹھ دس عورتیں کمرے میں فرش پر بیٹھی تھیں۔ سامنے ایک گدی پر بابا جی آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ساتھ بیٹھی عورت سے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“ عورت نے تھوڑا سا پہلو بدلا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگی۔

”بابا جی! اس کی شادی کو چار سال ہو گئے، مگر اب تک اس کی گود ہری نہیں ہوئی۔ ڈاکٹروں کا علاج کیا، دائیوں کو منہ مانگے روپے دیے، حکیموں کے پاس گئی، اب سب جگہ

ے مایوس ہو کر آپ کے در پر آئی ہے۔ اللہ اس کی جھولی بھر دے۔ جیتا جاگتا بچہ دے۔ میں اس کی بڑی بہن ہوں، ماں کی جگہ۔ اب ساس نندوں کے طعنے مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتے۔ گھر بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔“

بابا جی نے گہرا سانس لیا اور لڑکی کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اپنی چادر سنبھالتی قریب آئی۔

”کیا نام ہے تیرا؟“

”رابعہ۔“

”اور تیرے بندے کا نام اور اس کی ماں کا نام۔“

”جی اس کا نام سرور ہے اور ماں کا نام رحمت بی بی ہے۔“

بابا جی نے قریب پڑا رجسٹر اٹھایا اور اس پر کچھ حساب کتاب کرنے لگے۔ آڑی ترچھی لائنیں لگائیں۔ چند منٹ بعد بولے۔ ”دیکھ رابعہ! تیرے مقدر میں اولاد ہے۔ تو بانجھ نہیں مگر تیری کوکھ کسی نے دس سال کے لیے باندھی ہوئی ہے۔ دس سال تیرے ہاں بچہ نہیں ہو گا۔ اس کے بعد اللہ رحمت کرے گا۔“

رابعہ کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں پھر وہ رونے لگی۔ آنسو اس کے چہرے پر موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔ رابعہ کی بہن نے اپنا بٹوہ کھولا۔ پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر بابا جی کے قدموں میں رکھ دیا اور پاؤں پکڑ کر بولی: سب جگہ سے ناامید ہو کر آپ کے پاس آئے ہیں، آپ ہی کوئی چارہ کریں۔ کوئی دم درود بتائیں اور اس نامراد کی کوکھ کھول دیں۔ دس سال کون انتظار کرے گا۔ اس کی جوانی ایسے ہی گزر جائے گی۔ اس کی ساس تو اپنے بیٹے کے لیے ابھی سے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہے۔ اس کا میاں اپنی ماں کی ہر بات مانتا ہے۔ وہ شادی کر لے گا تو یہ کہاں جائے گی؟“

بابا جی نے آہستہ سے پانچ سو کا نوٹ اٹھایا اور اسے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولے: ”سات دم ہوں گے۔ ایک دم آج کروں گا۔ پھر چار روز کے بعد چاند چڑھ جائے

گا۔ اس کے بعد باقی دم ہوں گے۔ اس کے اوپر سخت وار ہے۔ مجھے چھری سے اس کے جسم پر تعویذ لکھنا ہوگا پھر کہیں جا کر اس کی کوکھ کھلے گی۔ بہت زیادہ محنت کا کام ہے۔ کڑھائی دینی ہوں گی۔ آج تو میں کڑھائی ان روپوں کی رات کو دے دوں گا۔ ہر دم پر ڈھائی ہزار روپے لگیں گے۔‘‘ انہوں نے ایک زنگ آلود چھری اٹھائی اور رابعہ کو دونوں ہاتھ آگے کرنے کو کہا۔ رابعہ کے ہاتھوں پر انہوں نے چھری سے آڑے ترچھے نقش بنائے پھر انگلی سے اس کے بازو پر کچھ لکھا۔ چار نقش رجسٹر سے نکالے اور اسے دیتے ہوئے بولے: ’’روزانہ ایک نقش پانی میں بھگونا ہے اور رات کو بارہ بجے اس پانی سے نہانا ہے۔ چار دن کے بعد پھر میرے پاس آنا۔‘‘

رابعہ نے نقش لے کر بٹوے میں رکھے اور پھر ہچکچاتے ہوئے کہا: ’’باباجی! میرے پاس اتنا روپیہ نہیں۔ اللہ کرم کر دے، پھر میں اپنے شوہر سے لے کر دے سکتی ہوں۔‘‘

پاس ہی ایک عورت بیٹھی تھی۔ اس نے رابعہ کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: ’’بھولیے! پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ میری ساس نے ایک لڑکی تلاش کر لی تھی۔ مرد ذات کا کیا اعتبار ہوتا ہے۔ میرا شوہر دوسری شادی کے لیے تیار تھا۔ مجھے پیر صاحب کا پتہ چلا۔ میں آئی اور پھر تیری طرح پریشان ہوگئی۔‘‘

’’پھر تم نے کس طرح روپے لیے؟‘‘ رابعہ نے پوچھا۔

’’میری ساس نے مٹی کے مرتبان میں زیور اور روپے رکھے تھے۔ یہ مرتبان اس کے کمرے میں زمین میں دبا ہوا تھا۔ گاؤں میں مرگ ہوگئی۔ میری ساس کو جانا پڑا۔ میں نے موقع غنیمت جا کر زمین کھودی اور مرتبان میں سے دو کڑے نکال لیے اور دو ہزار روپے بھی۔ وہ کڑے میں نے شہر جا کر بیچے کیونکہ گاؤں میں بیچتی تو ساس کو پتہ چل جاتا۔ اس طرح میری مشکل آسان ہوئی۔ اللہ نے کرم کیا اور بیٹا دے دیا۔‘‘

پیر صاحب کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سر جھکائے مراقبے میں بیٹھے تھے۔ ایک اور لڑکی بولی: ’’میرے گھر اللہ نے چار بار خوشی دکھائی، مگر جہاں چھ ماہ پورے ہوتے، بچہ ضائع ہو

جاتا۔ چھٹی دفعہ جب ایسا ہوا تو میں مردہ بچے کو چھاتی سے لپٹا کر لیٹ گئی۔ میں نے کہا یہ بچہ نہیں دوں گی۔ میرا بچہ ہے اور تم لوگ اسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔‘‘ میں خوب روئی۔ پھر گاؤں کی دائی نے مجھے پیر صاحب کا پتہ بتایا۔ چلہ نہا کر میں ان کے ڈیرے پر آئی۔ پیر جی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اب پیسوں کا مسئلہ تھا۔ میری ساس نے زیور گروی رکھے تھے۔ گھر میں اناج تھا۔ میں نے چوری چوری گندم کی دو بوریاں بھریں اور پیر جی کو لا کر دے دیں، دو بوریاں اگلی فصل پر دینے کا وعدہ کیا۔ اب دیکھ لو میری گود میں کا کا کھیل رہا ہے۔

اڑیے! تو کسی نہ کسی طرح پیسے کا انتظام کر لے۔ اللہ تیرے حال پر کرم کرے گا اور نہیں تو پیسوں کے لیے وظیفہ پوچھ لے۔‘‘

’’پیسوں کا وظیفہ!‘‘ ایک عورت حیرانی سے بولی۔

’’ہاں! پیسوں کا وظیفہ۔ میری نند بہت غریب تھی۔ اس نے پیر صاحب سے پوچھا اور وظیفہ پڑھنے لگی۔ چاند کے پندرہ دن ہوئے تھے۔ رات کو دو چور آئے۔ نند کو جاگ آ گئی، وہ اٹھی تو پاس رکھے تانبے کے گڑھے گر گئے۔ چور گھبرا کر بھاگے۔ ان کی پوٹلی گر گئی۔ نند نے پوٹلی چھپا لی۔ گاؤں والے اٹھ گئے۔ چور کے پیچھے بھاگے، مگر چور ہاتھ نہ آئے۔ اگلی صبح نند نے چوری سے پوٹلی کھولی تو اس میں پندرہ تولے سونے کی چوڑیاں اور پانچ ہزار روپے نکلے۔ چوڑیاں تو اس نے زمین میں دبا دیں اور روپے لا کر پیر صاحب کو دے دیے۔ اس کے ہاں بیٹی ہوئی۔ اب سال کی ہے۔‘‘

رابعہ نے حیران ہو کر کہا: ’’چور کیسے پوٹلی چھوڑ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔‘‘

’’واہ ری واہ۔ رب کے دینے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ اللہ نے کرم کیا اور روپوں کا انتظار کر دیا۔ اب یہ تو اس کی شان ہے وہ چاہے کسی سے دلائے۔ اس کا کام دینا ہے اور ہمارا کام ضرورت پوری کرنی ہے۔ وہ ہو گئی۔‘‘

دور کونے میں بیٹھی ایک بوڑھی عورت بولی: ’’اب میرے بال سفید ہوئے ہیں۔ میں جب پہلی بار یہاں آئی تو بیس سال کی تھی۔ سارے مسئلے پیسے کی دعا سے حل ہوئے۔ پیر تو

رہے تھے۔ پانچویں دم کے لیے وہ خوب بن سج کر آئی، سرخ کناری کا دوپٹہ اس کے سر پر تھا۔ رابعہ کی بہن نے دروازہ بند کیا اور باہر چلی گئی۔

بابا جی نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ پہلے تو رابعہ کچھ نہ سمجھی۔ پھر اس نے ہاتھ پاؤں مار کر اپنے آپ کو چھڑایا اور چیخیں مارنے لگی۔ باہر سے کچھ عورتیں آ رہی تھیں، انہوں نے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ سامنے ہی رابعہ کھڑی کانپ رہی تھی اور بابا جی سرخ سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کو گھور رہے تھے۔ اتنے میں رابعہ کا شوہر بھی آ گیا۔ رابعہ نے اسے بتایا تھا کہ آج اس کی کوکھ کھلے گی۔ وہ بھی پیر جی کو سلام کرنے آیا تھا، مگر جب اسے شیطانی روپ میں دیکھا اور رابعہ کا حال زار نظر آیا تو وہ صبر نہ کر سکا اور اس فراڈیے پر پل پڑا۔ سارے محلے والے جمع ہو گئے۔ پولیس آئی اور بابا جی کو لے گئی۔ اگلے دن اخبار میں خبر چھپی تو وہ ساری عورتیں جو ان کی معتقد تھیں، جمع ہو گئیں۔ ان میں سے دو تین عورتوں نے بتایا کہ بابا جی ان کے ساتھ بھی نازیبا حرکات کرتے رہے۔ انہوں نے سارے علاقے میں مشہور کر رکھا ہے کہ وہ بانجھ عورتوں کی کوکھ کھول دیتے ہیں اور ان کے ہاں اولاد ہو جاتی ہے۔

رابعہ اس وقت تو بابا سے اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب رہی، مگر پھر بیمار ہو گئی۔ ڈر، خوف اور اولاد نہ ہونے کے صدمے نے اسے صاحب فراش کر دیا۔ ایک رات وہ تڑپ تڑپ کر روئی اور اللہ تعالیٰ سے جھولی پھیلا کر اولاد کے لئے دعا کی۔ قبولیت کی گھڑی تھی۔ اسے ایسے لگا جیسے اسے قرار آ گیا ہو۔ اس کی بے چینی، بے قراری اور کرب دور ہو گیا۔ اس کا جسم ہلکا پھلکا ہونے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اس لمحے اپنے رب سے بہت کچھ مانگ لیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، پھر بھی اسے روشنی ہی روشنی نظر آ رہی تھی، جیسے اس کی گود میں بچہ پڑا تھا۔

رابعہ نے بند آنکھوں کے ساتھ ہی زمین پر سجدہ کیا۔ رب کائنات کے حضور یہ نذرانہ عقیدت تھا۔ اس کی دعائیں قبولیت کا درجہ پا چکی تھیں۔ چند دنوں کے بعد ڈاکٹر نے بھی تصدیق کر دی، وہ ماں بننے والی تھیں۔

بابا جی اب جیل میں ہیں، اخبار میں ان کی تصویر چھپ چکی ہے۔ اب وہ باہر آ بھی جائیں تو عورتیں ان کے چنگل میں نہیں پھنسیں گی۔ رابعہ آج بھی اس گھڑی سے نالاں ہے جب وہ پہلی بار اس شیطان کے ڈیرے پر گئی تھی اور اپنے سونے کے کڑے بیچ کر اس نے بابا جی کے دوزخ کا ایندھن بھرا تھا۔ کاش! وہ ایسا نہ کرتی۔ کڑے نہ بیچتی تو اس کے ہونے والے بچے کے کام آتے۔ اس کا شوہر پیار سے اس کو سمجھاتا ہے: ”نیک بخت! وہ کڑے تیرے نصیب میں نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو ضرور پہنتی۔ تیری کوکھ جلی تھی۔ اب تو اللہ کا شکر ادا کر کہ تیری کوکھ جلی نہیں بلکہ تو جلد ہی ماں بننے والی ہے۔“ (۳۱)

* * * * *

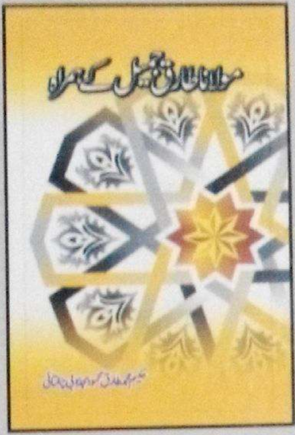
مولانا طارق جمیل کے اسرار

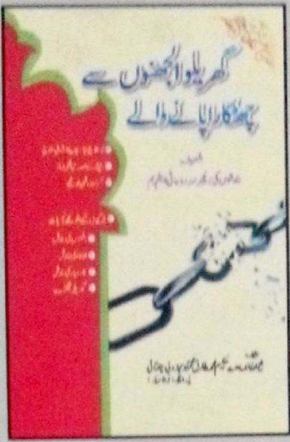
گھریلو الجھنوں سے
چھٹکارا پانے والے

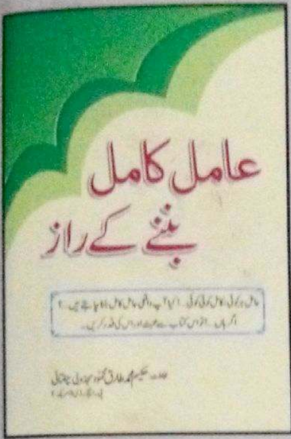
عامل کامل
بننے کے راز

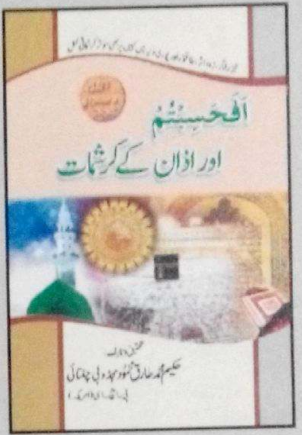
الحسیب
اور اذان کے کرشمات
حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

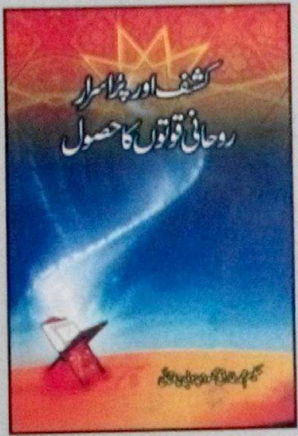
کشف اور پُراسرار
روحانی قوتوں کا حصول

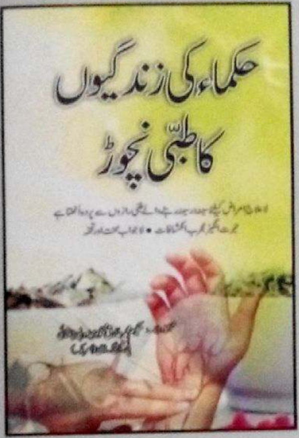
حکماء کی زندگیوں
کا طبی نچوڑ

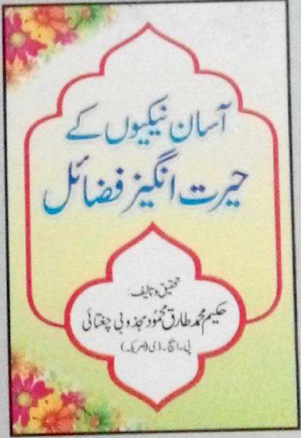
آسان نیکیوں کے
حیرت انگیز فضائل
تحقیق وتالیف
حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

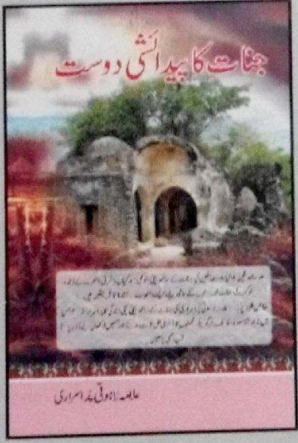
جنات کا پیدائشی دوست
علامہ لاہوتی پراسراری

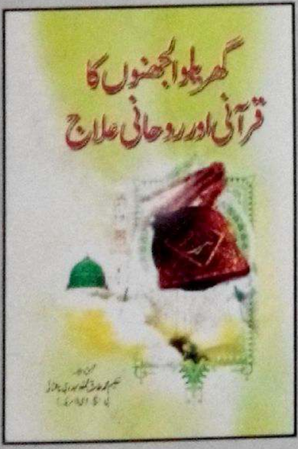
گھریلو الجھنوں کا
قرآنی اور روحانی علاج

ISBN
9789696261155

97

دفتر ماہنامہ "عبقری"

78/3 مرکز روحانیت وامن، عبقری اسٹریٹ نزد قرطبہ مسجد مزنگ چونگی لاہور
فون: 042-37552384, 042-37597605
Email: contact@ubqari.org, Website: www.ubqari.org